

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهِٖ وَرَحْمَتِكَ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

حدیث دلیراں

سوانح حیات

علیٰ حضرتؒ ہاں شہرِ محمّدیؐ
ایضاً حضرتؒ ہاں شہرِ محمّدیؐ

مؤلف

فاضل احمد منوگہ شہرِ محمّدیؐ
حاجی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَنْ كَرِهَ الْحَرَامَ مِنْ كَلْبٍ أَوْ نَسَاءٍ وَهُوَ مِنْ فَدْلِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
جو اچھا کرے وہ ہوا عورت اور ہر مسلمان تو ضرور ہم سے اچھی زندگی عطا کریں گے (بخاری ۱۶)



برمید صادق و صاحب تینز ہست ذکر سیرت پیراں عزیز
ذکر پیراں تازہ ایماں کش گند انجم انجم
قصہ آل جلوہ بر جانش گند

حدیث البراں

سوانح و حالات و افتخار ربانی شمس عرفانی جنید وقت قیوم زمان
شہباز طریقت ہادی راہ حقیقت سینا و مخدومنا سرکار
اعلیٰ حضریاں شہر محمد صاب شہر قبری قدس مہر اتریز

مؤلفہ

حاکمات شہر ربانی فضل احمد منوگہ شہر قبری

”جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں“

86662

~~کتاب~~ ”حدیثِ دلبراں“

مؤلف	_____	فضل احمد موزنگا شہر قنوی
ناشر	_____	موزنگا برادران شہر قنوی شریف (شیخوپورہ)
اشاعتِ اول	_____	ذوالحجہ ۱۴۱۳ھ : ۱۹۹۳ء
تعداد	_____	گیارہ سو
کتابت	_____	یوسف نظامی شہر قنوی

ہدیہ : دُعائے مغفرت برائے مؤلف

ووالدین مؤلف و متعلقین !

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۹	طلوع آفتاب	۳	۷	حمد باری تعالیٰ	
"	پیش گوئی		۸	نعت رسول کریم	
"	پیدائش		۹	منقبت حضرت میاں صاحب	
۵۳	طفولیت	۴	۱۰	حرف آغاز	
"	بچپن		۱۶	دیباچہ	
۵۵	جوانی		۲۲	انظہار خیال	
۵۶	منصب ولایت		۲۵	شخصیت	
۵۹	نسبت شیخ	۵	۳۱	اخلاق حسنہ	
"	بیعت		۳۲	اوصاف حمیدہ	
۶۰	میاں صاحب کا خطاب		۳۳	عجز و انکساری	
۶۲	خلافت		"	عادات و خصائل	
۶۹	مکان شریف	۶	۳۶	حلیہ مبارک	
۷۱	مکان شریف کا گھوڑا		"	لباس	
۷۲	روضہ شریف کا غلاف		۳۹	اجداد عظام	۲
۷۵	کلس کی مرمت		۴۰	بابا غلام رسول صاحب	
۷۹	عقیدہ مندوں پر شفقت		۴۲	میاں عزیز الدین صاحب	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار
۱۴۱	زمان مہدی خاں	۸۷		مکان شریف سے والہانہ محبت	
۱۴۷	نگاہِ مرد مومن	۹۱		حضرت علیؓ اور پوری تعلق سے	۷
۱۴۹	فیضانِ توجہ	۹۲		داتا صاحبؒ	
۱۵۱	کایا پلٹ دی	۹۵		دلیلِ معرفت	
۱۵۷	تصرفات	۹۷	۱۰	نئی مسجد	
۱۵۹	بے ل بنا دیا	۱۰۱		پاسِ شریعت اور اچانت	۸
۱۶۳	حالت بدل گئی	۱۰۲		پیر ابراہیم گیلانیؒ	
۱۶۵	مولانا غلام محمد بگویؒ	۱۰۴		میلہ سے نفرت	
۱۶۹	صاحبزادگان حجرہ شریف کا فیصلہ	۱۰۵		مسجد کی طرف سے غفلت پر تنبیہ	
۱۷۲	زیارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم	۱۰۸		پاسِ شریعت	
۱۷۴	ساکاں رار ہنما	۱۱۵		مست یا کہ با شریعت	
۱۷۹	دو قوال	۱۱۶		مساوات	
۱۸۱	تکمیل آرزو	۱۱۷		سر شفیق مرحوم	
۱۸۲	ہدایت و اصلاح میں تصرف	۱۱۹		دو شریفی کے شماروں کا احترام	
۱۸۵	ولی راوی می شناسد	۱۲۰	۱۱	ڈاکٹر سر محمد اقبال	
۱۸۷	آغا سکندر علی شاہ صاحبؒ	۱۲۳		فیضانِ نظر	۹
۱۹۴	شاہ ابوالخیر دہلویؒ	۱۲۵		نظر جہاں دی کیمیا	
۱۹۹	مولانا سراج الحق صاحبؒ	۱۳۲		شیخ ہوتو ایسا	
۲۰۱	ساندہ میں ایک شاہ صاحبؒ	۱۳۷		نگاہ سے تو نے جسے...	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار
۲۵۲	تمہارے منہ سے جو نکلی وہ	۲۰۳		میر جان صاحب	
	بات ہو کے رہی	۲۰۵		پاکل خانہ میں ایک بزرگ	
۲۵۹	راکھی (ننگرانی)	۲۰۸		سائیں کرم الہی کا نوالہ	
۲۶۰	ایفائے عہد	۲۱۰		روحانی تعلق	
۲۶۵	تبلیغِ مسلک	۲۱۲	۱۲	قاضی سلطان محمود صاحب	
۲۶۷	حبر وال صاحبزادے	۲۱۹		مکاشفات	۱۲
۲۶۸	حق گوئی	"		کشف	
۲۷۰	اصلاح عقائد	۲۲۱		ظلالِ دمی دوڑ میت تک	
۲۷۳	علم اور عمل	۲۲۲		جو اسیں القلوب	
۲۷۶	اشاعتِ کتب	۲۲۸		شاہ عالمی دروازہ جلے گا	
۲۷۷	تعمیر مساجد	۲۲۹		از ہمہ دوست، ہمہ دوست	
۲۷۹	مسجد میانصاحب کی تعمیر	۲۳۰		نیمن ذکر	
۲۸۵	فیضِ عام	۲۳۲	۱۵	لوح محفوظ است پیش اولیاء	
۲۸۶	احساس و درد	۲۳۹		کرامات	۱۳
۲۸۷	جانوروں پر شفقت	"		معجزہ، کرامت اور استجاب	
۲۸۹	مہمان اور اس کا گھوڑا	۲۳۳		میں افتخار الدین	
۲۹۰	ایک بٹی	۲۳۴		دل صاف کر دیے	
۲۹۳	معمولات	۲۳۷	۱۶	میسجانی	
"	عبادات و اوراد	۲۳۸		نا بنیا، بنیا ہو گیا	
	(وظائف)	۲۵۰		کرم بے ریا	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار
۳۲۵	قبر جنہاں وہی جمیو ہو	۳۰۹	۱۹	آخری ایام	۱۷
۳۳۱	اشاعتِ دین کھیے مناسب	۳۱۰		سفر کشمیر	
"	مرکز کی رہنمائی	۳۱۵		نقاب پوش	
۳۳۲	محبت اہل مدینہ	۳۱۹		وصال	۱۸
۳۳۳	تصرف در امور بعد از وصال	۳۲۰		رہلت	
۳۳۵	شجرہ شریف	۳۲۲		سوز دل	



حَمْدُ بَابِ تَعَالَى

جَلَّ جَلَالُهُ : عَوْنُ وَالِهِ : اعْظُوشَانَهُ

نروم من بجز آل ره که تو آل ره نه نمائی	مکاذکر تو گویم که تو پکی و خدائی
همه توحید تو گویم که بتوحید سزائی	همه درگاه تو جویم همه درگاه تو پویم
تو خداوند زمینی توحید او ند سزائی	تو خداوند بیینی تو خداوند بیاری
احد البین و خستی بلکه کام روانی	توزن و جفت نه جوئی نه خورد و خفت نخوایی
تو جلیل الجبروتی تو امیر الامرائی	نه نیازت بولدات نه فرزند تو حاجت
تو معززی تو مذلی ملک العرش بجائی	تو کریمی تو رحیمی تو سمیعی تو بصیری
همه ارزق رسائی که تو موجود عطائی	همه را عیب تو پوشی همه را عیب تو دانی
نه تو خیزی نه نشینی نه تو کاهی نه فراشی	نه بدی خلق تو بودی نه بود خلق تو باشی
نه مقامی نه منازل نه نشینی نه به پائی	نه سپهری نه کواکب نه بروجی نه دقائق
بری از صورت زنجیر بری از عیب و خطائی	بری از چون و چرائی بری از عجز و نیازی
بری از بیم اُمیدی بری از رنج و بلائی	بری از خوردن و خفتن بری از تهمت مُردن
تو نمائنده فضل تو سزاوار سنائی	تو علیمی تو حکیمی تو خبیری تو بصیری
نتوان شرح تو کردن که تو در شرح نیائی	نتوان وصف تو گفتن که تو در وصف نه گنجی
لَمِنَ الْمَلِكِ تُوْكَوْنِيْ كِه سزوار خدائی	اَحَدَ الْيَسِّ كِمْتَلِيْ صَمَدَ الْيَسِّ بَقَرْدِي

لب و دندان سنائی همه توحید تو گوئی

مگر از آتش دوزخ بودش زود رهایی

(حکیم سنائی)

نعت

آفاتے دو جہاں سرور اس جہاں، مالک کون و مکاں، دانائے سبل ختم الرسل
 مولائے کل رحمت عالم فخر آدم و بنی آدم نور مجسم حضرت محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم!
 بیرون ز حد فکر، کمال محمد است
 عرش عظیم زیر نعال محمد است
 قات نیست و جہ بہار ریاض خلق
 فطرت ہمہ قبل جمال محمد است
 آرام روح، راحت جال، رونق حیات
 از فکر و ذکر و حسن خیال محمد است
 بشو بہ خلق نیست مثال رسول حق
 خوشتر ز خور خلد، بلال محمد است
 لوح قلم، سماک سمک ارض و آسمان
 چندان کہ ہست مال منال محمد است
 دانی مگر نہ، کوثر و نسیم و سبیل
 یک قطرہ ز آب زلال محمد است
 ہر ذرہ مدینہ، قمر سال، جہاں فوذ
 روشن تر از لالی، زغال محمد است
 صدیق آل رفیق نبوت، روان عشق
 عکس جمیل صدق مقال محمد است
 فاروق! سخن نگاہ و حقیقت شناس دیں
 عثمان، امیر ملک جیا، کشتہ جفا
 مولا علی، مراد ام، باب شہر علم
 آل طیبہ و طاہرہ و زاہرہ بتول،
 سندان صلح و عز و وقار بل حسن
 حصن حصین دین، نگار حرم حسین
 مشکوٰۃ علم، غوث حلبی، تاج اولیاء
 سلطان چشت، شاہ بخارا و سہرورد
 ہر یک شہید و شہنشاہ قال محمد است

در چشم اوست، بیچ شکوہ سکندری

ناظم فقیر کوچہ آل محمد است

(بشیر حسین ناظم)

منتقبت در شان حیدر دوران سرکار سیدنا علی حضرت

میاں شیر محمد شیر بانی شیر پوری

اے ساقی رحیق خمستانِ اولیاء

اے لمعہ حریم و شبستانِ اولیاء
اے فخر نقشبندِ جہاں خواجہ زماں
اے منظرِ جمالِ نبی شانِ اولیاء
اے فخر نقشبندِ جہاں خواجہ زماں
اے ممدوحِ اولیائے زمنِ جانِ اولیاء
اے فخر نقشبندِ جہاں خواجہ زماں
اے از تو آشکار و عیانِ اولیاء
اے فخر نقشبندِ جہاں خواجہ زماں
اے مملو ز نکہتِ تو گلستانِ اولیاء
اے فخر نقشبندِ جہاں خواجہ زماں
اے گفتند اولیاء کہ تویی کانِ اولیاء
اے فخر نقشبندِ جہاں خواجہ زماں
اے پیش تو رہبران و نقیبانِ اولیاء
اے فخر نقشبندِ جہاں خواجہ زماں
اے ساقی رحیق خمستانِ اولیاء
اے فخر نقشبندِ جہاں خواجہ زماں
اے حقا کہ تویی شیرستانِ اولیاء
اے فخر نقشبندِ جہاں خواجہ زماں

ناظم چه باک چاکر شیر محمد ام !

کردست حق مرا ز حبانِ اولیاء

(بشیر حسین نغم)

حرف آغاز

توفیقِ خدائے جہان آفرین و خالقِ آسمان و زمین !

نحمدہ و نصلیٰ و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

بچہ خدا اور مدح اس واجب الوجود کے لیے سزاوار ہے جس نے تمام اشیاء کو وجود عطا کیا بلکہ لویں کہنا چاہیے کہ اپنی ذات کو جلوہ نما کیا۔ درحقیقت ہر چیز میں اسی کے صفاتی جلوے نظر آتے ہیں اور بے نہایت درود اس شرفِ مخلوقات و خلاصہ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ تمام دنیا اسی ذاتِ اقدس کا پرتو ہے اور اس کی آل و اصحاب پر جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ صلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

وجہ تالیف و ترتیب

میرے پیر و مرشد مخدوم و محترم برادرِ شیر تابی حضرت قبلہ میاں غلام اللہ صاحب ثانی لاٹانی رحمۃ اللہ علیہ فدوی کے والد حاجی فضل الہی منگھو رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کرتے تھے کہ لویں تو حضرت قبلہ میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ بابرکات کے متعلق متعدد کتب لکھی گئیں لیکن جس جامعیت اور کمال کی آپ کی ذات تھی اس حیثیت کی کوئی کتاب احاطہ تحریر میں نہیں آئی۔ آپ کی ذاتِ ستودہ صفاتی پر ایسی جامع تصنیف ہونی چاہیے جس میں صرف اور صرف سرکارِ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ



ہی کی زندگی کے واقعات و حالات اور کمالات پر قلم اٹھایا جائے۔ اس میں نہ تو ذاتی حال و کیفیات کا بیان ہو اور نہ ہی آل جناب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و واقعات کو دیگر حضرات کے واقعات و حالات کے ساتھ وابستہ کیا جائے۔ حضور قبلہ ثانی لا ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ”فضل الہی! دل تو چاہتا ہے کہ تم اور میں دونوں اپنے مشاہدات کی روشنی میں کسی اور کی روایت لیے بغیر سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح قلمبند کریں“؛ لیکن قدرت کو شاید یہ منظور نہ تھا اس سے قبل کے آپ کی مذکورہ خواہش کی تکمیل ہو شہباز لامکانی حضرت قبلہ ثانی لا ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس دارِ فانی سے اپنی اصل منزل کی طرف انتقال فرما گئے۔

استاد العلماء محدث پاکستان حضرت قبلہ مولانا محمد سردار احمد صاحب فصیل آبادی رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حاجی فضل الہی صاحب جب جذب و شوق میں ڈوب کر ذوق و انہماک سے اپنے دل پذیر انداز میں اپنے شیخ کی کرامات و واقعات بیان کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیان کردہ واقعہ حقیقتاً ہمارے سامنے وقوع پذیر ہوا ہے۔ حضرت قبلہ شیخ الحدیث فرماتے۔

”اے کاش ایسے میں کوئی ہو جو حاجی صاحب سے مذکورہ واقعات کو ساتھ ساتھ قلم بند کرتا جائے۔“ نیز فرماتے اپنے پیرخانہ کے متعلق جو قدا یا نہ رویہ میں نے حاجی فضل الہی میں دیکھا ہے بہت کم لوگوں میں دیکھنے میں آیا۔ مجاہد و قلندر واعظ شیریں مقال خطیب بے مثال مولانا غلام محمد ترنم امرتسری خطیب جامع مسجد سیکر ٹریٹ لاہور والد صاحب قبلہ کے عزیز ترین دوستوں میں سے تھے۔ مولانا ترنم امرتسری نہ صرف بیباک و بے خوف واعظ تھے جن کی بارعب کڑا کدار سچی اور کھری تقریریں کرجا برحاکم اور بڑے دل گردہ والے



انسان بھی دم بخود رہ جاتے تھے۔ بلکہ ایک نغز گو شاعر بھی تھے۔ جن کا شمار ملک کے نامور اساتذہ میں نمایاں تھا۔

مجھے بھی آیامِ جوانی میں جب ”شعر“ کہنے کا شوق چڑایا تو ترنم صاحب کے ہی اشعار میں اصلاح لی۔ حضرت مولانا ترنم امرتسری نے شعر و ادب کے رموز و اسرار اور قواعد و ضوابط سمجھاتے ہوئے فدوی سے فرمایا: ”تم ایک کاروبار تاجر برادری سے تعلق رکھتے ہو تجارتی گتھیاں اور جھنجھٹ سلجھاتے سلجھاتے شعر و ادب کی دُنیا میں کتنا چل سکو گے اور پھر تم نے کون سے دیوان چھپوانے ہیں۔ تمہارا شوق مسلم! لیکن میری ایک نصیحت پر غور کرو اور اپنی عاقبت اور توشیحہٴ آخرت کے لیے ہی کچھ کام کر جاؤ وہ یہ کہ تمہارے والد حاجی فضل الہی نے زندگی کا ایک حصہ پیر روشن ضمیر، اسوۂ حسنہ کی عملی تفسیر قطب الاقطاب غوثِ ثانی، جنیدِ وقت شیرِ ربانی حضرت میاں شبیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں گزارا ہے اور سرکاری قربتوں میں رہ کر آپ کو نزدیک سے دیکھا ہے۔ وہ جب احباب کی مجلس میں سرکار شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات و واقعات بیان کرتے ہیں تو عجیب سماں اور کیفیت ہوتی ہے۔ تم اس وقت چپکے چپکے مذکورہ واقعات قلم بند کرتے جایا کرو۔ بعد میں رقم شدہ حالات حاجی صاحب کو سنا کر اصلاح لے لینا۔ اس طرح حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مستند حالات بھی احاطہ تحریر میں آجائیں گے اور یہ کام تمہارے لیے ذریعہ نجات بھی ہوگا۔“ اس کے بعد ناصحانہ انداز میں یہ بھی فرمایا۔ ”میری یہ ہدایت پیش نظر رکھنا کہ اندازِ تحریر نہایت سادہ اور سببس ہو تاکہ عام آدمی بھی اچھی طرح ذہن نشین کر سکیں اور تحریر کو شعر و ادب کی رنگینیوں سے بچائے رکھنا۔“

چنانچہ فدوی نے کچھ روز بعد اللہ کا نام لے کر اس فریضہ کو سرانجام



دینے کا بیڑا اٹھایا اور کام شروع کر دیا جب والد صاحب قبلہ بیان کرتے ہیں غور سے سننا رہتا اور پھر تحریر کر کے ان کو سناتا۔ اکثر ایسے ہوتا کہ قبلہ والد صاحب فرماتے ” یہ تم نے کیا لکھ دیا۔ یہ بات ایسے تو نہیں تھی جیسے تم نے تحریر کیا ہے۔ میں دوبارہ اسے پھر قلم بند کرنا اور انہیں سناتا۔“

اصل میں بات یہ تھی کہ وہ پنجابی زبان میں بیان کرتے تھے اور میں اسے اردو زبان میں لکھتا تھا۔ اس طرح بعض اوقات مفہوم میں فرق آجاتا تھا جسے والد صاحب پسند نہیں کرتے تھے لہذا ہر طرح سے احتیاط برتی گئی اور میں نے مقدور بھر محنت کی ہر کام مثبت الہیہ کے مطابق سرانجام پاتا ہے اور وقت کا تعین قدرت کاملہ کے نشانے تحت ہوتا ہے کچھ دنیاوی اور کاروباری مصروفیات اور کچھ گفتنی گفتنی، باتیں سیدراہ رہیں اور کتاب منظر عام پر نہ آسکی۔ جس کے لیے اپنی غفلت شعاری کو ہی مورد الزام ٹھہراؤں گا۔ بہر حال بندہ ناچیز نے باوجود اپنی علمی بضاعتی و کم مائیگی کے اور سلوک تصوف کا شعور نہ رکھتے ہوئے بھی محض خداوند رحیم و کریم کی رحمتوں کے سہارے اپنی بساط کے مطابق کوشش کی ہے کہ بارانِ طرفیت اور اولیاء اللہ کے دامن سے دستیابی رکھنے والوں کے لیے سامانِ تسکین و توشیحہ طابیت مہیا ہو سکے۔ نیز جادۂ حق اور راہِ ستیقہ میں جستجو کرنے والوں کو سرکارِ شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی شریعت و سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی منظرِ سراپا عمل زندگی سے نجات و سرخروئی کی راہیں بپرسا سکیں۔ قادرِ مطلق باعثِ کون و مکال رحمتِ عالمیاں۔ آقائے محترم رسولِ محتشم۔ نبی مکرم۔ شفیعِ معظم۔ نورِ مجسم حضورِ نور سید یوم النور۔ حبیبِ کبریا۔ محبوبِ رب العلا احمد مجتبیٰ۔ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء۔ کے طفیل اور عاشقِ رسول عارفِ اکمل عالمِ باعمل آفتابِ ولایت سیدی و مرشدی حضرت میاں شیر محمد شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے صدقہ میں فدوی

کی اس عاجزانہ کاوش و محنت کو شرف قبولیت بخشے اور میرے لیے توشیحہ
آخرت اور وجہ نجات بنائے آمین !

فخر المشائخ موسیٰ یوم مجد اور بانی دارالمبلغین حضرت میان صاحب رحمۃ اللہ
تعالیٰ علیہ۔ جناب صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ
حضرت میاں شیر محمد صاحب حضرت ثانی لاثانی صاحب رحمہم اللہ علیہم شرفیو
شریف، گفتار و کردار اور عمل میں اپنے سلف کی روشن و تابندہ تصویر ہیں
بزرگان دین کی تعلیمات حاصل کر معارف حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ
علیہ کی ترویج و تشریح کا شعار ہے وہ اس کا رنجیر ہیں تن من دھن قربان کیے
ہوتے ہیں۔ ان کی تبلیغی سرگرمیاں ہر سجادہ نشین اور دیگر صاحب ثروت
لوگوں کے لیے قابل تقلید ہیں۔ آپ کے اس عمل خیر نے مجھ فقیر کو ایسی تشویق
دی کہ فقیر قارئین کے سامنے یہ کتاب پیش کرنے کے لائق ہوا۔

ملک کے نامور اور بیباک نقاد۔ مشہور ادیب۔ منفرد نغز گو شاعر برادر عزیز،
جناب بشیر حسین ناظم کا نہایت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی گونا گوں
نجی اور منصبی مصروفیات سے اپنا قیمتی وقت نکال کر مسودے کا بغور مطالعہ کر کے
اس کی ترتیب و تزئین میں میرا ہاتھ بٹایا اور اس کی نوک پیک سنوارنے میں
اپنے علمی، فنی اور تصنیفی تجربات کی روشنی میں مجھے قیمتی مشوروں سے نوازا
ناظم صاحب نہ صرف میرے محب و مشفق اور مخلص دوست ہیں بلکہ میرے
پیر بھائی بھی ہیں اور انہیں آستانہ عالیہ شرفیو شریف سے گہری محبت و
عقیدت ہے۔ آستانہ عالیہ سے اپنی قلبی اور روحانی وابستگی کی بنا پر ہی انہوں نے
میری طرف دست تعاون بڑھا کر میرا حوصلہ بلند کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر
اور اجر عظیم عطا فرمائے۔



استاذی مکرم شاج بخاری حضرت مولانا علامہ غلام رسول صاحب رضوی فیصل آبادی
 کا بھی بچہ ممنون ہوں کہ جناب نے کتاب ہذا کے مسودے کا علمی نقطہ نظر سے بہ نظر غائر
 ملاحظہ فرمایا اور اس پر ”اظہار خیال“ سے نوازا۔ اللہ کریم ان کا فیضانِ علم ہمیشہ جاری رکھے
 یوسف نظامی شرقپوری خوش نویس۔ بین الاقوامی شہرت یافتہ اور اسلامی دنیا کے
 معروف خطاط حافظ محمد یوسف سیدی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ خاص ہیں۔ ان سے میرے
 دیرینہ غلصانہ تعلقات روالپور میں۔ اولیاءِ کرام سے انہیں بڑی محبت ہے خصوصاً
 سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ انہوں نے
 بڑے اخلاص، محبت اور محنت و لگن سے کتاب زیر نظر کی کتابت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے فن کو مزید نکھار سے بہرہ ور فرمائے!

آخر میں پھر ایک دفعہ دعا گو ہوں کہ ربِّ ذوالجلال اپنی بارگاہِ ربوبیتِ صمدیت
 میں ہدیہِ ناچیز کو شرفِ قبولیت بخشیں اور اپنے فضل و کرم سے قارئین کو توفیقِ ارنانی
 کریں کہ وہ اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شرقپوری قدس سرہ العزیز کے حالات و واقعات
 پڑھ کر آپ کے ارشادات و تعلیمات پر عمل کر کے اپنی زندگی شریعتِ مطہرہ کے مطابق ڈھال
 کر فلاحِ دارین حاصل کریں۔ آمین و ما توفیقی الا باللہ!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

مؤلف

احقر العباد

فضل احمد مونگا شرقپوری

حرفِ آخر

۱۴۱۳ھ

۱۹۹۳ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

برادر کبیر اور ادیب شہر جناب اکاج فضل احمد منوگہ جو اپنے محبتوں میں ایک نغز گو شاعر تخلص نسیم معروف و مقبول ہیں نے کتاب زیر نظر کو بحیثیت کاتب مرتب کیا ہے۔

کتابت ایک نہایت ہی قدیم فن ہے اور زمانہ جاہلیت سے شروع ہے۔ مسلمانوں نے فن کتابت کو بام عروج تک پہنچایا۔ یہ بات صراحت طلب ہے کہ کتابت سے مراد خوش نویسی یا خوش خطی نہیں بلکہ تاریخی احوال و واقعات کو ان کی انتہائی صحت کے ساتھ قرطاس کی زینت کرنا ہے۔ اس صورت حال میں ایک کاتب کی حیثیت نہ صرف ایک مسلم کار کی ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے اس کا علم و فضل دانش و پیش اور فن ادب بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اکاج فضل احمد نسیم منوگہ شہر قبور امی طبعاً شاعر اور جتنا ادیب ہیں لیکن کچھ غم جاناں اور کچھ غم روزگار نے ان سے یہ اوصاف چھینے تو نہیں ”پر طبیعت ادھر نہیں آتی“

تاہم انہوں نے نہایت ہی عمدگی اور ذکاوت کے ساتھ جن حقائق کو تحریر کی شکل دی ہے ان کا راوی ایک ایسی شخصیت ہے جنہوں نے ایک غوثِ وقت قطبِ عالم۔ علمِ علوم و معارفِ لدنی، جانِ تقویٰ، روحِ توحید، حُسنِ تصوف



جمالِ ہدایت اور کمالِ تبلیغ یعنی اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شیر بانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے براہِ راست فیوض و برکات حاصل کیے اور اپنے ذہن و قلب کو متصوفاً نہ انوار سے ایسا روشن کیا کہ اہل حلقہ اور پیرانِ عظام خود ان کی صفائیِ باطن کے معترف ٹھہرے۔ کتابت کی طرح سلسلہ روایت بھی ایک قدیم روایت ہے۔ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد چھٹی صدی عیسوی تک عربوں کے حافظے اور یادداشتیں دنیا بھر میں مشہور تھیں۔ وہ اپنی تاریخ روایت کے ذریعے صدیوں تک منتقل کرتے چلے گئے۔ اس لیے ان کے ہاں کتابت سے پہلے اور کتابت سے بعد یہ روایت مسلسل ہم تک پہنچی۔ ایک راوی مستشار کی حیثیت رکھتا ہے اور مستشار مُتَعَفِّف کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی وہ جو کچھ بھی روایت کرتا ہے اس میں صداقت، دیانت اور امانت پوری تابانیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ علم ارواح میں جب شنِ ميثاق منایا گیا تو ہر روح نے وعدے بلے کے بعد ایک دوسرے کو دیکھا اور پہچانا۔ بعض ارواح نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پہچانا۔ بعض ارواح نے ایک دوسرے کو نہایت ہی محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اس نگاہِ ناز اور نگاہِ محبت سے ایک دوسرے کو دیکھنے کی دنیا میں یہ تاثیر پیدا ہوئی کہ وہ ایک دوسرے کے دوست اور دوست بھی ایسے کہ یک جان دو قالب بن گئے۔ اگر ایک نے دوسرے کو امانت و دیانت کا فرض سونپا تو اس نے نہایت ہی جذبہٴ مودت کے ساتھ اس فرض کو ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں شکر ہے اور مجھے یہ بات احاطہ تحریر میں لانے پر فخر ہے خوشی اور اطمینان ہے کہ کتاب زیرِ نظر کے راوی حضرت الحاج شیخ فضل الہی مؤمنہ رحمۃ اللہ علیہ ایسی شخصیت تھے جنہوں نے روزِ ميثاق سے نہ صرف سیدنا حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا حضرت ثانی لا ثانی رحمۃ اللہ علیہ



کا ہی دیدار کیا بلکہ دنیا را اسلام کے دیگر اولیا و عظام سے بھی نظری محبت و تحکم کی جس کا اظہار اس دنیا رسانی میں عملاً کیا اور ہوا۔

حضرت حاجی فضل الہی مونگر رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ ایسی شخصیت تھے جن سے قطبِ دوداں حجۃ الواصلین امام المتصوفین رئیس المبلغین حضرت سیدنا میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور غزلی بکروفا، شتا اور قلزم وفا، برادر شیر ربانی حضرت میاں غلام اللہ ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اتنی محبت اور مودت تھی کہ دونوں عظیم بزرگ ان کو اپنا مشیر اور محب صادق علی الاعلان تسلیم کرتے تھے اور امور دنیا اور دیگر امور کو سر انجام دینے کے لیے نہ صرف ان سے مشورہ لیتے بلکہ مفوضہ امور کی ان سے براہ راست نگرانی کرواتے۔ حضرت قبلہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرانِ عظام پر قدم قدم پر جان چھڑکتے۔ اپنی ارادت مندی کا دامے درمے قدمے سنبھالنے اظہار فرماتے اور اس خوش نیتی و ثقاہت سے فرماتے کہ پیرانِ گرامی کے منہ سے شاد بادل اور آفرین باد کے الفاظ کے ساتھ دعائیں بھی نکلتیں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نواحِ جگان شرق و غربت کی معیت میں تقریباً پچاس سال گزارے اور روشِ بلالی اور اسوۂ سلطانی اپنا گزرا کر حاجی صاحب قبلہ نے اپنے ایامِ شباب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گزارے اور ایامِ کہولت اور شیخوخت حضرت قبلہ ثانی لاثانی صاحب پر وارے۔ راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے تقریباً سولہ سال مشاہدات کیے ہیں کہ حضرت قبلہ ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی فضل الہی صاحب سے کس درجہ محبت و شفقت اور لطف و کرم فرماتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے حاجی صاحب حضرت کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوتے تو حضرت قبلہ ثانی صاحب بنفسِ نفس یا کسی معتبر شخص کو بھیج کر خیر و عافیت طلب فرماتے۔



حضرت قبلہ حاجی فضل الہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت قبلہ ثانی صاحب
 رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی و ذنیوی تعلقات اس درجہ مستحکم تھے کہ حضرت قبلہ ثانی
 صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں عمر بھرا اپنا معتمد مشیر اور موتمن سمجھا۔ کشور اور دنیا
 اور ولایت دین میں بھی معاشرانہ چشمیں تاریخی لحاظ سے ثابت ہیں۔ خواجگان
 نثر پور شریف رحمہم اللہ علیہ سے انتہائی تقرب کی وجہ سے حاجی صاحب کے بہت سے
 حسد پیدا ہو گئے جنہیں پیرانِ عظام خوب سمجھتے تھے اس لیے ان کی کسی بات
 پر التفات نہ فرماتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک شخص نے جس کا میں نام
 لینا ضروری نہیں سمجھتا حضرت قبلہ ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت
 کی رضا جوئی کے لیے قبلہ حاجی صاحب کی شکایت کی۔ قبلہ ثانی صاحب
 رحمۃ اللہ علیہ نے ابھی بات پوری بھی نہ سنی تھی کہ اس کے منہ پر زتلے دار
 تھپڑ رسید کیا اور فرمایا: تم اس شخص کے بارے میں بات کرتے ہو جس نے
 ہماری خاطر جان و مال قربان کر دیے۔ خبردار! آئندہ کوئی فضل الہی کے بارے
 میں بات نہ کرنا۔“

حضرت قبلہ ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جلیا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے قبلہ حاجی
 صاحب پر تمام امور میں زبردست اعتماد رکھتے تھے۔ سفر ہو یا حضر۔ شادی ہو یا
 مرگ یا نظم جلسہ ان میں حاجی صاحب کی رائے نہایت صائب سمجھی جاتی تھی۔ یہ بات
 بھی حیران کن ہے کہ حضرت قبلہ ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دو حج بھی حاجی
 صاحب کی معیت میں کیے۔ اور برصغیر پاک و ہند کے طویل سفر بھی انہی کے
 ساتھ فرمایا کرتے۔ بعض اسفار میں راقم الحروف اور مرتب کتاب بھی ساتھ
 تھے۔ اعراس میں شرکت کے لیے سفر ہوتا تو بھی حاجی صاحب ساتھ ہوتے۔
 قصہ کوتاہ قبلہ حاجی صاحب نے حرفِ بلی کہنے کے بعد جس محبت کا اظہار روز

میتاق خواجگان شرفیور شریف رحمہ اللہ سے کیا اس کا عملی مظاہرہ دنیا میں بھڑو
انداز میں کیا۔

زیر نظر کتاب آقائے ماسیدنا حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر
بزرگانِ عظام کے ملفوظات کی روایات پر مشتمل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک
عاشقِ صادق اپنے محبوب کی باتوں کو لعل و جواہر اور سیم و زر سے زیادہ اہم
سمجھ کر ان کی حفاظت کرتا ہے اور ان کی روایت کرتے وقت روایت کے
تمام اصولوں کو مد نظر رکھتا ہے جس سے اس کی ثقاہت کا پتا چلتا ہے۔

جو حالات و واقعات اور کراماتِ برادرِ معظم مجاہدِ تحریکِ پاکستان حاجی
فضل احمد تسنیم نے مرتب کیے ہیں وہ میری نظر میں جانِ ثقاہت ہیں کیونکہ
ان حالات و واقعات اور کرامات کے راوی ایک ایسی شخصیت ہے جو
اپنے ایمان، عرفان، ایقان، تقویٰ، توسع، امانت، دیانت اور والہانہ
مودت کی حامل تھی۔ لہذا میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ یہاں حدیث
بھی ثقہ ہے اور راوی بھی ثقہ ہے اگرچہ کسی نے یہ کہہ دیا ہو آئے۔

”حدیث گرچہ ضعیف است او باں ثقہ اتد“

برادرِ محترم جناب حاجی فضل احمد منوگہ تسنیم شرفیور سے نہ صرف میرے
قلبی شکرے کے مستحق ہیں بلکہ تمام متوسلینِ استانہ عالیہ شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ
کے پاس و شکر کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بے پناہ مصروفیتوں اور دیگر دشواریوں
کے باعث بھی ان کو ارشاداتِ اعلیٰ حضرت شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعہ
سے روحانی غذا بخشی ہے۔ ایسے امور میں سبقت لینا توفیقِ الہی سے ہوتی ہے۔
ہمیں خوشی ہے کہ یہ توفیق مرتب کتاب کو بارگاہِ ربانی سے بتوسل
شیر ربانی ارزانی ہوئی ہے۔



دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنابِ تسنیم کی اس تصنیفی و ترقیبی کاوش کو درجہ
حسن قبول بخشنے!

”ایں دعا از من و از جملہ جہاں آیین باد“

فقیر!

بشیر حسین ناظم (تمغہ حسن کارکردگی)
ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل وزارت مذہبی امور
اسلام آباد



اظہارِ خیال

شیخ القرآن و احادیث شراح بخاری اُستاد العلماء حضرت
علامہ مولانا غلام رسول صاحب فیصل آبادی

دل کا ذکر کستوری ہے جو ہر طرف بہتی ہے۔
میں نے محترم الحاج محمد فضل احمد منگہ سہ کا ایک دل کا ذکر میں کچھ
سنا اور کچھ پڑھا۔ دل وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے صفا کے بقدر
امکان معرفت حاصل ہوا اور اللہ کے اطاعت پر مواظبت سے معاصی سے اجتناب
اور لذات و شہواتِ نفسانیہ میں انہماک سے اعراض کرے۔

مذکورہ وجوہ اعلیٰ حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ میں بدرجہ اتم
موجود تھیں۔ محترم محمد فضل احمد سہ نے اس بحرِ عمیق میں غاص ہو کر
درخشاں لالہ کا التقاط کیا۔ جو صاحبِ ذوق کا عظیم غائی مقصد و
بغیہ ہے۔ موصوف نے بحرِ متلاطم میں روحانی سفینہ کو مرکز بنا
کر طائرِ لاہوتی کا تعاقب کر کے اسرارِ خفیہ اور اقیانوسِ تجلی میں شبت
کر کے محسوس صحیفہ میں منقول کیے جن سے سننے اور پڑھنے والے مٹھنے
ہوتے ہیں!



86662

«الَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ» اور
 صاحبِ حال کے لیے مقامِ ایقان ہے۔ جبکہ ولے کا ذکر اللہ تعالیٰ
 کے ذکر سے خالی نہیں، خالق کائنات صاحبِ لولاک ﷺ
 کے وسیلہ سے مزید توفیق دے۔ آمین !
 غلامِ رسولِ رضوی
 فیصل آباد





جگر جیٹ چاکٹ ہو شَبُّ کاتو ہوتی ہے سحر پیدا
صَدَف کی رُوح کھنچ جائے تو ہوتا ہے گہر پیدا



مجھے معلوم یہ بھی ہے کہ صدیوں کے تفسیر سے
کلیجہ پھونک کر کرتی ہے فطرت اک بشر پیدا



ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مُشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(اقبال)



خضر راہِ طریقت، آفتابِ سپہِ حقیقت، شہبازِ قضاے معرفت، عارِ سخانی
شیرِ یزدانی، عاشقِ ربّانی اعلیٰ حضرت سرکار

میاں شیر محمد شریقی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی

شخصیت

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ❖ کر ستمہ دامن دل می کشد کہ جا این جا
راقم الحروف کے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ وہ جب کبھی بھی اعلیٰ حضرت
سرکار میاں صاحب شریقی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ارفع و اعلیٰ شخصیت کے متعلق سرچتے تو
ذہن کی پہنائیوں میں رستمِ زماں گاماں پہلوان کی شہِ زوری کے خاکے اُبھرتے معلوم ہوتے
وہ اس طرح کہ جب گاما پہلوان درزش کے لیے اکھاڑے میں اُترتا تھا تو سب سے
پہلے چھوٹے چھوٹے بچے اس کے ساتھ زور آزمائی کرتے۔ اس کے بعد ان بچوں سے کچھ
بڑے لڑکے گاما پہلوان کے ساتھ پنجہ لڑاتے۔ ان نوجوانوں کے ساتھ کشتی لڑنے کے
بعد اچھے اچھے طاقتور پہلوانوں کو فنِ پہلوانی کے رموز و اسرار سمجھانے کے لیے رستمِ زماں
گاما پہلوان کو ان سے طاقت آزمائی کرنا پڑتی۔ اور سب سے آخر رستمِ ہندام بخش پہلوان اپنے
بھائی گاما کے مقابل اکھاڑے میں اُترتا تھا۔ وہ کئی ایک گھنٹے آپس میں گتھم گتھا رہتے اور
نہایت نوردار و درزش کرتے۔ اپنے اپنے گھروں میں جا کر درزش کر نیوالے سبھی پہلوان
یہ کہتے کہ آج ہم رستمِ زماں گاما پہلوان کے ساتھ زور آزمائی کر کے آئے ہیں۔ بچے بھی کہتے
بڑے بھی اور اہم بخش پہلوان بھی تمام یہی کہتے سنے جاتے۔

لیکن سب کے ساتھ زور آزمائی کرنے والے رستمِ زماں گاما پہلوان کی طاقت کے متعلق



کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ یہ شہ زور پہلوان کتنی طاقت کا مالک ہے۔ جتنی جتنی کسی میں ہمت ہوتی وہ اسی کے مطابق ہی اس سے سلوک کرتا تھا۔ کوئی شخص اس جتنی طاقت کا مالک ہوتا تو پھر ہی اسکی طاقت کا اندازہ لگا سکتا تھا نہ تو اس جتنی کسی میں قوت و ہمت تھی نہ ہی کوئی اس کی طاقت و شخصیت کا اندازہ کر سکا۔

یہ امر واقعہ ہے اور اس میں شائبہ بھر بھی دروغ یا غلو نہیں کہ ہمارے اعلیٰ حضرت سرکار میان صاحب شرفیوسی رحمۃ اللہ علیہ کو مولائے ذوالجلال نے ایسے اعلیٰ اور ارفع مناصب پر فائز فرمایا تھا کہ اس ملک میں آپ کا نظیر کسی نے دیکھا نہ ڈھونڈے سے کسی نے پایا۔ آپ سلطان سلطنتِ طرقت اور شہنشاہِ اقلیمِ معرفت۔ آپ یومِ زماں اور جنیدِ وقت۔ آپکی عظیم بلند پایہ شخصیت میں بے پناہ روحانی قوت کا اندازہ کوئی کر سکا ہرگز نہیں۔ کوئی ان جیسا ہوتا تو پھر ہی ان کی قوتوں کی گہرائیوں تک پہنچ سکتا تھا۔ آپ جیسے شاہسوارِ راہِ طرقت اور شیرِ بیشہ شریعت و حقیقت کے سامنے بھلا کس کے پاؤں جم سکتے تھے۔ آپ عرفان و ایقان کے بحرِ بحرِیاں تھے۔ آپ کی ذاتِ ستودہ صفات سے فیوضِ برکات کے عظیم اور بے پایاں سوتے چھوٹے جن سے ایک ڈنیل نے اپنے قلوب کو سیراب شاداب کیا۔ آپ کا در، درِ فیضِ بارتھا۔ جو بھی آیا فیض پا کر لوٹا۔ جس نے چاہا، جتنا چاہا، اور ہمت و استعداد کے مطابق جو بھی چاہا اس سے سوا حاصل کیا۔ دُنیادار آئے دیندار بن کر گئے دیندار آئے اتقیا ہو کر لوٹے۔ نہی دامن آئے بامراد واپس ہوئے۔ چھوٹے آئے تو بڑا پایا۔ بڑے آئے تو گم ہو کر رہ گئے۔ آپ ہر آنے والے کی طرف اسکی ہمت و استعداد کے مطابق توجہ فرماتے تھے۔ چشتیوں نے اپنے سلسلہ کے مطابق پایا۔ سہروردیوں سے سلوک ان کے طریقے سے کیا گیا۔ قادریوں نے اپنے حسبِ حال اکتسابِ فیض کیا۔ اور نقشِ بندیوں نے یوں پایا کہ سکون و طمانیت کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ غرضیکہ ہر سلسلہ ہر درجہ کے متلاشیانِ جادہِ عرفان و جو بیانِ حق و ایقان کو سرکار کے حضور آکر تیار و



سکون حاصل ہوا۔ اکھلائے !

اس آخری دورِ چرفتن میں آپ کی ذاتِ گرامی ایک نعمت قرار پائی۔ آپ کی ذاتِ والا تبار ایسی صفتوں سے متصف تھی جو کہ اولیاءِ متقدمین اور اولیاءِ کبار میں پائی جاتی تھیں۔ آپ کی شخصیت بڑی بلند پایہ تھی۔ آپ کے کمالات، درجات، منازل اور مقامات احوالِ اعزہم اولیائے کرام کی طرح بڑے بلند اور رفیع الشان ہیں۔ ان حقائق کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چار ہستیاں بہت بڑی ہیں۔ ایک اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے یازید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تیسرے ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ چوتھا کوئی اور ہوگا۔ اس واقعہ کے چھ ماہ بعد ایک دن آپ نے پھر فرمایا ”کہ چار ہستیاں ایک ہی کھن میں ہیں۔ ایک اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے یازید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تیسرے ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ چوتھا کوئی اور ہی ہوگا۔“ فدوی کے والد صاحب پاس بیٹھے یہ بات سُن رہے تھے انہوں نے موقع پر ہی عرض کیا: ”حضور! آپ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ چوتھے آپ ہی ہیں۔“

حضرت صاحبِ قبلہ یہ بات سُن کر کرا دیے اور والد صاحب کو ہلکی سی دھول جاتے ہوئے فرمایا ”تم ایسی باتیں ہی کہتے رہتے ہو“ دیکھیے! حضور نے والد صاحب کی بات کی تردید نہیں کی یعنی یہ سچ ہی ہے کہ چوتھی بے نظیر ہستی آپ کی ذاتِ مبارکہ ہی ہے۔

ہر ذی نوح اور ہر انسان کو قوتِ کردار و عمل عطا کرنے والے کا فضل و کرم شامل حال ہو اور رحمتِ ایزدی بخشش و عنایات کے دریچے کھول دے تو قدرت کی طرف سے متقربین کو خصائص عطا ہوتے ہیں۔ کسی کو جو دو سخا کی عادت کریمہ سے نوازا جاتا ہے تو کسی کو جذبہ زہد و اتقا سے مشرف کیا جاتا ہے۔ کوئی مجاہدہ و ریاضت کی کٹھالی میں پڑ کر کندن بنتا ہے تو کوئی فکر و ذکر میں محو ہو کر بارگاہِ ربوبیت میں سرخروئی حاصل کرتا ہے۔



ایک بہت دشجاعت کی تیغ بے نیام لے کر نکلتا ہے تو دوسرا غیر شاہ عزت نفس کے
 وصف خاص میں امتیازی حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔ مجذوب عشق و محبت کی سرستوں سے
 بیخود ہو کر دادی جذب و کر میں مسانہ وار بڑھتا ہے اور سالک شریعت مطہرہ کی شمع فرداں
 کے نور کی روشنی میں صراطِ مستقیم پر کامیاب کامران چلتا نظر آتا ہے۔ غرضیکہ قسم ازل کی نظر رحمت
 جس کسی کو منتخب کرتی ہے جو چاہے عطا کر دیتی ہے۔ کسی کو ایک صفت سے منصف کیا تو کسی
 کو بہت سی خوبیاں عطا کر دیں۔ کچھ بندگانِ خاص ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں جامع کمالات بنا دیا
 جاتا ہے اور وہ خصوصی فضل و رحمت کی زد میں ہوتے ہیں جو خصوصیات فرداً فرداً بہتوں میں
 ہوتی ہیں قدرتِ کاملہ اپنے فضل و رحمت سے کسی ایک ذات میں اکٹھا کر دیتی ہے۔ ایسے
 لوگ مقربانِ خاص اور افضل ترین ہوتے ہیں۔ ایسے میناقی منتخب حضرات کی جماعت جنہیں
 جامع کمالات بنایا جاتا ہے میں ہمارے حضرت صاحبِ قبلہ شرفیوری کو ایک امتیازی
 اور نمایاں جگہ حاصل ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے تمام اوصاف اور کمالات حضورِ محبوب کبریٰ سرکارِ مدینہ علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کی ذاتِ ستودہ صفات میں جمع ہیں۔

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ بید بیضاداری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضورِ صلے اللہ علیہ وسلم کے محبِ صادق اور فدائے سنتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم
 جناب حضرت میانصاحبِ حمۃ اللہ علیہ کو بھی سرکارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم کے توسل سے
 یہ وصف عطا ہوا تھا کہ حاملانِ منصب و ولایت کے تمام اوصاف و کمالات آپ میں
 جمع تھے۔ آپ میں غیرت تھی تو بے پایاں۔ حیا تھی تو بے حد۔ ذکر و فکر میں آپ کا کون
 ہمسر تھا۔ زہد و اتقا اور پرہیزگاری کے اثرات آپ کے رُوئے مبارک سے ہو جاتا تھے۔ طاہر
 الہی۔ خداداد خلق۔ بمثل تواضع۔ نیک نیتی۔ دفا شکاری۔ خدا ترسی اور صلہ رحمی۔ کون سی



ایسی نیکِ خصلت تھی جو آپ میں نہ تھی غرضیکہ

پھرے زمانے میں چار جانب نگار بیکتا تمہیں کو دیکھا

حسین دیکھے جمیل دیکھے ہر ایک تم ساتھ تمہیں کو دیکھا

کسی میں ہو کوئی خوش ادائی کسی میں ہو کوئی دلربائی

ولے بہ اوصافِ جملہ مملو صنم سرا پا تمہیں کو دیکھا

جذب و سکرا اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ ابتدا میں آپ اکثر قبرستانوں اور مزارات پر

رہا کرتے تھے اور جب کبھی بحرِ عشقِ الہی میں موج پیدا ہوتا اور اللہ کی محبت سینے میں جوش مارتی

تو آپ دریا زپنکل جاتے۔ اسی وجدان، کیفیتِ مستی اور جوشِ محبت میں ایک دن آپ نے فرمایا

”دہن میں ہو گیا کچھ ہور، مینوں کون پچھانے“

اس زمانہ سے کچھ عرصہ بعد جب کہ آپ اپنی عمر شریف کے درمیانی حصہ میں سے

گزر رہے تھے۔ آپ اکثر قصبہ تشریف لے جایا کرتے۔ بڑی مسجد کے عقبی حصہ میں ایک

حجر ہے جسے لوگ حمام کے نام سے پجاتے ہیں۔ عام طور پر آپ وہاں قیام فرماتے۔

مسجد میں پھلی طرف وضو کیلئے ایک حوض بنا ہوا ہے اور حوض کے ساتھ ہی پھلی طرف حوض

کے لئے تھوڑی سی جگہ خالی ہے۔

آپ نے اس جگہ ٹھیکہ کر مسجد کو دیکھا کرتے اور فرمایا کرتے کہ مسجد سے مجھے فیض آتا ہے

ایک دفعہ سحری کی وقت آپ حضرت عبدالرسول صاحب کے مزار پر جا رہے تھے

آپ پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ آپ نے چلتے چلتے ہی یہ شعر پڑھا

دقت ال آمد کہ من سرا یاں شوم جسم بگزارم سرا سر جاں شوم

اور اس کے بعد پھر یہ شعر پڑھا

ہستی اگر سوزی بنا ر لا الہ را اس زماں بے پردہ بینی نور الہ ما

اسی وجدان اور سرور میں حضرت صاحب قبلہ عبدالرسول صاحب کے مزار پر جا پہنچے۔

بعد ازاں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ آپکی زبان مبارک پر یہ دو شعر جاری ہے ۛ

ۛ ہیں تو نظروں میں مری لیکن نظر آتے نہیں

تو شبوئے گل ہائے نہاں صاف دکھلاتے نہیں

دکھا دے یا الہی ہم کو دیدار کا جلوہ

تسے عاجز نے خداوند اجدائی دیکھ لی

کچھ عرصہ بعد ان دو اشعار کی بجائے یہ شعر وردِ زبان ہو گیا۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار

جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

گر مئی عشق و محبت، کیفیت و سرور، جذبِ سُکر اور استغراق کے ساتھ جو خاص

منصب آپ کو عطا ہوا وہ اچھائے سنت اور اتباعِ شریعت کا تھا۔ سنتِ رسولؐ

کی پیروی اور شریعت کی پابندی میں آپ نے کسی چیز کو بھی حائل نہیں ہونے دیا۔ سنتِ

نبوتؐ کی تبلیغ اور تلقین آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ آپ نے اپنی روحانی

قوتوں کا استعمال صرف اور صرف دین کی تبلیغ، فروغِ سنت اور اصلاحِ احوال کیلئے کیا۔

اس دورِ چُرفتن اور زمانہ الحاد میں جس شان اور جس عزم و ہمت سے حق کی آواز

آپ نے بلند کی وہ صرف آپ کی ذاتِ مبارکہ کا ہی کام تھا۔ اعلانِ حق اور امر بالمعروف

میں آپ نے بیخِ بے نیام تھے۔ آپ نے اپنی پاک نفسی اور قوتِ تابانی کے جذبہ سے

ہزاروں بھٹکنے والوں کو راہِ مستقیم دکھائی۔ خلقِ اللہ کی ہدایت اور احکامِ شرعیہ کے اجر اور

قیام کو آپ نے ہر کام پر ترجیح دی۔ اس کام کے مقابل آپ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

آپ نے نہ صرف مشاہدات، کیفیات، مجاہدات اور مشکلات میں عارفوں اور

صوفیوں کی راہنمائی کی بلکہ ایک دُنیا کو آپ نے ایمانی رنگ میں رنگ دیا اور عام

لوگوں کو شریعت کی سچی راہ دکھا کر مولائے حقیقی کے دروازے پر لاکھڑا کیا۔



اخلاقِ حسنہ

حضرت صاحبِ بلبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی تمام تر اتباعِ شریعت اور سنت کی پیروی میں گزری۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا اور آپ کا ہر فعل شرع شریف کے عین مطابق تھا۔ آپ کے معمولات زندگی پر اسوۂ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا غلبہ تھا کہ آپ کا تمدن، طرز زندگی، بدو و باش، طور طریقہ یا رہنے بہنے کے کسی ایک گوشے کا بھی نقاب اُلٹو تو ہر طرف رنگِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے جلوے نظر آئیں گے۔ آپ اخلاقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ آپ کی ہر عادت پر سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا پیر تو تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے شیخی، وارفتگی اور دستبگی کا نتیجہ ہی تھا کہ آپ بھی غریبوں، یتیموں اور بے سہاروں کی معادنت فرماتے۔ منظورموں کی اعانت کرتے، بیواؤں کی خبر گیری کرتے اور ہر مستحق کی امداد فرماتے تھے۔ جہاں نوازی آپ کی گھٹی میں تھی۔ اپنے ہاں آنے والوں کی تواضع میں آپ کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ آپ ہر ایک ملنے والے سے نہایت خوش اخلاقی اور کشادہ قلبی سے ملتے۔ جو بھی آتا آپ اسکی بات نہایت توجہ سے سنتے اور اسکو ہر طرح سے مطمئن کرتے۔ ملنے والوں سے سلام میں پہل کرتے، رخصت کے وقت مصافحہ بھی کرتے۔ عیب جوئی نہ کرتے بلکہ پردہ پوشی فرماتے۔ کسی شخص کی بُری حرکت پر سبکے سامنے سرزنش نہ کرتے بلکہ علیحدگی میں نہایت پیار و محبت سے سمجھانے کا جہنم کی حاجت روائی احسن طریقے اور پوشیدہ طور پر کرتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ کوئی ضرورت مند آکر سوال کرتا تو آپ فرماتے: "بھائی! میں تو غریب آدمی ہوں،" لیکن جب رات کو سویا ہوتا تو چپکے سے اس کی جیب میں "کچھ" ڈال دیتے۔ کئی ایک دکاندار جن کی دکانیں نہیں چلتی تھیں۔ ان کی دکانوں سے ازراہ ہمدردی سودا خریدتے۔ کئی ایک سبزی فروش ایسے تھے کہ جن کا سودا نہ بکنے کی وجہ سے

گلنے سڑنے لگتا تھا تو آپ چپکے سے ان کی دکانوں سے وہ خراب سودہ منگوا لیتے اور باہر کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں پر پھینکوا دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے کہ ان کا بھی مجھ پر حق ہے۔

اوصافِ حمیدہ

حضرت صاحبِ بلہ شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذات کے متعلق کسی بات پر کبھی ناراض نہ ہوتے تھے۔ آپ کے پاس کثیر تعداد میں دیہاتی، اکھڑ، جاہل اور موٹی عقل کے انسان حاضر ہوتے تھے۔ آپ ان کی بے ڈھنگی اور لالی عقل باتوں پر کبھی غصہ نہ فرماتے۔ بلکہ نہایت عالی حوصلگی اور محبت سے انہیں سیدھے سادھے الفاظ میں ہدایات دیتے اور ہر بات ذہن نشین کر داتے۔ آپ کو جھنجھلا کر تیز طبیعت ہوتے کسی نے بھی نہیں دیکھا مجلس میں کبھی ایسا نہ بیٹھتے۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ اپنا جو تاہم خود مرمت کر لیتے۔ لین دین کے معاملہ میں آپ کی خوش معاملگی ضرب المثل تھی۔ جس کسی کا دینا ہوتا وعدہ کے مطابق ادا کرتے۔ آپ کے ہاں کوئی ملنے والا یا کوئی نہان بیمار ہو جاتا تو آپ بنفس نفیس اسکی تیمارداری کرتے، اس کے علاج معالجہ میں نہایت ہمدردی تندہی و جانفشانی فرماتے اور اسکی ہر طرح خدمت کرتے۔ آپ کی طبیعت میں سادگی بے حد تھی۔ سادہ طریقے سے بے سادہ مکان میں ہے اور ہر بات میں سادگی کو پسند فرمایا۔ حتیٰ کہ مسجد بنوائی تو وہ بھی ہر طرح سے سادہ۔ اسکی تعمیر میں حتیٰ الامکان آرائش و زیبائش سے گریز کیا۔ انگریزی معاشرت سے نفرت فرماتے۔ کہتے کہ اسمیں سادگی مفقود ہے۔ انگریزی تمدن نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ہم مسلمان کے مسلمان اور بے ایمان کے بے ایمان رہ گئے ہیں۔ مشینی اشیاء کے استعمال سے گریز کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مشینی چھاپخانوں کے فروغ سے دینی کتب کی قدر و منزلت ہلکے داروں سے نکل گئی ہے۔



عجز و انکساری

آپ عجز و انکساری کا پیکر تھے۔ اپنے آپ کو ہر ایک سے کمتر خیال کرتے اور کسر نفسی فرماتے۔ ذاتی تعریف و تعظیم کو ناپسند فرماتے۔ اکثر فرماتے "پتا تو تب چلیکا جب گے چلیں گے" ایک دفعہ مکان شریف میں کسی دن کے قیام کے بعد واپس شرفور شریف لائے تو اپنے کوچہ کے نزدیک ہو جیکم مکھی محمد اسماعیل مرحوم کے ماموں مکھی عزیز دین سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بعد علیک ایک عرض کیا۔ "سرکار کب آتے ہیں" آپ نے فرمایا "آیا ہوا تو پچاس پچپن برس کا ہوں۔ لیکن ابھی تک کچھ نہیں کر سکا" اُس نے پھر کہا "طبعیت کا کیا حال ہے" آپ نے فرماتے لگے "مرنے کے بعد پوچھنا" حال کا پتا تو اس وقت چلے گا جب دایں بلا یا بائیں۔ (یعنی اعمال نامہ)

ایسے ہی ایک دن آپ فرماتے لگے "ریاضت و عبادت اور احوال کا کیا پوچھنا۔ حالاً تو ایسے ہو گئے ہیں کہ کوئی حرام و حلال میں تمیز کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اکل حلال کی جب بات ہی نہ ہے تو عبادت کا کیا بنے۔" اور پھر اپنی ریش مبارک پکڑ کر فرماتے لگے "ہمارا بھی کیا حال ہے۔ ان سب حرام و حلال میں پرہیز نہ کرنے والوں کی نذر میں، اشیاء اور کھانا ہمارے پاس آتا ہے۔ ہم پھر کیا ہونے؟" اللہ اکبر۔ یہ عجز و انکساری اور کسر نفسی، آپ کبھی کبھی اردو زبان میں کہا کرتے "اے خدا! اگر تو اس نکتے کی ایک عادت ہی درست کر دے تو کیا تیری رحمت سے بعید ہے" سبحان اللہ!

عادت و خصائل

حضرت صاحب قبلہ شرفوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے عزیز واقارب اور دوست و احباب سے میل جول رکھتے۔ اعزہ کی دلجوئی کے لیے کبھی کبھی ان کے گھر بھی تشریف لے جاتے۔



اور احباب عزیزوں کے ہاں کچھ نہ کچھ تحفہ کے طور پر بھی بھیجا کرتے۔ آپ عزیزوں کے گھر میں
 معاملات پر نظر رکھتے تھے۔ کسی میں لڑائی بھگڑا ہوتا تو ناپسند فرماتے۔ کہتے آپس میں صلح صفائی
 سے رہو۔ دنیا چند روزہ ہے۔ خود غرضی چھوڑ دینی چاہیے۔ لین دین کے بھگڑوں میں اپنی گھر
 سے رقم حے کر فریقین میں صلح کر دیتے۔ عزیزوں کے خلاف شریعت افعال پر نہایت سخت
 ہوتے اور سخت ناراضگی کا اظہار فرماتے۔ ایک دفعہ آپ کے عم زاد اور بہنوئی میاں غلام کبریا
 صاحب مرحوم بازار میں کھڑے کسی سے ہم کلام تھے اس وقت اذان ہو رہی تھی۔ مسجد جاتے ہوئے
 آپ کی نظر پڑ گئی۔ آپ نے گھر جا کر والدہ صاحبہ سے بہت شکوہ کیا اور فرمایا "آئندہ پھر کبھی
 میں نے انہیں ایسی حالت میں دیکھ لیا تو مجھ سے بڑا کوئی نہ ہوگا۔"

آپ تیز رفتاری سے چلتے تھے۔ لیکن چلنے پھرنے میں خضر نام کو نہیں تھا۔ جھوٹی آن
 بان اور نمکنت ناپسند کرتے۔ چلتے تھے تو نظریں نیچی ہوتی تھیں۔ مسجد میں ہوتے یا گھر
 میں ہمیشہ دو زانو بیٹھتے۔ جمعہ کے خطبہ میں اگر کوئی شخص دو زانو نہ بیٹھتا تو آپ اسے تنبیہ
 فرماتے۔ جوتی کا سرا قبلہ رخ رکھتے اور ہر شخص کو ایسا کرنے کی نصیحت فرماتے۔ اگر کسی کی
 جوتی دوسرے رخ پڑی ہوتی تو اپنے دست مبارک سے قبلہ رخ کر دیتے۔ لوٹے کی
 ٹوٹی بھی ہمیشہ قبلہ رو رکھتے۔ کھانے کے وقت ایک زانو پر بیٹھتے اور بسم اللہ شریف کے
 ساتھ دائیں ہاتھ سے کھانا شروع کرتے۔ ہر چیز دائیں سے دیتے اور دائیں ہاتھ میں دیتے
 صرف روپیہ پیسہ لیتے دیتے وقت بائیں ہاتھ استعمال کرتے۔ راستے میں کوئی اینٹ پتھر
 روڑا یا کوئی چھکا وغیرہ پڑا ہوتا تو اپنے ہاتھ سے ہٹا دیتے۔

حقوق العباد کا بڑا خیال رکھتے۔ عزیز واقارب کے حقوق کی نگہداشت اور ان کو انجام
 دینے میں خاص اہتمام فرماتے۔ امور شرعیہ کی بجا آوری، تبلیغ اور اصلاح کے متعلق قرابت
 داروں کی طرف خاص طور پر توجہ فرماتے (قَوِّا اَنْفُسَكُمْ وَاٰهْلِيَكُمْ نَارًا)

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے عم زادوں میں ایک میاں رحیم اللہ تھے۔



ان کو ٹی۔ بی کے مرض نے دبوچ لیا تھا۔ جب مرض آخری درجہ پر جا پہنچا تو قرابت داروں میں سے حضرت صاحب بلہ کی ہی ذات تھی جو سب سے زیادہ ان پر توجہ دیتی۔ آپ نہایت ہمدردی سے ان کی خیر گیری کرتے تھے۔ رمضان تشریف کے دن تھے کہ ان پر مرض کا سخت حملہ ہوا۔ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور میاں رحیم اللہ کے ساتھ بستر پر لیٹ گئے آپ ان سے لپٹ گئے اور خوب توجہ فرمائی آپ کی توجہ خصوصی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کا قلب جاری ہو گیا اور وہ مکر و منکر میں محو ہو گئے۔ آدھی رات کے وقت اسی حالت میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ عورتوں نے رونے کی کوشش کی تو آپ نے سخت ڈانٹ پلائی اور فرمایا ”اللہ کی رضا تھی سو وہ پوری ہوئی۔ رمضان تشریف کا ہینہ ہے روزہ داروں نے سحری کے وقت کھانا کھانا ہے اگر رحلت کی بات اسی وقت نکل گئی تو عملہ کھانا نہیں پکا لیجئے۔ لہذا خبردار! کوئی آواز مت نکالے۔“

صبح ہوئی۔ آپ نے نماز باجماعت ادا فرمائی اور چادر پر درود تشریف پڑھنے کے بعد نمازیوں سے فرمایا ”میاں رحیم اللہ رحلت فرما گئے ہیں۔ انہیں باہر قبرستان لے چلیں“ لوگ بڑے حیران ہوئے اور سب میاں رحیم اللہ کے ہاں چلے گئے۔ حضرت صاحب قبلہ نے رات ہی رات میں میت کو تہلا کر کنس پہنا دیا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ نے بیماری کے دنوں انکی خیر گیری کے بعد آخری لمحات میں تلقین فرما کر ان کی عاقبت بھی سنوادی۔ حقوق العباد کا آپ کو اس قدر خیال تھا کہ رمضان تشریف میں ہمسایوں کی تکلیف کے پیش نظر میاں رحیم اللہ مرحوم کی فوتگی کو انخفا میں رکھا میاں کہیں وہ رحلت کا سن کر کھانا پکانے سے احتراز کریں اور انہیں روزہ ہونے کی وجہ سے تکلیف اٹھانا پڑے۔

سرکار میان صاحب رقبوری رحمۃ اللہ علیہ کے چچا حافظ میاں حمید الدین صاحب مرحوم ^{مغفور} بھی رحلت سے کچھ دن پہلے حالت جذب سکریں فرمایا کرتے ”شیر محمد نے میرے لیے جنت الفردوس میں بہترین مکانیت کا انتظام کر دیا ہے۔ اور یہیم اسرار کرتے کہ حضرت



صاحب قبلہ ان کے پاس آکر بیٹھیں۔ آپ تشریف لاتے تو ان کی طبیعت کو قرار و سکون ملتا۔
 میاں حمید الدین صاحب مرحوم کا جب انتقال ہوا تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ
 نے خود اپنے ہاتھوں چچا جان کو نہلایا اور کفن پہنایا۔ نماز جنازہ پڑھانے کے بعد آپ قبر
 پر تشریف لے گئے اور قبر میں داخل ہو کر اسے اچھی طرح دیکھا جانچا۔ آپ کبھی بیٹھ کر دیکھتے
 اور کبھی قبر میں لیٹ کر اس کی فراخی کا اندازہ کرتے۔ قبر کا اچھی طرح اور ہر پہلو ملاحظہ فرمانے
 کے بعد آپ نے خود ہی چند ایک ہرابتوں کی معاونت سے چچا جان کو قبر میں اتارا۔

حلیہ مبارک

اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شہر قیومی رحمۃ اللہ علیہ کا قد درمیانہ، چہرہ گول،
 پیشانی کشادہ، ناک تلوار کی مانند سیھی۔ آنکھیں نہ چھوٹی نہ بڑی ہر وقت سرخ دیکھنے
 سے معلوم ہوتا تھا کہ ہمہ وقت اللہ کے حضور میں ہیں۔ گھٹی دار طھی میں کوئی کوئی بال سفید
 تھا اور موٹھیں شریعت کے مطابق کٹی ہوئی تھیں۔ آپ کے دانت مبارک موتیوں کی طرح سفید
 تھے جن میں تھوڑا تھوڑا خلا بھی تھا۔ آپ کا سر بڑا اس پر گھنگھریالے بال کا لڑی تک گاہے
 سنت کے مطابق گردن تک۔ چوڑا سینہ، بھرے بھرے بازو، انگلیاں لمبی اور ان
 کے درمیان درزیں۔ پاؤں کا ناپ پندرہ انکشت۔ چلنے میں بہت تیز۔

لباس

آپ ہمیشہ سفید رنگ کا لباس زیب تن فرمایا کرتے۔ سر پر گاہے کپڑے اور گاہے ٹاپو
 کی ٹوپی پہن کر اوپر عامہ باندھتے۔ گلے میں سفید ویسی طرز کا کھلی باہوں کا کرتا نہ لبانہ چھوٹا۔

۱: آپ ناڑ کی ٹوپی کے لیے لاپو سے ناڑ کا بنا ہوا ہیٹ منگواتے اور اس کے گرد سے چھبازو کو اسے

صابون سے دھولتے پھر اس کے کناروں پر چھبازو لگا کر سر پر پہنتے۔



تقریباً سترہ اٹھارہ گره لمبا جس کا گہریاں سامنے ہوتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لمبا کوتاہی نہ کر لوگ فقیر کہلاتے ہیں اور چھوٹا گھٹنا دُنیادار پہنتے ہیں۔ سفید کرتے کے ساتھ سفید تہہ بند ناف کے اوپر باندھنے جو کہ ہمیشہ گھٹنوں سے اوپر رہتا۔ کبھی کبھی آپ نیم بادامی رنگ کی صدی یا اچکن کی طرح کا لمبا کوٹ بھی کرتے کے اوپر پہن لیا کرتے تھے۔ آپ کے پاؤں مبارک میں زرد رنگ کی جوتی ہوتی اور سردیوں میں عموماً چمڑے کے مونے بھی پہنتے۔ آپ کے اثناسد کے مطابق زرد رنگ کی جوتی پہننا مستحب ہے۔ کالے اور سُرخ رنگ کے لباس اور جوتوں کے پہننے پر ناراضگی کا اظہار فرماتے تھے۔ آپ کے کاندھوں پر دو لمبے رومال ہوتے۔ ایک سے آپ ہاتھ منہ پونچھا کرتے اور دوسرے سے آپ مسجد میں داخلہ کے وقت اور مسجد سے باہر آتے وقت اپنے ہاتھ پاؤں صاف کرتے اور فرماتے تھے میں نہیں چاہتا کہ باہر سے آتے ہوئے پاؤں سے لگی ہوئی مٹی مسجد کے اندر جائے اور نہ ہی چاہتا ہوں کہ مسجد کی مٹی میرے جوتوں میں آئے۔ یہ سب کچھ احترام مسجد کے لیے تھا۔ آپ انگریزی طرز کے لباس کو بُرا سمجھتے اور پہننے سے منع فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک افسر ملنے کے لیے آئے تو آپ نے انکی قمیص کے کالر پکڑ کر فرمایا۔ ”کیا یہ دُودھ دیتے ہیں تم تو اپنا مشرب بالکل بھول گئے ہو۔“

آپ کا ہر فعل اور ہر قول شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی بات میں شریعتِ مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھتے اور سنتِ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم سمجھتے۔ لباس کے معاملہ میں بھی آپ کا یہی نصب العین تھا اسلامی شریعت اور سنتِ نبوی کے مطابق لباس پہنتے اور اسی کے مطابق دوسروں کو پہننے ہوئے دیکھنے کی آرزو کرتے۔ آپ سرکارِ مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے بڑے دلدادہ تھے۔ آگے آنے والے واقعہ سے قارئین اندازہ کر لیں گے کہ حضرت میاں شبیر محمد صاحب رقبوی رحمۃ اللہ علیہ کو لباس پہننے میں سنتِ نبوی کا کتنا خیال تھا۔



آپ کو گرمیوں میں بھی دو کڑتوں میں بوس دیکھا گیا تو بعض احباب کو حُسنِ جوہری
 کہ گرمیوں میں دو کڑتے پہننے میں کیا حکمت تھی۔ آپ نے دوستوں کی دلی کیفیت کو نوہ
 باطن سے دیکھا اور فرمایا ”حضرت عبد الصلوٰۃ والسلام فداهُ ابی واتی نے فرمایا ہے کہ ایک آخری
 زمانہ ایسا آئیگا کہ اس وقت جو میری چھوٹی سی سنت کی بھی پیروی کرے گا وہ میرے ساتھ
 اس طرح ہے گا جس طرح میرے ساتھ میرا بچلا کڑتا۔“ آپ نے فرمایا کہ اس فرمان سے
 معلوم ہوتا ہے کہ سرکارِ مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو کڑتے اکٹھے پہننے میں اس لیے
 میں بھی سنت کی پیروی کے لیے دو کڑتے پہن لیا کرتا ہوں؛ ”سُبْحَانَ اللّٰهِ! حَضْرَتِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
 وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی سنت سے کیسا پیارا اور سنت کی پیروی کا کتنا شوق اور دھیان۔ یہی تو بات تھی کہ
 سرکارِ میان صاحبِ رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانہ میں اسوۂ حسنہ کا ایسا نمونہ پیش کیا ہے کہ
 کوئی کیا کر سکے گا۔ آپ کی ہر ادا سرکار کے فرمان کی ترجمان۔ آپ کا ہر فعل سنتِ نبوی
 صلے اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق اور آپ کا ہر قول حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کے
 تابع۔ حضرت قبلہ میان صاحبِ رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ کے کسی کونے کو بھی جانچتے
 شریعت اور سنت کے عین مطابق نظر آئے گا۔



اجدادِ عظیم نام

قبل اس کے کہ قدوة السالکین، زبدة العارفين، حامی شریعت حضرت قبلہ میا شہیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی کی نقاشی کی جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجدادِ اعلیٰ کے مختصر حالات سپرد قلم کیے جائیں۔

حضرت صاحب قبلہ شہرِ قنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ ہمارے آباؤ اجداد کابل کے رہنے والے تھے۔ علمی فضیلت کی وجہ سے لوگ "مخدوم" کے نام سے پکارا کرتے اور شاہی خاندان کے اُستاد بھی تھے۔

جب ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو پٹھان اپنے اساتذہ یعنی حضرت صاحب قبلہ کے اجدادِ عظیم کو بھی اپنے ساتھ لیتے آئے۔ ان دنوں قصبہ شہرِ علم کا گہوارہ تھا اور سرکار کے موزنانِ اعلیٰ جو علمی شغف رکھتے تھے۔ پٹھانوں کے ہمراہ قصبہ شہر آکر مقیم ہوئے۔ انکی تیسری پشت میں سے ایک بزرگ حضرت صالح محمد تھے جو نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپ قرآنِ پاک کی کتابت سے گزر اوقات کیا کرتے کہا جاتا ہے۔ ایک دن حضرت کے جدِ امجد حضرت صالح محمد کی زوجہ محترمہ نے عرض کیا۔

"تو دیک ہی غار میں ایک ولی اللہ فروکش ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے اولادِ نرینہ کے لیے دُعا کروں؟ شریعت کی پابندی ملحوظ خاطر تھی۔ اس لیے آپ نے فرمایا۔

"میں خود ان کی حاضری کے لیے جانا ہوں" چنانچہ آپ ان ولی اللہ کے پاس غار میں

تشریف لے گئے اور استغاثہ کی ”حضور! اولادِ نرینہ سے محروم ہوں۔ دعا کیجئے۔
اللہ تعالیٰ نیک بخت لڑکا عطا فرماویں۔“ یہ سن کر اس مردِ حق میں نے فرمایا۔
”باری تعالیٰ آپ کو فرزند عنایت فرما دیں گے اس کا نام ”شیر محمد“ رکھنا۔“
وقتِ معینہ پر قدرت نے لڑکے سے نوازا۔ جس کا نام کمالِ محبت کی وجہ سے غلامِ رسول
رکھا گیا۔

بابا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت صالح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہونہار اور نیک بخت فرزند جب پروان
چڑھے تو قدرت نے نوازشوں کے دست بچے کھول دیے۔ بچپن گزار کر جوانی میں قدم رکھا تو اس
سرِ حسنہ عرفان سے دلوں کی سوکھی کھیتیاں سیراب ہونے لگیں۔ شمع ہدایت سے نور کی کرنیں
چھوٹ چھوٹ نکلیں اور تاریک لوں کو منور کرتی چلی گئیں۔ آپ گونا گوں اوصاف کے
حامل پارسا بزرگ نکلے۔ مولانا غلام رسول صاحب علومِ باطنی کے ساتھ ساتھ علومِ ظاہری
سے بھی بہرہ ور تھے۔ آپ قصور شہر میں مفتی تھے۔ مولانا غلام دستگیر صاحب بابا صاحب
کے معصروں میں سے تھے۔

ان دنوں نواب قطب الدین قصور کے حاکم تھے اور قصور کو پنجاب میں ایک امتیازی
درجہ حاصل تھا۔ رنجیت سنگھ کی لاپٹی آنکھ بھلا یہ کیسے دیکھ سکتی تھی کہ ایسے اہم شہر پر
مسلمان حاکم کی حکومت ہو۔ راجہ نے قصور پر پورش کی اور شہر کو تاخت و تاراج کر دیا۔
اس کی لوط سے علاقہ میں فطرد و نما ہوا اور باشندے باہر جانے لگے۔ بابا صاحب
بھی اپنے شاگردوں کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
حجرہ شاہ مقیم تشریف لے گئے اور ایک مسجد میں فروکش ہوئے۔ قدرت مائل بہ کرم تھی
منزل نے خود بکھینچ لیا تھا۔ وہاں مسجد میں دو صاحبزادے پڑھ لکھ رہے تھے۔ بابا صاحب



نے ان کی تختیاں لے کر ایک پر "ا" اور دوسری پر "ب" لکھ دیا۔ جب دونوں صاحبزادے گھر پہنچے تو خواجہ قطب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تختی دیکھی اور پوچھا۔ "یہ کس نے لکھا ہے۔ یہ تو کسی فرشتہ کا لکھا ہوا ہے۔ بشر کا نہیں۔" دونوں صاحبزادوں نے بابا صاحب کا پتا دیا اور قطب امام صاحب کے حکم سے بابا صاحب کو بلا لئے قطب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ دور میں نے جو سر قابل کو دیکھ لیا۔ اور وہیں اپنے ہاں سکونت اختیار کرنے کو کہا۔ بابا صاحب اپنی طالب علم جماعت کے ہمراہ ٹھہر گئے اور صاحبزادگان کی تعلیم و تدریس آپ کے سپرد کر دی۔

جب مملانا غلام رسول صاحب نے قطب امام صاحب کے کمالات دیکھے تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ قدرت کی نیزنگیاں ملاحظہ ہوں۔ بابا صاحب وہاں بھی زمانہ کی بیدارگری سے محفوظ نہ رہ سکے۔ سکھوں نے حجرہ شاہ مقیم پر حملہ کر دیا اور تعصب کی بنا پر مسلمان عالموں خصوصاً سیدزادوں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ صاحبزادگان مع بابا صاحب کے ایک کنویں میں روپوش ہو گئے۔ رات کو موقع پا کر ایک ایک کر کے کنویں سے نکلتے اور کہیں چلے جاتے۔ حجرہ شریف کے ایک زرگر قبیلہ کے کچھ افراد جو کہ قطب امام صاحب کے مریدین میں سے تھے۔ صاحبزادگان اور بابا صاحب کو کھانا وغیرہ پہنچاتے رہے۔

ایک دن فضا ساز گار پاپا صاحبزادگان نے بابا غلام رسول صاحب سے التجا کی "حضو! اس وقت موقع ہے۔ آپ نکل کر کسی عافیت کی جگہ تشریف لیجاویں۔" یہ سن کر بابا صاحب نے جواب دیا "چونکہ آپ میرے پیرنا دے ہیں آپ کا حق فائق ہے۔ آپ کا بخیریت چلے جانا ضروری ہے۔"

صاحبزادگان نے دوبارہ اصرار کرتے ہوئے کہا "حضو! آپ ہمارے اُستاد ہیں اور عالم بھی۔ آپ کے مخلوق کو فائدہ پہنچے گا۔ آپ کا بیچ کر بعافیت چلے



جانا از حد ضروری ہے۔ الامرفوق الادب کے مصداق بابا صاحب خاموش ہو گئے اور صاحبزادگان نے اپنے معتقد زرگر خاندان کے افراد کو آپ کے ہمراہ کرتے ہوئے فرمایا۔
 ”تم استاد صاحب کو کسی گوشہ عافیت میں لے جاؤ۔“

مذکورہ افراد کے عزیز اور رشتہ دار شرقپور شریف میں اقامت پذیر تھے۔ لہذا وہ بابا صاحب کو اپنے رشتہ داروں میں لے گئے اور خود بھی شرقپور شریف میں ہی مقیم ہو گئے۔ یہاں آپ کے علمی کمالات خوب رنگ لائے اور شرقپور کی پیاسی زمین اس چشمہ فیض سے سیراب ہوتے لگی۔

شرقپور شریف میں اس جگہ پر جہاں اس وقت حضرت قبلہ میان صاحب کی مسجد ہے کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا۔ اہالیانِ قصبہ نے یہ جگہ مذکورہ بابا صاحب کو مسجد کے لیے دے دی۔ آپ نے اسے صاف کر کے خانہ خدا کی بنیاد رکھ دی اسی جگہ ایک شہتوت کا درخت بھی تھا۔ اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے پیشتر اسی مناسبت سے یہ مسجد ”توت والی مسجد“ کہلاتی تھی۔ بابا غلام رسول صاحب نے حامل شریف کا خود نوشتہ قلمی نسخہ کسی کو دے کر ایک سو پچیس روپیہ کے ہدیہ سے ایک کنواں جو ابھی تک نشنہ لبوں کی پیاس بجھاتا ہے اور ایک چوکھٹ جو اب بھی بفضلِ تعالیٰ مسجد کے درمیانی دروازہ میں نصب ہے بنوائی اور تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ نے مسجد کے بیرونی بڑے دروازے پر ”یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیار اللہ“ جلی حروف میں لکھوایا۔

آپ کے پاس ہندو سکھ اور مسلمان سبھی پڑھنے آتے تھے۔ علاقہ میں آپ کا بہت شہرہ ہوا۔ زہد و تقویٰ اور علمی تبحر کی وجہ سے آپ کو باکمال ولی اللہ مانا جاتا تھا۔ آپ کے پاس ایک کھیل تھا۔ جس میں سوئیاں، دودھ اور ہر چیز جو بھی آتی ڈال لیتے تھے اور

۱ : شرقپور شریف کے بلند پایہ نعت خواں بابا امام دین زنگر مرحوم انہی افراد کی اولاد میں سے تھے۔



وہ ٹپکتا نہیں تھا۔

ایک دفعہ شرفیو شریف میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ لوگ بہت پریشان ہوئے اور سراسیمگی کی حالت میں بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دعا کے لیے آقا کی۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نفاہ پر یہ دعا لکھ دی۔

لِي خَمْسَةَ أَطْفَى بِهَا حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاطِمَةِ

الْمُصْطَفَى وَالْمَرْتَضَى وَأَبْنَاهُمَا وَالْفَاطِمَةَ

اور مسجد کی چھت پر لے جا کر خوب زور سے بجانے کے لیے کہا۔ نیز لوگوں سے فرمایا "منڈی ملے دروانے پر پہرہ دار کو کہنا کہ رات کو اگر کوئی چیز دیکھے تو ہمیں خبر کر۔ چنانچہ اگلے روز پہرے دار نے اطلاع دی کہ ایک سیاہ رنگ کی عورت پریشان حال روتی پیٹتی باہر نکلی ہے۔ بابا صاحب نے ارشاد فرمایا۔ "وہ عورت طاعون" تھی۔ اب انشاء اللہ العزیز شہر کے لوگ محفوظ و مامون رہیں گے اور اسی دن سے شہر میں طاعون کے مریض صحت یاب ہونا شروع ہو گئے۔

ایک روز ایک سپاہی نے آپ کی مسجد میں ٹونٹی پر حقتہ تازہ کیا۔ بابا صاحب کو معلوم ہوا تو آپ نے بہت لعن طعن کی اور تھپڑ رسید کر دیا۔ اس نے تحصیلدار سے شکایت کی۔ تحصیل دار نے آپ کو بلا بھیجا۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے سامنے جانے سے انکار کر دیا۔ تحصیل دار کو جب حالات سے آگاہی ہوئی تو وہ سپاہی پر بہت اگڑا اور اسے ملازمت سے برطرف کر دیا۔

بابا غلام رسول صاحب کے ہاں کوئی لڑکا نہیں تھا۔ صرف ایک لڑکی آمنہ بی بی تھیں۔ جن کا نکاح حافظ محمد حسین صاحب قصوری جو بابا صاحب قبلہ کے بھتیجے تھے سے

۱۷ : مولانا غلام رسول کی وفات کے بعد شرفیو میں درس و تدریس کا سلسلہ حافظ محمد حسین ہی کے سپرد

ہوا۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اس شمع فرزداں کی روشنی دُرُود تک پھیلانی۔



کر دیا گیا۔ اولادِ نرینہ کی کمی کے پیش نظر بابا صاحب نے حافظ صاحب کو شرفیور شریف اپنے پاس ہی بلوایا۔ شرفیور شریف میں آپ کی بدلت گھر گھر علم و ہدایت کا چرچا ہو گیا علاقہ اور قصبہ کے بڑے بڑے رؤسا آپ کے تلامذہ ہیں سے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی تاریخِ وصال ۲۲ رجب ۱۲۸۱ھ ہے اور دوسری روایت کے مطابق آپ ۱۲۸۲ھ میں واصل باللہ ہوئے۔ آپ کا مزار مبارک اعلیٰ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دربارِ عالیہ کے پاس ہی موجود ہے۔

حافظ صالح محمد صاحب کے تین لڑکے تھے۔ حافظ محمد عمر صاحب۔ بابا غلام رسول صاحب میاں غلام محمد صاحب۔ حافظ محمد عمر صاحب کے فرزند حضرت میاں صاحب شرفیوری کے جد امجد حافظ محمد حسین صاحب تھے اور حافظ صاحب کے نور نظر سرکار شرفیوری کے والد بزرگوار میاں عزیز دین صاحب تھے۔

میاں عزیز الدین صاحب

آپ انٹے نیک اور پارسا انسان تھے۔ اتباعِ شریعت آپ کا شیوہ اور زہد و تقویٰ آپ کا مسک تھا۔ ملازمِ پیشہ تھے۔ ضلع رتھک میں صد مقام پر ویکی ٹیڑوں پر سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے انچارج تھے۔ حاجی شیخ کریم بخش کھورانہ بتاتے ہیں کہ جب وہ ویکی ٹیڑ بھرتی ہو کر رتھک گئے تو وہاں میاں عزیز دین صاحب مرحوم کے ماتحت کام کرنا اے موجود تھے جو آپ کی خوبیوں اور اوصاف کے مداح تھے ان میں رتھک کے ایک مرزا صاحب تھے جو خصوصیت کے ساتھ آپ کی پرہیزگاری اور عاداتِ حسنہ کی تعریف کرتے مرزا صاحب کا کہنا ہے کہ میاں عزیز دین صاحب شب بیدار اور تہجد گزار تھے۔ ان کا سلوک ماتحتوں اور افسروں کے ساتھ یکساں تھا۔ آپ ہر ایک کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے۔



میاں عزیز دین صاحب اکثر دو تین ماہ کے بعد گھر تشریف لاتے۔ ان دنوں حضرت صاحب قبلہ کی حالت مجذوبانہ تھی۔ اکثر گریہ و زاری کیا کرتے اور عشق الہی میں سرگرداں رہتے۔ زیادہ وقت جنگل میں گزارتے۔ اسی وجہ سے میاں عزیز دین صاحب سمجھتے کہ میرا یہ بیٹا بالکل "سار لوک" ہے اور مزید اولاد کی غرض سے آپ نے دوسری شادی کی۔ چونکہ خدمتِ خلق اور راہِ خدا میں ہر چیز لٹا دینا حضرت صاحب قبلہ شرفپوری کا شعار تھا۔ اس لیے آپ ہمیشہ مقررہ صل رہتے۔ جب میاں عزیز دین صاحب چھٹی پر گھر تشریف لاتے تو آپ کا قرض ادا کرتے اور ناراضگی کا اظہار فرماتے۔

ایک دفعہ میاں عزیز دین صاحب سپرنٹنڈنٹ انچارج کی حیثیت سے گھوڑے پر سوار بعد از نماز تہجد دورے پر جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک نصاب پوش نے آپ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا "جس لڑکے کو تم "سائیں لوک" سمجھتے ہو وہ اپنے زمانہ کا ایک باکمال شخص ہوگا۔ اس آفتاب ہدایت کی ضیاء باریاں تاریک فلوں کو منور کریں گی۔ یہ منبع فیوض و برکات ہوں گے اور دنیا ان کو مانے گی۔ ان کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہوگا۔ لیکن اپنے اس نیک بخت بچے کا عروج آپ نہیں دیکھ سکیں گے۔ اس لیے آپ انہیں کچھ نہ کہا کریں۔ اس دن کے بعد میاں عزیز دین صاحب کے دل میں حضرت صاحب قبلہ کی عظمت کا کتہ بیٹھ گیا اور وہ حضرت صاحب قبلہ کی عزت کرنے لگے۔

آپ کی ملازمت کے آخری دنوں میں ضلع رتھک کے قصبہ ہانسی میں ہریضہ کی وبا چھوٹ نکلی۔ گورنمنٹ نے ہریضہ کی روک تھام کے لیے آپ کو ہانسی میں تعینات کر دیا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اور وہیں ہریضہ کا شکار ہو کر دعائی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ شرفپور ہسپتال میں گورنمنٹ نے سرکاری طور پر آپ کے وصال کی اطلاع دے دی اور آپ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ خود بھی والد صاحب مرحوم منظور کے مزار پر تشریف لے گئے



اور ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی وہاں بھیجا۔ آپ نے حاجی شیخ کریم بخش کھورانہ کو بلا کر ثانی صاحب قبلہ کے ہمراہ کیا اور مبلغ پینتالیس روپے دے کر فرمایا۔

” پہلے سرسند شریف جانا اور مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری دینا اس کے بعد پانی پت جا کر غوث علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ کہتے ہوئے دلی کے راستے اہم دین درزی کو مل کر ہانسی جانا۔ وہاں قصبہ کے باہر ایک ”چھپر“ کے کنارے کبیر کا درخت ہے اور اس درخت کے نیچے تین مزار ہیں ان میں والد صاحب کا مزار بھی ہے۔ وہاں فاتحہ خوانی کرنا۔“

چنانچہ سرکار ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (میاں صاحب کے چھوٹے بھائی) حاجی کریم بخش کے ہمراہ حضرت صاحب قبلہ کی ہدایات کی روشنی میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور غوث علی صاحب کے مزارات پر حاضری دیتے ہوئے اپنے والدِ مکرم مرحوم و مغفور کے مزار کی زیارت کے لیے ہانسی تشریف لے گئے۔



سالہا در کعبہ و بیت خانہ می نال در حیات
تباریزم عشق یک دانای از آید بریں

اقبال



صبح طالع ہوئی خورشیدِ لایت چمکا

ذراتِ نوریز ہوئے مہرِ حقیقت چمکا

شاد ہیں اہل جہاں خورشیدِ قسمت چمکا

خوش ہیں عشاقِ مہرِ عشق و محبت چمکا



طلوع آفتاب

پیش گوئیاں : ہمارے بزرگ میاں ام دین مونگہ، میاں ولی محمد صاحب
ریوڑی اور ان کے دیگر ہم عصر لوگ فرمایا کرتے تھے کہ۔

حضرت صاحب بلہ کی ولادت سے کافی عرصہ پیشتر ایک فقیر مجذوب یہاں آیا کرتا تھا اور
اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر لمبے لمبے سنس لیا کرتا۔ فقیر مذکور اکثر چھ سات ماہ
کے بعد آیا کرتا۔ لوگ اسے کچھ دیتے تو وہ لینے سے انکار کر دیتا۔ چنانچہ ایک دفعہ معززین قصبہ
ملک فقیر کے پاس گئے اور کہا۔ ”آپ نے جو کچھ لینا ہو فرمائیے ہم حاضر کیے دیتے ہیں۔ کیونکہ فقیر کا
شہر سے خالی ہاتھ چلے جانا شہریوں پر بوجھ ہوتا ہے۔“ اس کے جواب میں فقیر مسکرایا اور کہا
”مجھے کچھ نہیں چاہیے اور نہ ہی میں مانگنے آتا ہوں۔ میں تو اس مکان میں ایک بابرکت ہستی
کی آمد دیکھ رہا ہوں اور اسی ہستی سے فیض یاب ہونے یہاں آتا ہوں۔“

کہتے ہیں حضرت خواجہ امیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت صاحب بلہ
کی ولادت سے بہت عرصہ پیشتر شہر قہور شریف آیا کرتے اور فرماتے کہ مجھے کشف ہوا ہے
کہ اس سرزمین میں ایک ”شیر خدا“ پیدا ہوگا۔ جس سے ایک دنیا فیضیاب ہوگی۔

پیدائش

بالآخر ۱۲۸۲ھ ہجری کی نور افشاں صبح کو اس بلند بخت و باسعادت بچہ نے میاں



عزیز دین صاحب کے گھر جنم لیا جس نے نہ صرف عام لوگوں کے دل بدل کر انہیں وصلِ باللہ کر دیا بلکہ سلجھے ہوئے قلوب کی بھی راہِ سلوک میں راہنمائی فرمائی۔

راقم الحروف کی دادی صاحبہ نے والد صاحب کو بتایا ”جب حضرت صاحب قبلہ کی ولادت ہوئی تو میں آپ کے گھر موجود تھی۔ کیونکہ میں آپ کی والدہ محترمہ سے پڑھا کرتی تھی اور پڑھنے والی تمام لڑکیوں سے بڑی ہونے کی وجہ سے مجھے ہی یہ شرف حاصل ہوا کہ حضرت صاحب قبلہ کو نہلاؤں، دھلاؤں اور منکھن دوں۔ اسی وجہ سے حضرت صاحب قبلہ بڑے ہو کر مجھے چھو بھی کہا کرتے تھے“

اُن کا کہنا ہے کہ حضرت صاحب قبلہ کی بڑی ہمیشہ صاحبہ نے ایک نواب میں دیکھا ”آسمان سے ایک تخت اُترتا ہے جس کے اُٹھانے والوں کے چہروں پر نور برس رہا ہے۔ وہ میرے بھائی کو تخت پر بٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے اور جب واپس لائے تو ان کے سر پر ایک چمکتا ہوا تاج تھا اور آپ نورانی لباس زیب تن کیے تھے“ بعد ازاں جب کبھی حضرت صاحب قبلہ ہمیشہ صاحبہ کے گھر تشریف لے جاتے تو اکثر اس خواب کا ذکر ہوتا اور آپ سن کر مسکرا دیتے۔

والد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ”جب میری پیدائش کی خبر بابا غلام رسول صاحب کو دی گئی تو انہوں نے مجھے مسجد میں لانے کو کہا۔ چنانچہ مجھے مسجد میں لا کر بابا صاحب کے ہاتھوں میں دے دیا گیا۔ بابا صاحب نے دیکھ کر فرمایا ”یہ لڑکا نہایت سعادت مند اور باکمال ہوگا“ اور اپنی زبان میرے مُنہ میں ڈال دی جسے میں نے چوس لیا۔ ”سلسلہ قادریہ سے میری نسبت اسی وجہ سے ہے“

بعد ازاں حسبِ دستور ساتویں روز گھر والوں نے بچے کا نام تجویز کرنے کے لیے کہا۔ بھیجا تو بابا غلام رسول صاحب نے فرمایا ”یہ بچہ وہی ہے جس کی بشارت میرے والد بزرگوار کو غار میں متکف ولی اللہ نے دی تھی وہ میں نہیں تھا بلکہ وہ ہونہار اور بلندِ نعت لڑکا ہی ہے اور ان کے فرمان کے مطابق آپ کا اسم گرامی ”شیر محمد“ رکھا گیا۔





فرہنہا باید کہ تیا یک کود کہ از لطیف طبع
عالم گویا شود و یا فاضل صاحب سخن
دورہا باید کہ تیا یک مرد حق پیدا شود
بوسعید اندر قرآسال یا او بس اندرون
(حکیم ستانی)





بالائے سرش زہو شمت پڑی

مے تافت ستارہ بلندی

سعدی شیرازی



طفولیت

بچپن : میاں اہم دین صاحب موندگہ، حکیم اہم دین صاحب ممکھی و دیگر بڑے بوڑھے کہا کرتے تھے کہ ”آپ مادر زاد ولی ہیں“ آپ کا زمانہ طفولیت ایسا بے نظیر اور حیران کن تھا کہ اسکی مثال سوائے اولیائے متقدمین کے کسی اور طبقے کے بچوں میں ملنی محال ہے بچپن میں ہی آپ بچوں کے ساتھ کھیلتے نہ ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے۔ بلکہ آپ تنہائی کو ہی پسند فرماتے تھے۔

جوں جوں آپ بڑے ہوتے گئے۔ آپ کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار اور روشن ہوتی گئیں۔ چلبلا ہٹ، شرارتیں اور کھیل کود جیسی عادات جو کہ بچپن کا خاصہ ہیں آپ میں ہم تک کو نہیں تھیں۔ کم گوئی۔ کم خوری۔ ادب۔ اخلاق۔ فرمانبرداری اور غور و فکر شروع میں ہی آپ کی طبیعت میں تھا۔ روشن پیشانی اور چہرے کی ضیاء آپ کے ہونیوالے عروج کا پتہ دے رہی تھی۔

تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے قرآن کریم پڑھ لیا اور والدین کے اصرار پر سکول سجا دیے گئے لیکن وہاں آپ کی طبیعت نہ لگ سکی۔ سکول میں پانچویں درجے تک تعلیم پالینے کے بعد آپ کی تعلیم و تربیت حافظ حمید الدین صاحب کے سپرد کی گئی۔ آپ نے کچھ ہی عرصہ میں چند ایک درسی و دیگر کتب پڑھ لیں اور لکھنے میں بھی اچھی خاصی مہارت حاصل کر لی۔ خوشنویسی آپ کو درنہ میں ملی تھی۔ مکتب میں ہی آپ کی خوش خطی کا شہرہ ہو گیا تھا۔ اسم ذات بڑے بڑے حروف میں بہت ذوق و شوق سے لکھا کرتے۔ اپنی فطری صلاحیتوں سے اسم اعظم



” اللہ “ جلد شانہ کے گرد نقش و نگار بناتے اور خوش نما پھول پتیوں میں اسم
 ” محمد “ صلے اللہ علیہ وسلم رقم کرتے حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک
 سے بنے ہوئے قطعات آج بھی موجود ہیں۔ ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ہلاک
 بنوا کر چھپوا دیے ہیں۔ تاکہ نقشبندی حضرات سرکار شرف پوری رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک
 سے بنے ہوئے اسم ذات کے نقشہ جات کو دیکھ کر اپنے سینوں میں موجزن جوش جنوں
 کو تسکین دے سکیں۔ کئی بوسیدہ قرآن پاک اور سپاروں کے اوراق آپ نے خود لکھ کر صحیح
 کیے۔ دور حاضر کے بڑے بڑے کاتب اور نقاش آپ کے قطعات، مکتوبات اور آپ کی
 تحریریں دیکھ کر محو حیرت رہ جاتے ہیں۔

دورانِ تعلیم میں جب کہ آپ مدرسہ میں پڑھتے تھے چھٹی کے وقت دوسرے بچے
 تو کھیل کود میں مشغول ہو جاتے لیکن آپ اپنی خداداد اور وہی تربیت کے زیور کسی گوشہ
 تنہائی یا مسجد میں جا بیٹھتے اور اللہ کے ذکر میں محو ہو جاتے۔

بقول میری دادی صاحبہ کے حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ صغیر سنی میں ہی اکثر محو
 کے عالم میں دیکھے جاتے اور جب خدائے بزرگ برتر کی محبت موجزن ہوتی تو آپ قبرستان
 چلے جاتے۔ آپ کی والدہ ماجدہ جب دریافت فرماتیں تو فرماتے ” اپنے دڑھیاں نوں
 ملن گیا ساں۔ “ (یعنی اپنے بڑوں کو ملنے گیا تھا)

جیسے جیسے سرکار کی عمر شریف زیادہ ہوتی گئی آپ کی طبیعت ذکر اذکار اور عبادت
 کی طرف راغب ہوتی گئی۔ اکثر نوافل میں مشغول رہتے۔ اور کثرت سے یاد الہی کرنے
 اور زیادہ وقت محویت الہی میں گزارنے لگے۔



جوانی

والد صاحب بزرگوارم بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدودِ جوانی میں قدم رکھا تو آپ پر محویت اور جنون کا غلبہ زیادہ ہو گیا۔ آپ جو شش جنون کی وجہ سے قبرستانوں میں جا کر پڑانی اور بھٹی ہوئی قبروں میں پڑے رہتے۔ اکثر دریاؤں پر چلے جاتے۔ سردیوں میں انتہائی سردی کے وقت دریا کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر سورۃ الفتح کا آخری حصہ ہو الذی ارسلنا سولہ الخ پڑھتے اور اگر گرمی کا موسم ہوتا تو دریا کی رتلی زمین پر لیٹتے اور سورت الحشر کا آخری حصہ لو انزلنا هذا القرآن الخ تلاوت فرماتے اور رورور کہتے ”اے اللہ یا تو دین حق عطا کر دے یا یہیں پر ہی موت دے دے“ کبھی چار چھ مہینے کے بعد والد صاحبہ کو ملنے گھر تشریف لاتے۔ ورنہ اکثر دریا پر رہتے۔ آپ کی والدہ ماجدہ جو رات کو گھر کا دروازہ اندر سے بند کر کے سوئی ہوتیں۔ دیکھتیں کہ حضرت صاحب قبلاً گھر کے اندر ان کے پاس کھڑے ہوئے ہیں اور وہ جا کر دروازہ دیکھتیں تو وہ اندر سے بدستور بند ہوتا۔ آپ جو چیز گھر میں دیکھتے مغل جاتے دیکھتے ہوئے کوئلے کھا جاتے۔ اُبلتی ہنڈیا پی جاتے اور پسی ہوئی سُرخ مرچیں پھانک لیتے اسی وجہ سے آپ کی والدہ صاحبہ آپ کی آمد پر ایسی چیزیں چھپا دیتی تھیں۔

کچھ عرصہ بعد آپ شہر قنور شریف شہر میں تشریف لے آئے۔ اس وقت یہ حالت تھی کہ مسجد میں جاتے تو دروازے پر کھڑے ہو کر آوازیں دیتے ”اللہ جی! گھر ہو۔ میں اندر آ سکتا ہوں“ یہ آوازیں سُن کر لوگ اکٹھے ہو جاتے اور ہنستے ہوئے کہتے کہ مسجد کا دروازہ تو کھلا ہے آپ اندر جاسکتے ہیں۔ آپ جواب میں ارشاد فرماتے ”میاں شریعت کا حکم ہے کہ صاحبِ حسبانہ کی اجازت کے بغیر اندر نہیں جانا چاہیے“ آپ بار بار تکرار فرماتے اور پھر اندر جاتے۔ پھر ایسا وقت آیا کہ آپ نے عشاء کی نماز کے بعد لا ہو جانے

جانے والی سڑک کے قریب ہی حضرت ہاشم شاہ سنہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جانا شروع کر دیا۔ پھر کچھ ہی عرصہ بعد آپ کا یہ معمول ہو گیا کہ آپ بعد از نماز عشاء ہاشم شاہ سنہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تھوڑی دیر قیام فرماتے پھر لاہور روانہ ہو جاتے وہاں راہنمائے کمال حضرت داتا گنج بخش بھجوری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضری دیتے اور واپس شرقپور تشریف لے آتے۔ کئی سال سرکار شرقپور رحمۃ اللہ علیہ کا یہی معمول رہا۔

منصب ولایت

والد صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حسب معمول لاہور جا رہا تھا۔ سردی انتہا پر تھی بارش اور آندھی کا طوفان زوروں پر تھا بجلی کڑک رہی تھی اور ادا لے بھی شدت سے پڑ رہے تھے۔ میری طبیعت نے سبج جانے سے کچھ گریز کیا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہا کہ شاید آج آزمائش کا دن ہے۔

”آپ ارشاد فرماتے ہیں ”اس موقع پر مجھے سوہنی کا قصہ یاد آیا۔ جب میں موضع ٹھیکری والے کے قریب پہنچا تو بجلی زور سے کڑک کر گئی اور ہوا کا شور بڑھ گیا۔ سڑک کے درخت گرنے لگے۔ سڑک بے آباد تھی میں ڈر کے مارے سڑک سے باہر نکل گیا۔ غائب سے آواز آئی کہ ابھی تک تمہیں اپنی جان ہی پیاری ہے۔“ حضور فرماتے ہیں ”کہ میں دوڑ کر پھر سڑک پر آ گیا۔ بجلی پھر کڑکی، میں پھر سڑک سے باہر ہو گیا۔ غائب سے پھر وہی آواز آئی۔ تیسری بار پھر ایسا ہوا اور مجھے وجد ہو گیا اور اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ کس نے مجھے گھر پہنچایا۔ مجھے چار پائی پر لٹاتے اور میں نیچے گر جاتا۔ ایک ہفتہ اسی طرح حالت ہی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ کوئی مجھے اٹھا کر بٹھا رہا ہے جب میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرا ہاتھ اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا اور فرمایا

”دس بھلوا اور ہشیار ہو جاؤ تم سے کام لینا ہے اور میرا ہاتھ حضور نے بغداد والی سرکار کے ہاتھوں میں دے دیا۔“

اس کے بعد میں مسجد میں بیٹھ گیا اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ کچھ دن کے بعد داتا صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح پڑھانے کا کام بھی چھوڑ دیا اور یہ کام چچا حمید الدین صاحب کے سپرد کر دیا۔“

ویلے تو اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شہر قیومی رحمۃ اللہ علیہ کا سارا خانہ ان اپنی علمی فصیلت کی وجہ سے بلند مقام پر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایتوں اور رحمتوں سے اس پُر فتن دور اور پُر آشوب زمانہ میں اصلاح عقائد و اسما و اور ہدایت و رہنمائی کے لیے احیائے سنت کے خاص منصب پر حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو سر قرار فرمایا۔ آپ نے جس شان سے حق کی آواز بلند کی وہ اپنی نظر آئے۔

والد صاحب کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ انہی ایام کا تذکرہ کر رہے تھے کہ آپ نے فرمایا: ایک دن میں مولشی لے کر کنویں سے آیا تو مسجد میں مغرب کی نماز ہو رہی تھی۔ اس دن مطلع ابر آلود تھا اور بارش ہو رہی تھی۔ میں وضو کرنے لگا اور میری زبان سے سیاختہ نکلا کہ شاید بھی تو سورج ہوگا۔ اس وقت جماعت میں نماز ہو رہی تھی۔ اور ایک رکعت ادا ہو چکی تھی۔ معاً ہی بادل پھٹ گئے اور سورج کی کرنیں پھوٹ نکلیں۔ نماز کی امامت چچا حمید الدین صاحب کر رہے تھے۔ انہوں نے سلام پھیر دیا۔ مغرب کا وقت ہونے پر جب مؤذن نے چچا جان سے کہا کہ اذان دوں تو انہوں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”اُس سے پوچھ لو۔“





تجھ ہی کو دیکھنا، تری سُننا تجھی میں ہی کم ہونا
حقیقتِ معرفت اہلِ طریقتِ اسکو کہتے ہیں
تمہارے غیر کے خط سے سب کو زنا پاک، باطن کو!
صنم پر مُعتاں، غُسلِ طہارت اسکو کہتے ہیں
بہا خوں دستِ مجنوں سے اگر لی فسدِ لیلیٰ نے
فنا ہے نامِ اس کا اور نسبت اسکو کہتے ہیں



نسبِ شیخ

بقول والد صاحب رکار میا نصاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا
بیعت : ” مجھے بیعت کرنے کے لیے اُن تالیس او بیار ہزاری مسجد میں تشریف
 لائے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ لڑکا میرے سلسلے میں داخل ہو۔ مگر کسی سے ہونہ سکا انہی
 دنوں حضرت خواجہ میر صادق علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکان تشریف والے بھی تشریف
 لائے ہوئے تھے۔ میں ایک دن مسجد کے محراب میں محو خیال تھا اور مجھ پر رقت طاری تھی
 تو اپنے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ اس کی ٹھنڈک میرے پاؤں کے نوؤں تک محسوس ہوئی۔“
 حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ” کبھی کبھی پہلے بھی بابا امیر الدین صاحب
 رحمۃ اللہ علیہ شہر قبور تشریف لایا کرتے تھے۔ میر صادق علی شاہ صاحب کی آمد کے
 کچھ عرصہ بعد بابا صاحب تشریف لائے اور مجھے بلایا۔ جب میں حاضر ہوا تو میرا ہاتھ پکڑ کر
 اپنے ہاتھ پر رکھا اور مجھے سلسلہ میں داخل کر لیا۔ مجھے اپنے جد امجد بابا غلام رسول صاحب
 کا فیض قادری حاصل تھا۔ لیکن حضرت خواجہ ام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت
 مجھے کھینچ کر ادھر لے گئی۔“

کوٹلہ پنجو بیگ ضلع شیخوپورہ میں خواجہ امیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سکونت رکھتے تھے
 آپ ہاں اپنے شیخ کے پاس آنے جانے لگے۔ چونکہ قطب الاقطاب خواجہ ام علی شاہ
 صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت آپ پر غالب تھی اس لیے بابا صاحب قبلہ کے ہمراہ اکثر

آپ بھی مکان تشریف چلے جاتے۔

ایک دفعہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میر صادق علی شاہ صاحب کے سامنے حضرت صاحب قبلہ کو پیش کیا تو میر صاحب نے مسکرا کر فرمایا: ”بابا صاحبی! لڑکا تو خوب لائے ہو، استعداد بہت ہے اور اڑ جانو والا ہے ظاہری علم کچھ کم ہے لیکن خیر! کوئی بات نہیں وہ بھی بہت ہو جائے گا۔“ اس دن کے بعد سے بابا صاحب سے حضرت صاحب قبلہ کی نسبت کا یہ علم ہو گیا کہ جب کبھی رات کو بابا صاحب کو ٹلہ تشریف میں یاد فرماتے۔ آپ اسی وقت پا پیادہ روانہ ہو جاتے۔ صبح کو معلوم ہوتا کہ کئی ایک سب آپ کے پاؤں تلے آکر کھلے گئے ہوتے۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ کو ٹلہ تشریف تشریف لائے ہوئے تھے۔ بابا صاحب اور حضرت صاحب قبلہ دونوں تالاب پر نہانے تشریف لے گئے نہانے کے دوران ہی کنویں کی چرخی کے چنخنے کی آواز آئی۔ آپ کو تالاب میں ہی وجد ہو گیا۔ اکثر مرغ کی آواز قرآن پاک کی تلاوت یا نعت خوانی کی آواز پر وجد ہو جایا کرتا تھا۔ بابا صاحب نے فرمایا: ”میرے عزیز کو پکڑو۔“ لوگ آگئے اور آپ کو پکڑنے لگے۔ احباب پکڑتے تو آپ ”اللہ“ کا نعرہ لگا کر ان کے ہاتھوں سے نکل جاتے۔ سرکار کئی کئی دن تک بابا صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر رہتے اور چکی پس کر بابا صاحب کی خدمت کرتے۔

میاں صاحب کا خطاب

بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ شرفیو تشریف تشریف لا کر کئی کئی مہینے حضرت صاحب قبلہ کے پاس قیام فرماتے۔ آپ قرض لے کر بھی خدمت شیخ سے دریغ نہ کرتے۔ بابا صاحب شب بیدار تھے۔ چائے کی ایک ساوار، ہر وقت آپ کے پاس گرم رہتی اور بابا صاحب یا دالہی میں مشغول رہتے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ بارش ہو رہی تھی۔ سردی



کا موسم تھا۔ ٹھنک ہوا چلنے کی وجہ سے ”سماوار“ ٹھنڈی ہوگئی۔ جسے گرم رکھنے کے لیے مزید کونک لکڑی نہیں تھا۔ بابا صاحب نے آواز دی کہ چائے لاؤ۔ حضرت صاحب قبلہ نے دیکھا تو چائے ٹھنڈی ہوگئی تھی۔ آپ حجر سے باہر تشریف لائے اور جوشِ محبت میں اپنی دستار مبارک پھاڑ کر جلانی اور چائے گرم کر کے بابا صاحب کے حضور پیش کر دی تھوڑی دیر بعد چائے پھر ٹھنڈی ہوگئی۔ اس دفعہ اپنے اپنا کڑا اتار کر آگ جلانی اور چائے گرم کی۔ تیسری مرتبہ چائے پھر ٹھنڈی ہوگئی تو سرکار نے اپنا ہنہ بند اتار کر چولہے میں جھونک دیا اور چائے گرم رکھی۔ اس وقت تہجد کا وقت ہو چکا تھا۔

بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا ”آج چائے کس نے بنائی ہے۔ اس کا مزہ کچھ اور ہے رنگ بھی اور“ محمد دین خادم نے سرکار کا نام لیتے ہوئے عرض کیا ”انہوں نے بنائی ہے۔“ بابا صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو بلاؤ۔ جواب میں خادم مذکور نے عرض کی۔ ”حضور وہ تو صف لیٹے ڈیورٹھی میں پڑھے ہیں۔“

بابا صاحب نے کپڑوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ انہوں نے اپنے تمام کپڑے پھاڑ کر چولہے میں جلادیے ہیں اور آپ کے لیے چائے گرم رکھی ہے۔“

یہ سن کر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ وجد میں آگئے اور دوڑ کر صف میں بیوس حضرت صاحب قبلہ کو سینے سے لگایا اور جوش سے فرمایا ”تم میاں صاحب ہو میاں صاحب“ اور اسی دن سے قبلہ شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ ہر خاص و عام میں میاں صاحب کے نام سے مشہور ہو گئے اور آج بھی اکثریت اسی نام سے آپ کو یاد کرتی ہے۔

حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے شاہسوارِ راہِ طریقت کو اپنے شیخ سے جو کچھ محبت ہو سکتی ہے اس کا اندازہ ہم ایسے نا آشنا نے راہ سلوک کیے کر سکتے ہیں حضور مرید بھی تھے اور مراد بھی۔ حضرت صاحب قبلہ نے خود ارشاد فرمایا کہ میں بابا صاحب کے سینہ پر پڑا ہوا تھا۔ بابا صاحب نے فرمایا ”قیامت کا دن ہوگا۔ مولا



عزوجل پوچھیں گے امیرالدین! دُنیا میں تجھے بھیجا تھا وہاں کیا کچھ کیا ہے اور آخرت کے لیے کیا لایا ہے تو جواب دوں گا ”میرے آقا! دُنیا میں غفلت ہی رہی، کچھ نہ کر سکا۔ صرف ایک کھائی کی ہے اور میانصاحب کا ہاتھ پکڑ کر مالکِ فوجِ جلال کے حضور پیش کر دوں گا اور کہوں گا کہ اے اللہ العالمین اس پکڑے، کی طفیل مجھے بخش دے“

ایک دفعہ حضرت صاحبِ قلب بہ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ صاحبہ نے قسْو اپنے میکے جانا تھا۔ ان دنوں قسْو جانے کے لیے رائے وند ٹیکٹ سیل یا گھوڑی پر جانا پڑتا تھا وہاں سے قسْو کے لیے رین ملتی تھی۔ والدہ صاحبہ نے سرکار کو فرمایا ”مجھے رائے وند چھوڑ آؤ“ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ اُن کے خادمِ خاص محمد دین سے حضور میانصاحب بہ نے والدہ صاحبہ کو رائے وند پہنچانے کے لیے گھوڑی مانگی تو اُس نے مال دیا۔ آپ کسی اور کی گھوڑی لے کر چلے گئے آپ کے تشریف لے جانے کے بعد بابا صاحب کی گھوڑی رسہ توڑ کر بھاگ گئی۔ تین گاؤں پھر یا نوالہ ماٹر ڈا۔ ساموں لانکے آدمی گھوڑی کو پکڑنے اکتھے ہوئے لیکن اس نے ہاتھ لگنا تھا نہ لگی۔ تین دن گھوڑی کے پیچھے دوڑتے رہے۔ لیکن نہ پکڑی جاسکی۔ چونکہ روز محمد دین نے بابا صاحب سے عرض کی ”حضور! گھوڑی نہیں پکڑی جاسکی“ بابا صاحب نے بتسم فرمایا اور کہا ”یہ گھوڑی میانصاحب کی چھوڑی ہوئی ہے۔ وہی پکڑوائیں گے۔ ان سے کہو“

محمد دین سیدھا سرکار کی خدمتِ اقدس میں پہنچا اور تمام ماجرا من و عن بیان کر دیا۔ حضور میانصاحب نے بتسم فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ ”یہ بھی کوئی بات ہے۔ ما بھریاں والے کنز پر نسا رہیں سے پانی پی رہی ہے پکڑ لو“ محمد دین اس کنز پر گیا تو گھوڑی کھڑی پانی پی رہی تھی۔ اس نے پیار سے بالوں سے پکڑ لیا۔ گھوڑی چپکے چپکے ساتھ چلی آئی۔

ولایت کے مختلف درجے ہیں اور بے شمار مراتب۔ بعض حضرات عشق کے بے پایاں سرور اور نشہ میں چور ہو کر ظاہراً عقل و دانش کھو بیٹھتے ہیں۔ انہیں احکامِ شرعیہ کی بجا آوری



کا ہوش نہیں رہتا۔ انہیں مجذوب کہتے ہیں۔ بعض وہ حضرات ہیں جو.....
 ۷ ادھر اللہ سے دہل ادھر مخلوق میں شامل۔“ ایسے حضرات ولایت کے اعلیٰ
 درجہ پر پہنچ کر بھی دامن عقل و خرد ہاتھ سے جانے نہیں دیتے انہیں سالک کہا جاتا ہے

یہ لفظ سالک مجذوب کی ہے شرح اے بیہم
 کہ اک ہشیارِ ختم المرسلین اور ایک دیوانہ

یہ تصوف کے مسائل ہیں جنہیں صوفیاء ہی سمجھتے اور جانتے ہیں میرا مقصد ان مسائل
 کی تشریح نہیں بلکہ صرف اتنا اشارہ مقصود ہے کہ اعلیٰ حضرت میاں صاحب رقبوری رحمۃ اللہ
 علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے بلند مقامات اور اعلیٰ درجات عطا فرمائے کہ آپ عشق و محبت کی
 سرستیوں میں مست رہ کر اُلفت کے بحر بکریاں میں غوطہ زن بھی رہے اور عقل دانش اور تربیت
 مطہرہ کی حدود سے بھی ذرہ بھر باہر نہیں ہوئے حضور نے کسی وقت اور کسی مقام پر بھی احکام
 شرعیہ سے تھوڑی سی بھی غفلت برداشت نہیں کی۔ آپ کو مالک حقیقی نے ایسی قوت
 عطا فرمائی کہ آپ ادنیٰ عشق و محبت میں بھی والہانہ منازل طے کرتے رہے اور اچھے سنت
 اور اصلاح احوال کے اعلیٰ دار فاع کام میں بھی اپنے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دی۔
 حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ طریقت سے نہ صرف عقیدت تھی
 بلکہ آپ کی رگ رگ میں بابا صاحب کا عشق جلوہ نگیں تھا لیکن جس منصب پر حضرت صاحب
 قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو فائز کیا گیا تھا اس کے حقوق کی ادائیگی میں کسی بات کو بھی حضور نے
 حائل نہیں ہونے دیا۔

پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ خواجہ امیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت
 صاحب قبلہ سے بے پایاں محبت تھی آپ اکثر شرفیو پر شریف آکر سرکار کے پاں کئی
 کئی ہفتے قسیم فرمایا کرتے۔

ایک دفعہ بابا صاحب قبلہ تشریف لائے ہوئے تھے اور جمعہ کا دن تھا (بابا صاحب



عموماً مسجد کی چھت پر ایک حجرہ میں فروکش ہوا کرتے تھے (جمعہ کے لیے اذان ہو چکی تھی۔
 حضرت صاحب بلہ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ بابا صاحب حجرہ میں بیٹھے ہوئے
 ہیں۔ آپ سیدھے بابا صاحب بلہ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی "حضور! جمعہ کے لیے
 اذان ہو چکی ہے اور آپ ابھی تک حجرہ میں ہی تشریف فرما ہیں۔ اس علم میں ہم مریدین کہا
 جائیں، حضرت صاحب بلہ کی یہ باتیں شکر بابا صاحب نے فرمایا "بیٹا! آج کے بعد اذان
 ہو چکنے پر مجھے کبھی حجرہ میں بیٹھا ہوا نہیں پاؤ گے۔ سب سے پہلے صف میں جا کر بیٹھوں گا،"

خلافت

ویسے تو سرکار میاں صاحب شرف پوری رحمۃ اللہ علیہ مادر زاد ولی تھے۔ آپ کی ذلت
 فطری اور عطائی تھی نہ کہ کسی۔ تاہم شیخ طریقت کی صحبت نے صلاحیتوں کو اجاگر کر دیا۔ عبادت و
 ریاضت اور اشغال سلسلہ نے دل کے روشن چراغ کو جلادی اور اسکی کرنیں پھوٹ
 پھوٹ کر باہر نکلنے لگیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے شغل اسم ذات۔ جس دم مراقبہ یعنی
 اثبات و دیگر اشغال میں کمال حاصل کر لیا اور اس کے بعد آپ لطائف کی منازل طے
 کرنے لگے۔

ساکش کی سات منزلیں ہیں۔ ارواح بھی سات ہیں۔ وجود آدمی میں نفس بھی
 سات ہیں۔ انسان میں جوہر بھی سات ہیں۔ افلاک بھی سات ہیں۔ زمین کے طبقات
 بھی سات ہیں اقلیم بھی سات ہیں۔ ایمان کی صفتیں بھی سات ہیں۔ ایمان کی شرطیں
 بھی سات ہیں۔ اندام سجدہ بھی سات ہیں۔ واجبات شریعت بھی سات ہیں طواف
 بیت اللہ بھی سات ہیں۔ ولایتیں بھی سات ہیں اور لطائف نعتیہ بھی سات ہی ہیں۔

۱۰ مفتاح اللطائف



ان کے رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جو انسان جس منزل سے گزرتا ہے اسی رنگ کے نور کا القاء اس کے قلب پر ہوتا ہے بعینہ ان دنوں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی حالت تھی۔ آپ پر جس قسم کی کیفیت طاری ہوتی اور جس رنگ کے نور کا درود آپ پر ہوتا۔ اسی رنگ میں آپ اسم ذات لکھ کر مسجد میں قطعہ کی صورت میں آونیاں کر دیتے دیگر کئی شعر اپنے حال کے مطابق مسجد کی دیواروں پر تحریر کر دیتے۔

مسجد میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت تزک احتشام کے ساتھ گیارہویں شریف کا ختم دلوانے۔ قندیلیں، قطعات وغیرہ اپنے ہاتھوں بنا کر مسجد میں آونیاں کرتے اور خود توشنہ نعیتیں، بابا اہم دین زرگر، حاجی نور دین مونگہ، امام دین سرمرہ اور میاں غلام محمد کئی باف جو حضرت صاحب قبلہ کے خاص نعمت خواں تھے، سے سنتے۔ نعت خوانی کے دوران آپ کو اتنا وجد ہوتا کہ قندیلیں گر جاتیں صفیں ٹوٹ جاتیں بلکہ اکثر صفوں کو آگ لگ جاتی اور آپ خمی ہو جاتے۔ بابا حاجی نور دین مونگہ اور بابا اہم دین زرگر کا کہنا ہے کہ عام نعت خوانی کے بعد ایک خاص مجلس ہو کرتی تھی جس میں تمام لوگ آنکھیں بند کر کے حلیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعروں میں پڑھتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں اور ہم حضور کو دیکھ رہے ہیں۔ سبحان اللہ!

خواجہ امیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے روحانی فرزند اور شہسب الہ ہوتی کی اڑانوں کو دیکھا اور سلوک کی منازل کو یوں طے کرتے پایا تو آپ کو میر صادق علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ بات کہ ”یہ لڑکا تو اڑ جانے والا ہے“ ہو ہو عملی جاہر پہننے نظر آئی۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی علامات معانیت کے طہو اور کمال ترقی کے پیش نظر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ اصل چیز جس کے لیے ابتدا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا ”سنہلو تم سے کام لیتا ہے“ حضرت صاحب قبلہ کو



پُرد کردی یعنی لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کے لیے بارِ خلافت آپ کو تفویض کر دیا۔
اور عوام الناس کو ارشاد و تلقین کا حکم فرمایا۔

سرکارِ مہا صاحبِ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

”بابا صاحبِ رحمۃ اللہ نے مجھے کیا دیا۔ دہکتے ہوئے کوٹلوں اور انگاروں کا ٹوکرا
(بارِ خلافت) میرے سر پر رکھ دیا اور میں نے پاس ادب کی وجہ سے بلا چون دھرا
اٹھالیا۔“





مرد درویش رو هر صبح و شام

تا اثر حاصل شود مطلب تمام

گر ترا بر سر زند سر پیش نه آنچه داری در ملک درویش ده

داده درویش پادشاهان از نظر درویش شد شاه جهان

هر که مقبول است درویش از نظر شد مراتب او ز بالا عرض تر

کلام سلطان العارفين سلطان باهوج

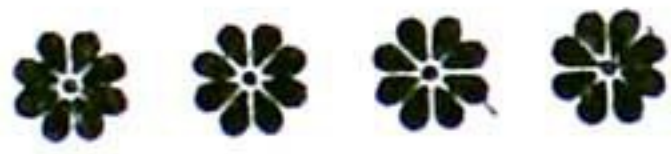


”سید جماعت علی شاہ صاحب لائنی علی پوری

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: “

”مکان شریف وہ جگہ ہے جس کے نام پر اہل نسبت

وجد میں آجاتے ہیں۔“



”حضرت بڑھن شاہ صاحب کلانوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا۔“

”مکان شریف خدا کی رحمت کا مورد ہے اور ملائکہ کے

اُترنے کا مکان ہے۔“



مکان شریف

شہنشاہ اولیٰ مرغوث الاغیثا۔ شیخ اشیرخ، اہم طریقت، قطب الاقطاب
 حضرت خواجہ اہم علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کا مسکن اور اہم الاصفیاء مترجم عاشقان
 رسول خدا مصدق فیوض گنجینہ حیات، مہر پہر حقیقت مہر فلک طریقت وادی تصوف
 کے شہباز سیدالسادات حاجی شاہ حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آرام گاہ ضلع گورداسپور
 میں تحصیل کی ایک تہی رتڑ چھٹرا المشہور مکان شریف سے کون ہے جو واقف نہیں۔
 مکان شریف حضرت قبلہ میان صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر کا مسکن ہے۔ آپ کے
 مکان شریف سے والہانہ محبت تھی۔ ابتدا ہی میں حضرت صاحب قبلہ نے اپنے پیرو مشد
 خواجہ امیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہاں جانا شروع کر دیا تھا۔ آپ صرف ہر عرس
 پر مع اپنے عقیدتمندوں کے حاضری دیا کرتے تھے بلکہ سال میں دو تین بار ضرور دہاں جایا
 کرتے تھے۔ اس وقت کے سجادہ نشین میر بارک اللہ صاحب دیگر صاحبزادگان سے
 آپ کو بڑی محبت تھی۔ آپ پیروں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے۔ آپ عرس کے
 موقعہ پر ختم شریف میں شمولیت کے وقت ادب احترام کے پیش نظر درمیان میں
 گدی نشینان و صاحبزادگان کے ساتھ نہیں بیٹھا کرتے تھے۔ حالانکہ میر بارک اللہ صاحب
 رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت صاحب قبلہ سے بے پناہ محبت تھی اور دوسرے بھی آپ کا احترام
 کرتے تھے۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو خواجہ امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور بھورے والی سرکار سے خالص نسبت تھی مکان شریف کے باشندگان تو ایک طرف وہاں کے درو دیوار سے آپ کو پیار تھا۔ حضرت صاحب قبلہ اکثر مکان شریف کے قیام کے دوران گاؤں سے باہر چلے جاتے اور پوچھتے کہ کوئی بڑا بوڑھا ایسا ہے کہ جس نے خواجہ صاحب کو دیکھا ہو؟

اگر کوئی ایسا آدمی مل جاتا تو آپ اتنی تعظیم و تکریم کرتے کہ اس پر پیر ہونے کا گماں ہوتا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف سے ایک آدھ کو سن باہر کھیتوں میں گئے تو وہاں ایک بوڑھا سکھ ہل چلانا ہوا نظر پڑا۔ آپ نے اس سکھ سے پوچھا ”آپ نے خواجہ صاحب کو دیکھا ہے؟“ اس نے جواب دیا ”جی ہاں“ یہ سنا تھا کہ آپ اس کے سامنے ہل چلی زمین پر دوڑاؤ بیٹھ گئے۔ آپ نے اسکی آنکھوں کو پوسہ دیا اور کہا ”ان آنکھوں سے انہوں نے خواجہ صاحب کو دیکھا ہے“ اس سکھ نے کہا۔

”میں اپنے باپ کے ہمراہ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور میرا باپ کہا کرتا تھا کہ جب ہم کھلیانوں سے فصل اٹھا لیتے تھے تو کوئی جانور زمین پر گرہا ہوا داند نہیں اٹھاتا تھا جب تک خواجہ صاحب حکم نہ فرماتے تھے اور جب مکان شریف کی زمین سے کوئی ڈھیلا اٹھاتے تھے تو اس میں سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دیتی۔ چپتے میں میری کمر پر بھی خواجہ صاحب نے ہاتھ پھیرا تھا“ حضرت صاحب قبلہ باتیں بھی سنتے جاتے اور یہ فرماتے ہوتے ”ان آنکھوں نے خواجہ صاحب کو دیکھا ہے“ اس کی آنکھیں بھی چومتے۔ ”مکان شریف میں قیام کے دوران میں اکثر رات کو چاند کی چاندنی میں کئے کئے گھنٹے روغنہ شریف کو بیٹھے دیکھا کرتے اور فرماتے۔ ”خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیض آ رہا ہے۔“



مکان شریف کا گھوٹا

اہم طریقت حضرت خواجہ اہم علی شاہ صاحب کے فرزند ارجمند میر صادق علی شاہ صاحب کے پاس ایک چوہدرتھے جن کا نام غالباً مولانا غلام نبی تھا۔ مکان شریف عید گاہ کے پاس آم کے پیڑوں کے نیچے مولانا غلام نبی صاحب نے والد صاحب کو یہ واقعہ سنایا۔ ایک دفعہ میر صادق علی شاہ نے مولانا غلام نبی صاحب کو کہیں غلغلی سے ایک گھوٹا لانے کو بھیجا۔ مولانا صاحب نے گھوٹا لے کر واپس آتے ہوئے ایک دو جگہ میر صاحب کے مڑیوں کے پاس قیام کرنے کے علاوہ شرق پور شریف حضرت صاحب قبیلہ کے ہاں بھی ایک رات بسر کی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جب گھوٹا لے کر آئے ہاں پہنچے تو اپنے انتہائی مست اور خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا۔ گھوٹے کو علیحدہ جگہ باندھ کر اس کے لیے چارہ دانہ کا انتظام کیا اور مولانا صاحب کی خوب خاطر مدارات کی۔ مولانا کی خدمت کرنے میں جو خوشی آپ کو ہو رہی تھی وہ آپ کے چہرہ سے نمایاں تھی۔ کھانا کھا کر مولانا نے عشا کی نماز ادا کی اور سونے کی تیاری کرنے لگے۔ مولانا چار پائی پر دراز ہوئے تو آپ ان کے پیر و بانے میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد مولانا نیند کی اسفوش میں چلے گئے اور حضرت صاحب نے وہاں پہنچ کر جہاں کہ گھوٹا بندھا ہوا تھا۔ گھوٹے کی مٹھی چابی شروع کر دی۔

مولانا غلام نبی صاحب کو صبح سویرے اٹھتے ہی گھوٹا دیکھنے کا خیال آیا۔ جب وہ گھوٹے کے پاس آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ میان صاحب نے گھوٹے کو مٹھیاں بھر رہے ہیں اور یہ معلوم کر کے کہ آپ عشا کی نماز کے بعد سے سحری تک متواتر مکان شریف کے گھوٹے کو مٹھی چابی کرتے رہے ہیں مولانا پر رقت طاری ہو گئی۔

مسافت زیادہ ہونے کی وجہ سے مولانا نے سحری کے وقت ہی روانگی کا ارادہ ظاہر کیا اور حضرت صاحب قبیلہ مولانا موصوف اور گھوٹے کو شرق پور شریف سے چار میل دور



موضع منڈیا نوالہ تک وداع کرنے گئے۔ وداع کرتے وقت آپ نے مولانا کو کچھ کھانے کا ساٹا اور کچھ رقم دیتے ہوئے فرمایا۔

”میر صادق علی شاہ صاحب کو میری طرف سے سلام عرض کرنا اور یہ حقیر سا نذرانہ پیش کرتے ہوئے عرض کرنا۔“ حضور! مجھ عاجز کے لیے دعا فرماویں۔“

مولانا صاحب جب مکان شریف پہنچے تو میر صاحب بلہ نے پوچھا کہ راستہ میں کہاں کہاں قیام کیا اور کیسے گزری؟

مولانا نے عرض کی ”حضور! سب مریدین اخلاق اور تواضع سے پیش آئے۔ لیکن شرفیور شریف کے ميان صاحب نے وہ خدمت کی ہے کہ کوئی دوسرا کیا کرے گا۔ اور عجب منظر یہ دیکھا ہے کہ میری خدمت کے علاوہ گھوڑے کو تمام رات مٹھیاں بھرتے ہیں اور چار میل تک وداع کرنے آئے اور یہ نذر پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔“ میر صاحب سے عرض کرنا میرے لیے دعا فرماویں۔“

یہ واقعہ سن کر میر صادق علی شاہ صاحب تڑپ اٹھے اور جوش سے فرمایا ”میان صاحب نے مکان شریف کے گھوڑے کو مٹھیاں بھری ہیں۔ انہیں سارا جہان مٹھیاں بھرے گا۔“ واقعہ بیان کرنے کے بعد مولانا غلام نبی کہنے لگے ”اسی لیے تو میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ میان صاحب شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ کو مکان شریف کا فیض میرے سر سے گزر کر ہوا ہے۔“

روضہ شریف کے لیے غلاف

ایک دن حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف عرس میں شمولیت کے لیے تیار ہوئے تو آپ نے ماسٹر غلام محمد کو بلا کر فرمایا ”دو اچھاڑ“ بنانے ہیں اور ان پر کچھ سکہ بھی کرانا ہے۔“ آپ نے اس غرض سے ماسٹر غلام محمد کو کچھ رقم بھی دی۔ وہ لاہور سے کپڑا اور سکہ وغیرہ لے آئے اور چند دن میں ہی دو خوبصورت غلاف تیار کر دیے دونوں غلاف



لے کر آپ اپنے احباب کی معیت میں مکان شریف روانہ ہو گئے۔ جب آپ لاہور اسٹیشن پر پہنچے تو دیکھا کہ مکان شریف کے سجادہ نشین اور خواجہ ام علی شاہ صاحب کے پوتے میر بارک اللہ صاحب مع اپنے مریدین اسٹیشن پر کھڑے ہیں اور ایک ریڑھی والے سے کچھ سودا خرید فرما رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے احباب کو اشارے سے خاموش رہنے اور چل کر گاڑی میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ تمام یارانِ طریقت مع حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ چپ چاپ بٹالہ کے لیے گاڑی میں سوار ہو گئے۔ میر صاحب بھی اسی گاڑی سے ہی جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ قریباً تیس مریدین اور حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ قریباً چالیس آدمی تھے جب بٹالہ پہنچے اور گاڑی سے اترے تو سب اکٹھے ہو گئے۔ دونوں حضرات ایک دوسرے کا بڑا ادب کرتے تھے۔ سبشن سے باہر نکل کر ایک مسجد میں حضرت میانصاحب قبلہ اور میر صاحب قبلہ دونوں مع اپنے ہمراہیوں کے ٹھہر گئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارے سے حاجی مستری کرم دین کو کچھ لانے کا حکم دیا۔

چنانچہ والد صاحب بتاتے ہیں کہ وہ بھی مستری صاحب کے ہمراہ گئے۔ بازار سے آٹا اور گھی خرید کر اس میں نمک وغیرہ ملا لیا اور نانائی سے روٹیاں لگوا کر لے آئے آپ نے اشارہ ہی سے فرمایا کہ میر صاحب کے آگے رکھ دو۔ دسترخوان جو کہ ہر سفر میں آپ کے پاس ہوتا تھا پچھا دیا گیا اور روٹیاں رکھ دی گئیں۔ دسترخوان کے ایک سرے پر حضرت صاحب قبلہ اور دوسرے پر میر صاحب قبلہ بیٹھ گئے۔ میر صاحب نے دو دو روٹیاں ہر ایک آدمی کے آگے رکھ دیں اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کر دیا گیا۔ کھانا شروع ہوتے ہی لوگوں پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی کسی پر رقت طاری ہے تو کوئی بیہوش ہو جا رہا ہے کسی کو وجد ہو رہا ہے تو کوئی تڑپ رہا ہے کوئی لقمہ اٹھا رہا ہے تو وہیں مست ہے کوئی بت کی طرح ساکت خاموش ہے تو کوئی ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے۔ غرضیکہ کیفیت



شہر در کا وہ علم تھا کہ ہر ایک پرستی و وارفتگی چھائی جا رہی تھی۔ قریباً آدھ گھنٹہ و جد آورد
کیف آگین منظر رہا اور زال بعد حضرت صاحب قبلہ نے سر اٹھایا اور دسترخوان لپیٹ
لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ دسترخوان اٹھایا گیا اور تانگوں پر سوار ہو کر مکان شریف روانہ ہو گئے
تمام راستہ ہمراہیوں پر بے خودی سی چھائی رہی ہر ایک کا قلب جاری تھا اور سب نصرتِ اسم
ذات میں محو تھے۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں مکان شریف پہنچ گئے۔

مکان شریف پہنچنے پر حضرت صاحب قبلہ اپنی بیٹھک جو آپ نے خود ہی قطب
الاقطاب خواجہ امام علی شاہ صاحب کے پائنتی میں بنوائی ہوئی تھی میں چلے گئے اور میر صاحب
اپنے مکان میں تشریف لے گئے دسترخوان میں لپٹی ہوئی روٹیوں کے متعلق آپ نے
فرمایا کہ وہ میر صاحب کی خدمت میں پہنچادی جائیں۔ جب میر صاحب کی خدمت
میں روٹیاں حاضر کی گئیں تو وہ بے ساختہ رو دیے اور اونچی آواز میں فرمانے لگے۔
”ارے جاؤ میاں صاحب سے یہ تو لو چھو کہ روٹیوں میں کیا ڈالا ہوا تھا۔ ارے وہ
تو نور تھا نور“ وہی سچی ہوئی روٹیاں میر صاحب نے اپنے ملنے والوں کو دیتے ہوئے
فرمایا ”لومیاں! یہ تو نور کی روٹیاں ہیں“ جس نے بھی ان روٹیوں کا ٹکڑہ کھایا۔
اس پر وہی کیفیت طاری ہو گئی۔

بیٹھک میں تھوڑے سے قیام کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھورے
شریف ”حاجی شاہ حسین صاحب قدس سترۃ العزیز کی حاضری کے لیے تشریف لے گئے
اور اپنے دست مبارک سے وہ ”اچھاڑ“ جو آپ شرفیور شریف سے بنوا کر لائے تھے
حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چڑھایا اس کے بعد آپ قطب الاقطاب خواجہ
امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ اقدس پر گئے اور حاضری دینے کے بعد دوسرا
”غلاف“ آپ کے مزار عالی پر چڑھا دیا۔



ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف میں "وٹوانی" کی غرض سے باہر دریائے راوی کے پُل کی طرف نکل گئے۔ آپ وٹوانی کر کے ابھی قاسم ہی ہوئے تھے کہ تھوڑے سے فاصلہ پر مرثا پیمانہ وحدت، پروانہ شمع رسالت عارف باللہ پیر سید جماعت علی شاہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے تھے۔ آپ کی نظر جب شاہ صاحب پر پڑی تو آپ بھی چند قدم کے فاصلہ پر کھڑے ہو گئے۔ پندرہ بیس منٹ خاموش کھڑے رہنے کے بعد دونوں صاحب کراتے اپنی اپنی سمت روانہ ہو گئے۔ حضرت صاحب قبلہ "جماعت علی شاہ ثانی" کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔

واپسی پر جب حضرت صاحب قبلہ "بھورا شریف" کے پاس سے گزرنے لگے تو ایک دم کھڑے ہو گئے۔ قریباً آدھ گھنٹہ کھڑے رہنے کے بعد چلے آئے اور راستہ میں فرمایا۔ "حاجی صاحب نے مجھے کھڑا کر لیا تھا اور فرماتے تھے داتا صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تمہارا بہت خیال ہے۔ آخر میرا بھی تم پر حق ہے۔ یہاں ٹھہرو!"

کلس کی مرمت

امام طریقت خواجہ ام علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کے روضہ مبارک کے گنبد کا کلس ایک زلزلہ میں ڈوب رہا ہو گیا تھا اور گھڑیاں گر گئی تھیں۔ حضرت صاحب قبلہ کو اس کی مرمت کا بڑا خیال تھا۔ آپ جب بھی وہاں جاتے، حسرت بھری نظروں سے کلس کی طرف دیکھتے ہوئے فرماتے "کسی طرح ممکن ہو تو یہ کلس بنانا چاہیے"۔ خواجہ صاحب کے روضہ شریف کی عمارت عالمگیری مسجد لاہور کے میناروں کی طرح بڑی اونچی ہے۔ کئی میل دُور سے ہی روضہ شریف نظر آتا ہے۔ سجادہ نشین صاحب نے بڑی کوشش

۱۵ وٹوانی پنجابی لفظ ہے جو پشاپ کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔



کی کہ کلس بنوادی جائے لیکن جو مہار آکر دیکھتے بہت مشکل کام پا کر تیاری سے منہ پھیر جاتے۔
 ایک دن میانصاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف اپنی بیٹھک کی چھت پر بیٹھے
 حسب عادت روضہ شریف کی طرف دیکھ رہے تھے کہ آپ نے فرمایا ” اچھا! آئندہ کلس بنے
 کے بعد ہی آئیں گے۔“

چنانچہ آپ شرقپور شریف واپس تشریف لائے تو کچھ دن بعد آپ نے سلطان احمد
 مہار سکنہ چوئیاں کو خط لکھا کہ ”تم جمعہ مکان شریف جاڑھو۔“ اور ایک چٹھی بابا عبداللہ گھڑی
 ساز کو فیروزپور چھاڈنی لکھی۔ ساتھ ہی بابا مستری کرم دین کو بھی دہاں بھیج دیا۔ نہ تو آپ نے
 سلطان احمد مہار اور بابا عبداللہ کو کام کے متعلق کچھ بتایا نہ ہی مستری کرم دین کو۔ جب یہ تینوں جمعہ
 کے روز مکان شریف اکٹھے ہوئے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کیسے آنا ہوا۔ مگر
 کسی کو کیا معلوم؟ ان کو تو صرف یہ حکم تھا کہ مکان شریف پہنچو اور بس! دو تین دن کے
 بقام کے بعد ان تینوں کاریگروں کو جو نہ صرف مستری ہونے کے لحاظ سے ہم پیشہ تھے بلکہ
 بلکہ اشتغال سلسلہ میں بھی ساتھی تھے خیال پیدا ہوا کہ روضہ شریف کے اوپر گنبد ہی کو دیکھیں اور
 تینوں دوست دو چار روز اوپر جا کر جہاں تک بیڑھیاں جاتی تھیں گنبد کے ارد گرد چکر لگاتے
 رہے۔ اچانک ایک دن گنبد پر تھوڑا چلاتے چلاتے ایک جگہ سے چونا گر پڑا اور نیچے سے
 ”گو“ کا سوراخ نکل آیا۔ انہوں نے مزید سوراخوں کے لیے کوشش شروع کر دی۔ آخر چاروں
 طرف مطلوبہ سوراخ پانے میں کامیاب ہو گئے۔

ان دنوں مکان شریف میں غالباً میر لطف اللہ صاحب کا چہلم تھا۔ دُور دُور سے لوگ
 اسمیں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اسی سلسلہ میں لاہور سے شیخ شہاب الدین صاحب
 لوہاری منڈی والے اور حافظ حسین بخش صاحب المشہور منٹ والے بھی آئے ہوئے تھے۔
 ان دونوں نے مستری کرم دین اور ان کے ساتھیوں سے پوچھا ”کیا تم لوگ گنبد کا کلس
 بنوانے آئے ہو۔“



انہوں نے جواب دیا ” ہمیں کوئی علم نہیں۔ لیکن اگر حضرت صاحب قبلہ نے ہمیں کلس بنانے کے لیے بھیجا ہے تو ہم انشاء اللہ العزیز بنا کر جائیں گے بصورت دیگر ہم مر کر یہاں ہی دفن ہوں گے۔“

یہ سن کر شیخ شہاب الدین اور حافظ حسین بخش صاحبان جو کلس بنانے کی پہلی کوششوں میں پیش پیش تھے کہنے لگے ” یہاں بڑے بڑے سمجھدار کاریگر، مستری اور انجینئر عاجز آ گئے ہیں۔ بھلا تم کیا کرو گے۔“ اور ساتھ ہی ایک چھٹی بڑے سخت الفاظ میں سرکار میا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تحریر کی جس میں لکھا تھا ” اتنے عقلمند اور سمجھدار ہوتے ہوئے آپ نے ایک جو تیاں بنانے والا، ایک گھڑیاں صحیح کمنے والا اور ایک کچی اینٹیں لگانے والے معمار کو خواجہ صاحب کے عظیم الشان روضہ کا کلس بنانے کے لیے بھیج دیا ہے؟ جہاں بڑے بڑے زیرک کاریگروں نے ہمت ہار دی ہو بھلا یہ کیا کریں گے۔“

میری سرکار نے ان دونوں کو جواب لکھا کہ میں نے چاروں اطراف نظر دوڑائی ہے ان سے بہتر کلس بنانے والا میری نظر میں کوئی نہیں آیا۔ اگر میرے اللہ کو منظور ہو تو انہی کے ہاتھوں بن جائے گا۔“

ساتھ ساتھ ہی آپ تری کرم دین اور ان کے ساتھیوں کو خط لکھتے رہے جن میں تحریر ہوتا ” کرم دین! مکان شریف نہ سمجھنا مدینہ شریف سمجھنا۔“ جب انکی ہمتیں لست ہونے لگیں تو آپ کی چھٹی ملتی جس میں یہ لکھا ہوتا۔ ” مکان شریف نہ سمجھنا مدینہ شریف سمجھنا۔“ اس نامہ مبارک کے ملتے ہی انکی طاقتیں پھر عود کر آئیں اور وہ تازہ دم ہو کر نئے دلوں اور شوق سے مصروف ہو جاتے۔

آخر ”گو“ کے مکمل سوراخ نکلنے کے بعد بابا کرم دین مستری (مرحوم) نثر قبور شریف واپس آئے اور حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں بعد از نماز مغرب حاضر ہوئے۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ ” کرم دینا! تیرا راہ دیکھ دیاں میریاں اکھیاں تھک گیاں سنا؟“



انہوں نے عرض کی ”حضور! گنبد کے گرد ”گو“ کے سوا رخ نکل آئے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے سر بسجود ہو کر شکر ادا کیا اور فرمایا۔ ”صبحِ رقم لے جاؤ اور سامان لے کر ”گو“ باندھو۔“

دوسری صبح مستری صاحب ام ترس سے بانس۔ رستے۔ تختے اور دوسرا ضروری سامان لے کر مکان شریف جا پہنچے۔ ”گو“ باندھنے کے بعد مستری صاحب پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ”سرکار! ”گو“ کلس کی سلاح یہ نہیں پہنچتی،“

آپ نے ارشاد فرمایا ”۔ ماریا ہو یا یہ کون سی مشکل بات ہے ایک لکڑی کا منبر بنا کر ”گو“ پر رکھ دو اور اس کی کمر سلاح کے ساتھ لگا دو۔“

چنانچہ انہوں نے جا کر ایسا ہی کیا اور ”گو“ پورے طور پر مکمل ہو گئی۔ مستری صاحب پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ اب جاؤ اور کلس کے لیے گھڑیاں تیار کرو۔ اس پر سونا بھی لگوانا۔“ چنانچہ مستری کرم دین صاحب ام ترس گئے اور گھڑیاں بنوالائے۔ ان پر ۳۲ تولا سونا بھی لگوایا گیا تھا۔ گھڑیوں کی تیاری پر حضرت صاحب قبلہ میاں فتح اللہ لائل پوری کی کار پر چند اجباب کے ہمراہ روانہ ہوئے اور ام ترس سے گھڑیاں لے کر مکان شریف جا پہنچے۔

جب کلس پر گھڑیاں لگانے لگے تو سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاجی دانیال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر جا بیٹھے۔ وہاں سے سیدھی نظر گنبد اقدس پر پڑتی ہے۔ آپ وہاں بیٹھے گھڑیاں لگنے کا منظور دیکھتے رہے گھڑیاں لگ جانے کے بعد آپ سے عرض کی گئی۔!

”حضور! کچھ تھوڑی سی لوہے کی سلاح اوپر کھڑی کی کھڑی رہ گئی ہے۔“ آپ نے فرمایا ”کوئی ہے جو اس کو کاٹ دے،“ فتح محمد حکیم مراد آبادی نے عرض کی ”سرکار! مجھے ارشاد ہوتا میں کاٹوں۔“ آپ نے رضامندی کا اظہار فرما دیا۔

حکیم فتح محمد حکیم پاتے ہی سلاح کاٹنے دوڑے۔ جب وہ سلاح کاٹ ہے تھے تو نیچے لوگوں کی ٹولیاں کپڑوں کی جھولیاں بنائے حکیم صاحب کے گمرنے کی نظر تھیں۔ معلوم ہوا تھا کہ گنبد پر سے حکیم فتح محمد بھی زمیں پر آ رہے گا۔ ادھر حضرت صاحب قبلہ حاجی دانیال



رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر سے ٹھکنکی باندھے سلاح کٹتی دیکھ رہے تھے۔ جتنا عرصہ فتح محمد کاٹنے میں مصروف رہا۔ آپ بغیر آنکھ جھپکائے اس کی طرف نظریں جمائے رہے۔ آخر کچھ وقت کے بعد اس نے سلاح کاٹ پھینکی۔ کلس مکمل ہو جانے پر بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ خاص طور پر حضرت صاحب قبلہ بڑے شادال تھے۔ سب لوگ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر حیران تھے کہ جہاں بڑے بڑے انجنیر سر بھوڑ کر رہ گئے تھے اور بڑے بڑے کاریگروں اور مترلوں نے ہمتیں ہار دیں وہاں حضرت صاحب قبلہ کے روحانی تصرف اور نظر عنایت سے یہ مشکل کام سرانجام پا گیا ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ مکان شریف جانے کی غرض سے لاہور پہنچے۔ اسٹیشن کی ڈیوڑھی پر ایک آدمی محمد امین جو آپ کے پاس آنے جانے والا تھا ملا۔ اُس نے آپ سے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں حضور نے ارشاد فرمایا ” مکان شریف“ اس نے عرض کی ” سرکار امیر سر جانے والی ٹرین تو روانہ ہو چکی ہے“ آپ نے فرمایا ” گاڑیاں لمبیٹ بھی تو ہو جاتی ہیں وہ کہنے لگا، سرکار! میرے سامنے ابھی روانہ ہوئی ہے۔ اپنے قدمے اپنی آواز سے فرمایا ” جا کے دیکھو تو سہی“ جب وہ پلیٹ فارم پر دیکھنے پہنچا تو گاڑی لمبیٹ فارم پر واپس آئی نظر آئی وہ حیران و تشدد رہ گیا۔ گاڑی سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی کی لائن کلیمز لینا میں ہو گیا تھا۔

عقیدت مندوں پر شفقت

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی سفر پر تشریف لے جاتے۔ عموماً رات کے آخری حصہ میں اپنا سفر شروع فرماتے۔ اکثر فجر کی نماز حجتہ الکاملین حضرت داتا صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں ادا کی جاتی۔ پچیس پچیس تیس تیس عقیدت مند ہمراہ ہوتے اور تمام احباب خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ سفر کرتے۔ سبھی سر جھکائے ذکر میں محو، طبیعتوں میں سکون لیے ہوتے۔ راستہ میں بعض احباب پر وجد طاری ہو ہو جاتا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ مع اپنے احباب کے مکان شریف جا رہے تھے



شرق پور شریف سے لاہور تک ٹانگوں میں سفر ہوا۔ لاہور سے امرتسر تک ریل کی سواری ہوئی اور وہاں سے پھر ٹانگوں پر اجناہ ہوتے ہوئے رمداس پہنچے۔ وہاں رمداس میں غلام یسین نامی ایک ساتھی نے بازار سے ایک خرلوزہ خریدا۔ وہ ابھی خرلوزہ ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ہی تھا کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر پڑ گئی۔ آپ نے مستری کرم دین صاحب سے نہایت غصے سے فرمایا۔

”کرم دین! اندھے ہو۔ میں مر نہ جاؤں کہ احباب میرے ساتھ آئیں اور خرچ اپنا کریں۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ مستری صاحب بازار پہنچے اور ایک من خرلوزے خرید لائے۔ آپ نے پوچھا ”کتنے لائے ہو؟“ اور یہ معلوم ہونے پر کہ ایک من لائے ہیں فرمانے لگے تم بڑے (وہ) ہو۔ ارے ساری ڈھیر ہی لے آؤ۔“ پس وہ گئے اور ڈھیر ڈھیر ہی خرید لائے۔ دسترخوان بچھا دیا گیا۔ خرلوزوں کی قماشیں بنائی جانے لگیں۔ عجیب منظر تھا کہ م نوازی زوروں پر تھی دریائے رحمت شفقت جوش پر تھا۔ قبلہ شرق پور سی رحمۃ اللہ علیہ خرلوزوں کی ”پھاڑیاں“ بنا رہے تھے۔ پھسکی پھسکی حضور کے سامنے تھیں اور میٹھی میٹھی سب میں بانٹی جا رہی تھیں اور بشاشت آپ کے چہرے سے چھوٹ چھوٹ کر نکل رہی تھی۔ آپ خوش ہو ہو کر کھلا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔

خوب کھاؤ۔ خوب کھاؤ اور خوب اللہ کا ذکر کرو۔“

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو شرق پور کی خواجہ برادری سے خاص لگاؤ تھا آپ نوجوانوں پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ مکان شریف جاتے وقت یہاں کے کافی احباب آپ کے ہمراہ ہوتے اور آپ کی ہمراہی میں ذکر و فکر میں خوب محویت ہوتی۔ جب مکان شریف پہنچتے تو خواجہ ام علی شاہ صاحب کے پانٹی میں حضرت صاحب قبلہ کی بیٹیک میں قیام ہوتا آپ ہمراہیوں کو فرماتے ”بھئی! کچھ کر لو۔ احباب شرمسار ہوتے تو آپ دلجوئی کے لہجہ میں فرماتے ”دیں بھی ساتھی ہوں۔ میں بھی ساتھ دوں گا اور مستری کرم دین صاحب والد صاحب وغیرہ

۱۰ : قماشیں



کو فرماتے " بازار سے کچھ گوشت وغیرہ لے آؤ۔ اور انکو بنا دینا۔ کچھ دودھ وغیرہ بھی لیتے آنا گرم کر رکھنا۔ جب ہم ختم شریف سے واپس آئیں گے تو ان نوجوانوں کو پلانا۔ کیونکہ انہیں گھروں میں عادت ہے۔ ان کی مائیں لات کھاٹھا کر انہیں دودھ پلاتی ہیں۔ " چنانچہ گوشت لایا جاتا اور جب پک کر دسترخوان پر آتا تو آپ دلوئی کی خاطر ایک آدھ بوٹی لے لیتے۔

راقم الحروف کے والد حاجی فضل الہی صاحب اوائل عمر میں کاروبار کی وجہ سے لاہور مقیم تھے کبھی کبھی آٹھ دس دن کے بعد رشتہ داروں کو ملنے اور سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا کرتے۔ حضرت صاحب قبلہ والد صاحب سے بڑی شفقت اور مہربانی فرمایا کرتے اکثر ایسا ہوتا لوگ لاہور میں آپ کی تشریف آوری کے متعلق پوچھتے تو حضور فرماتے کہ فضل الہی سے پوچھ لیں۔" یہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف تھا کہ والد صاحب آپ کی آمد سے غائبانہ باخبر ہو جاتے۔ جب بھی آپ نے لاہور آنا ہوتا۔ والد صاحب کی طبیعت میں بتقراری بڑھ جاتی۔ کسی کل میں نہ آتا وہ سمجھ جاتے کہ آج حضرت صاحب نے آنا ہے یا کوئی غیر معمولی بات ظہور پذیر ہوگی۔

ایک دفعہ والد صاحب لاہور سے شرف پور شریف آئے اور حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا "ظہر کی نماز کے بعد جانا ہے" ظہر کی نماز کے فوراً بعد والد صاحب اپنی ہمیشہ کے گھر صرف یہ بتانے گئے کہ وہ جا رہے ہیں اور واپسی پر حضرت صاحب قبلہ کو موجود نہ پایا۔ آپ روانہ ہو چکے تھے (جیال رہے کہ حضرت صاحب قبلہ نیک کاموں کی انجام دہی میں ذرہ بھر بھی توقف نہیں کیا کرتے تھے۔) حضرت صاحب قبلہ کی روانگی کی خبر پا کر والد صاحب بڑے پریشان ہوئے۔ ان دنوں موٹریں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ ذریعہ مواصلات صرف ٹم ٹم ہی تھا۔ والد صاحب نے سالم ٹم ٹم کرایہ پر لی اور عالم اضطراب میں حضرت صاحب کے پیچھے چل دیے لاہور پہنچ کر بڑی جستجو اور تلاش کے بعد والد صاحب نے سیدھے کی ایک مسجد میں حضرت صاحب کو جا ڈھونڈا۔ مسجد کی چھت

پر آپ دظائف میں مشغول تھے والد صاحب بھی وہاں جا بیٹھے۔ کھانا وہیں کھایا گیا اور عشا کی نماز سے فراغت کے بعد آپ مسجد کی چھت سے نیچے اترے اور چل دیے۔ مستری کرم دین صاحب مرحوم اور مولوی غلام قادر صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔ مولوی غلام قادر صاحب شرقپور شریف میں مدرس تھے مولوی صاحب مولانا غلام قادر صاحب بھیروی خطیب بگم شاہی مسجد لاہور کے شاگرد تھے۔ کوٹ بھوانی داس ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے بڑی محبت تھی اور جس سے آپ کمال محبت فرمایا کرتے اسے اپنے ہمراہ مکان شریف لے جاتے۔

والد صاحب کو ان دونوں حضرات کی زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ مکان شریف جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لاہوری دروازہ (لوہاری گیٹ) کے باہر میان صاحب قبضہ نانگہ میں سوار ہو گئے اور وہ دونوں ساتھی بھی۔ والد صاحب آگے بڑھ کر سوار ہونے لگے تو آپ نے مسکرا کر فرمایا: "نہیں بھئی! اب نہیں"۔ دوبارہ پھر والد صاحب نے ارادہ کیا لیکن آپ نے پھر منع فرما دیا اور حضور چل دیے۔ والد صاحب بصد حسرت ویاس اشکبار آنکھوں سے آنسو کو جانا دیکھ رہے تھے۔ دل بیوں اچھلا۔ آرزوئیں چلیں۔ آرمان تڑپے اور آشاؤں نے دم توڑ دیا۔ کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ حضور تو جا چکے تھے۔

یہ واقعہ غالباً ۱۹۱۳ء کا ہے۔ والد صاحب کی عمر سولہ سترہ برس کی تھی۔ جوانی کا عالم محبت کا غلبہ۔ ذوق و شوق کے سوتے پھوٹتے تھے۔ محبوب کا آنکھوں کے سامنے یوں چلے جانا دل مضطر کے بیتے مازیا نہ تھا بے کلی بڑھ گئی۔ سکون جانا رہا۔ بند اڑ گئی ساری رات بے چین ہے۔ سحری کے وقت امرتسر کو گاڑی جاتی تھی۔ اس پر سوار ہو کر امرتسر جا پہنچے اور آپ کی تلاش شروع کر دی یہ تو معلوم نہ تھا کہ آپ امرتسر ٹھہریں گے بھی کہ نہیں۔ اگر ٹھہریں گے بھی تو کہاں۔ تاہم جہاں بھی آپ کا قیام ممکن تھا ڈھونڈا۔ لیکن آپ نہ مل سکے۔ بھر کی گھڑیاں بڑی کٹھن ہوتی ہیں آپ کی غیر موجودگی میں پل بھر بھی وہاں نہ ٹھہر سکے۔ اس سے پہلے کبھی بھی والد صاحب



مکان شریف حاضر نہیں ہوتے تھے۔ صرف حضرت صاحب قبوہ دیگر اجاب کی مکان شریف
سے متعلق باتیں کثرت سے سُنی ہوئی تھیں۔ ام ترس میں پوچھ گچھ سے معلوم ہوا کہ پہلے ٹم ٹم پراجا
پھر مداس اور وہاں سے پیل مکان شریف جانا پڑتا ہے۔

چنانچہ والد صاحب اجالہ پنچے اور وہاں مداس کے لیے ٹم ٹم کا انتظار کرنے لگے۔ انتظار
کرتے کرتے شام ہو گئی۔ کوئی ٹم نہ مل سکی۔ آخر انہیں اجالہ میں ہی رات بسر کرنے پر مجبور
ہونا پڑا۔ قصبہ کے باہر ایک مسجد تھی والد صاحب وہیں چلے گئے۔ مسجد آبادی سے ذرا ہٹ کر
تھی اور نماز کی جماعت کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں تھا۔ کسی نماز کے وقت امام صاحب
آجاتے تھے اور کسی نماز کا وقت ایسے ہی گزر جاتا۔ مسجد کے ارد گرد رونق نہ ہونے کی وجہ سے
رات کو سوائے والد صاحب کے مسجد میں کوئی نہ تھا انہوں نے صحن کا دروازہ اندر سے بند کر لیا
اور سو رہے۔

آدھی رات گزری تھی کہ انہیں ہانے کی حاجت محسوس ہوئی۔ بیدار ہونے پر والد
صاحب غسل کی نیت سے کنزیں پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی غسلخانہ میں پانی ڈال رہا ہے
والد صاحب کو دیکھ کر اُس آدمی نے کہا کہ تم نہاؤ پانی ڈال دیا ہے۔ والد صاحب نے
بغیر کچھ کہے سنے نہانا شروع کر دیا۔ نہا چکنے کے بعد غسلخانہ سے باہر نکلے تو وہاں کوئی آدمی نہ تھا
والد صاحب بڑے حیران ہوئے اور دوڑ کر دروازہ دیکھا تو بدستور اندر سے بند تھا۔
کچھ سمجھ میں نہ آ سکا۔ تھوڑی دیر کے بعد مسجد میں تہجد اور نماز کے لیے آدمی آنا شروع ہو گئے
دروازہ کھول دیا گیا۔ امام صاحب آگئے تھے۔ انہوں نے جماعت کروائی اور ادائیگی نماز کے
بعد والد صاحب مسجد کے اندر چلے گئے۔ ان کے اندر چلے جانے کے بعد مسجد کے دوسرے لوگ
بھی ان کے پیچھے اندر آگئے۔ تھوڑی دیر بعد والد صاحب اٹھ کر ٹم ٹم کے ادوہ کی طرف
چل دیے اور وہ لوگ بھی پیچھے پیچھے چلے آئے۔ لوگ آپس میں باتیں کرتے تھے کہ یہ شخص جس طرف
جاتا ہے اسی طرف سے خوشبو آتی ہے اکثر لوگ قیام و طعام کے لیے کہتے رہے لیکن انہیں



تو کچھ اور ہی دُھن تھی۔

والد صاحب ٹم ٹم پر سوار ہو کر مداس چل دیے اور جب مداس پہنچے تو گیارہ بج چکے تھے اور موسم سخت گرم تھا۔ آتش، بجزد فراق نے ذرہ بھر بھی ستانے نہ دیا۔ وہاں سے سیدھے ہی مکان شریف روانہ ہو گئے۔

قطب الاقطاب خواجہ ام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ اقدس اتنا بلند ہے کہ مداس سے ہی نظر آجاتا ہے۔ والد صاحب نے اصل راستہ چھوڑ کر روضہ شریف کی سیدھ میں چلنا شروع کر دیا۔ جوتی ہاتھ میں تھی اور وارفتگی میں گندم کٹے کھیتوں کے بیچوں بیچ چلے جا رہے تھے۔ دوپہر کا وقت، گرمی کا موسم ننگے پاؤں، تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ لیکن تھی جو لیے جا رہی تھی تھی۔ مدہوشی تھی جو کچھ معلوم نہ ہونے دیتی تھی۔ پاؤں ٹھلس گئے اور گندم کے ”مڈھ“ چھننے کی وجہ سے خون رسنے لگا۔ لیکن کھینچنے والا کھینچتا گیا اور چلنے والا چلتا گیا۔

آخر مکان شریف آ گیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت صاحب قبلہ میر صاحب کی حویلی میں قیام فرما ہیں۔ والد صاحب وہاں پہنچے تو مولوی غلام قادر صاحب کھانا کھا کر کلی کر رہے تھے۔ مولوی صاحب نے ہنس کر حضرت صاحب قبلہ سے کہا ”سرکار فضل الہی آگیا ہے۔“ آپ نے بھی مسکراہٹ فرمائی اور حویلی سے اٹھ کر مسجد میں چلے آئے۔

حضرت صاحب قبلہ نے مسجد میں آ کر رومال کھولتے ہوئے فرمایا ”لو فضل الہی! یہ مصری لو اور حجرہ میں سے ایک پیالہ لے کر پانی میں گھول کر پی لو۔ میں نے شرفیور شریف سے ہی چلتے وقت یہ مصری تمہارے لیے لے لی تھی“ والد صاحب نے مصری گھول کر شربت پی لیا تو آپ نے فرمایا ”حویلی میں جاؤ۔ وہاں الماری میں تمہارے لیے ایک پیالہ میں پانی رکھا ہوا ہے۔ میں نے سوچا تھا فضل الہی آ کر کھالے گا“ والد صاحب کھانا کھانے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”حضور! مجھ سے شریف جانا ہے۔“



اجازت دیجئے۔ آپ نے کچھ دیر توقف کے لیے فرمایا اور بعد نمازِ ظہر بلا کر بھورے شریف بھیج دیا۔ والد صاحب کا کہنا ہے کہ وہاں حاجی شاہ حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں وہ فیض حاصل ہوا اور ایسا لطف و سرور آیا کہ زندگی بھر ایسی نیک گھڑی کی آمد کی آرزو رہی جب وہاں سے اٹھنے لگے تو ایسا معلوم ہوا کہ کوئی بٹھا رہا ہے پھر بٹھ جاتے۔

مکان شریف دورات کے قیام کے بعد سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ میرا ربک اللہ صاحب سجادہ نشین مکان شریف نے ایک عربی نسل گھوڑی آپ کے لیے اور ایک گھوڑا مولوی غلام قادر صاحب کی سواری کے لیے دیا۔ تاکہ آپ رمداس پہنچ سکیں۔ چنانچہ گھوڑے پر مولوی غلام قادر صاحب اور مستری کرم دین صاحب سوار ہوئے اور گھوڑی پر حضرت صاحب بلہ نے اپنے پیچھے والد صاحب کو سوار کر لیا۔ میرا صاحب نے ایک آدمی گھوڑیاں واپس لانے کے لیے بھی آپ کے ہمراہ کیا جو کہ نیا نیا ہی ان کے پاس آیا تھا۔

سحری کے وقت آپ رمداس کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ساتھ والے آدمی سے جو گھوڑیاں واپس لانے کے لیے جا رہا تھا فرمایا ”کیوں بھئی! کیا اسی راستہ پر ہی چلنا ہے“

یہ سن کر اس آدمی نے کہا ”جناب! لوگ تو کہتے ہیں کہ میان صاحب ولی اللہ ہیں اور آپ کو راستہ بھی نہیں معلوم۔“ آپ فرمانے لگے ”لوگ ایسے ہی کہتے ہیں میں تو ابھی بندہ بھی نہیں بن سکا۔ ولی اللہ تو دُور کی بات ہے۔“

ادھر آپ نے یوں فرمایا اور ادھر والد صاحب کو انہیں پکڑ رکھنے اور مضبوطی سے سنبھل کر بیٹھے کو کہا اور گھوڑی کو اڑا لگا دی۔ بس پھر کیا تھا۔ عربی نسل گھوڑی فرار ہوئی ہوئی ہو اسے باتیں کرنے لگی۔ وہ زور زور سے چیخا رہ گیا کہ ٹھہر جاؤ۔ ٹھہر جاؤ۔ راستہ بھول جاؤ گے لیکن جلد ہی آپ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور رمداس پہنچ کر ہی اُس کے۔



جب آپ رمداس پہنچے تو سامنے ہی مسجد میں نماز فجر کی جماعت ہو رہی تھی۔ والد صاحب
 اتر کر گھوڑی کو پکڑنے لگے تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے جھڑک کر فرمایا ”جاؤ جا کر
 نماز پڑھو۔ تم اپنا کام کرو۔ میں اپنا کام کرتا ہوں۔“

ان کے بعد حضرت صاحب بھی گھوڑی باندھ کر جماعت سے اُٹے۔ اسی اثنا میں
 پیچھے ہٹے ہوئے ساتھ ہی پہنچ گئے بعد ازاں ایسی نماز تا ننگہ کھڑا تھا جسے حضرت صاحب قبلہ
 پہلے ہی گھوڑی باندھتے وقت کہہ آئے تھے۔ اس پر سوار ہو کر امرتسر روانہ ہو گئے۔

رمداس سے ابھی کچھ میل ہی چلے تھے کہ والد صاحب کو قے ہوئی اور مہینے کی شکایت
 ہو گئی۔ مولوی غلام قادر صاحب نے آپ سے عرض کی ”حضور دیکھیے، فضل الہی کو کیا ہو گیا ہے
 والد صاحب ٹم ٹم کے ”ہوئے“ میں بیٹھے تھے اور ان پر نیم غشی کی حالت طاری تھی یہ دیکھ کر
 حضرت صاحب قبلہ کا چہرہ زرد ہو گیا۔ آپ نے ٹم ٹم کو ذرا تیز چلانے کے لیے کہا۔ اجناہ
 نزدیک ہی تھا۔ تھوڑے وقت میں وہاں پہنچ گئے۔ ٹم ٹم ٹھہرتے ہی آپ جلدی سے
 اتر کر ایک طرف روانہ ہو گئے اور چند منٹوں کے بعد ہی جھولی میں آلوچے اور ہاتھ میں
 سکنجبین کا گلاس تھا مے نظر آئے۔ آپ نے والد صاحب کو سکنجبین ملائی اور فرمایا۔
 ”نمک لگا کر آلوچے چوستے چلو۔ انشاء اللہ امرتسر پہنچ کر علاج معالجہ کریں گے۔“

امرتسر پہنچ کر ہال بازار میں مسجد مولوی خیر دین چلے آئے اور وہاں مسجد کے خطیب
 مولوی ام دین صاحب جو حضرت صاحب کے عقیدت مندوں میں سے تھے کے بارے
 میں پوچھا۔ لیکن پتا چلا کہ وہ تو گھریں ہیں اور نماز کے وقت ہی آئیں گے۔ آپ نے وہیں
 ٹھہرنے کے لیے فرمایا اور کہا ”کچھ دیر انتظار کر لو شاید مولوی ام دین آ ہی جائیں۔“
 ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مولوی صاحب آ گئے اور حضرت صاحب کو دیکھ کر
 بڑے خوش ہوئے اور کہا ”اسی لیے ہی میں آج اس وقت آ گیا ہوں ورنہ میں تو نماز کے
 وقت ہی آتا ہوں۔“

مولوی ام دین صاحب نے کمرہ کھول دیا اور والد صاحب کو وہاں ٹاڈا گیا۔
 حضرت صاحب قبلہ نے سب سے پہلے حوائج ضروریہ سے فراغت کی جگہ کا انتظام کروایا۔
 اور پھر نہایت احتیاط سے علاج کروایا۔ دوپہر وہاں آرام کیا گیا اور جب والد صاحب
 کو کچھ آفاقہ ہوا تو چار بجے والی گاڑی پر سوار ہونے کے لیے اسٹیشن روانہ ہو گئے۔ والد
 صاحب نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیگ اٹھا لیا تو سرکار میاں صاحب نے
 والد صاحب پر چھتری سے سایہ کر دیا۔ والد صاحب نے ایک دو بار عرض کی "حضرت! چھتری
 مجھے تھما دیجئے لیکن آپ نے نہ دی۔ تیسری بار پھر عرض کیا تو آپ نے نہایت جوش سے فرمایا: "تم
 میرے ہمراہ آئے ہو۔ تمہاری خدمت میرا فرض ہے۔ قیامت کے روز مولائے ذوالجلال
 مجھ سے پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گا۔" دوسرے لوگوں نے بھی چھتری کپڑے لینے
 کے لیے عرض کی لیکن آپ نے ہر بار انکار کر دیا اور سارا راستہ خود ہی سایہ کیے چلے آئے۔
 اس جگہ تو چند ایک واقعات ہی ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں لیکن سرکار شہر قنوی
 رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات میں بیسیوں جگہ ایسے واقعات آپ کو نظر آئیں گے جن
 سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچے گی کہ حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس طریقے
 سے اپنے متعلقین اور مریدین کے حقوق کی نگہداشت کی ہے اس کی مثال کہیں شاذ و نادر
 ہی مل سکے گی۔ اپنے مریدین اور ساتھیوں پر باپ سے بڑھ کر شفقت فرماتے اور جس طرح
 اپنے بچے کے دکھ درد پر شفیق مال کا دل مضطرب اور متبہار ہوا اٹھتا ہے اس سے کہیں
 بڑھ کر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے احباب کے دکھ درد اور تکلیف کو
 محسوس کرتے۔

مکان شریف سے والہانہ محبت

مکان شریف سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ جب وہاں جانے کا پروگرام ہوتا



تو آپ پر عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ آپ کے ہمراہ جانے والے اجاب بھی بڑے ذوق و شوق سے جانے کی تیاری کرتے۔ ایک دفعہ مکان شریف جانے کا پروگرام مرتب ہو چکا تھا کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو تجیرِ معدہ کی شکایت ہو گئی۔ سرکارِ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مدت سے تجیرِ معدہ کی شکایت تھی آپ اس بیماری کی وجہ سے بیہوش بھی ہو جایا کرتے تھے اس دفعہ بھی آپ تجیرِ معدہ کی وجہ سے دو دن سے بیہوش تھے اجاب بڑے فکر مند ہوئے کہ اب کیا ہوگا۔

روانگی کے دن ساتھ جانے والے تمام اجاب سحری کے وقت آپ کی بیٹھک میں جمع تھے کہ حضرت صاحب قبلہ بیہوش میں آگئے اور چار پانی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مکان شریف چلنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔

آپ کی والدہ ماجدہ کو جب آپ کے سفر پر جانے کا علم ہوا تو فرمایا: ”بیٹا ایسی تکلیف میں مکان شریف جانے کا ارادہ ملتوی کر دیں تو بہتر ہے کہیں راستہ میں تکلیف زیادہ نہ ہو جائے۔“ آپ نے کہا ”اماں جی! اگر مکان شریف کے راستہ میں میرا انتقال ہو جائے تو اس سے بہتر سعادت اور کیا ہو سکتی ہے۔“

سُبْحَانَ اللَّهِ! آپ کو مکان شریف سے کیسی دلہانہ محبت اور شیفگی تھی۔





کیمیا پیدکن از مشیت گل

بوسه زن بر آستانِ کاملے

مولانا جلال الدین رومی





گنج بخش فیض علم منظر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملان را رہنما

نور بیچون تقدس در میان مار و طین
حق پرستان را کشود دیدہ حق البقین
خازن گنجینه بر اسرار را باشد امین
سایہ الطاف ایزد رحمت للعالمین

گنج بخش فیض علم منظر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملان را رہنما

شاه جبلاں غوث اعظم بشیخ ارض و سما
گفت در حرم مریداں از کرامت بارہ
ہم زمانہ گریہی بودم علی ہجویر را
تازہ بیعت کردم ہر دست آں ہضیا لقا

گنج بخش فیض علم منظر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملان را رہنما



حضرت مخدوم علی ہجویری (داتا گنج بخشؒ) سے تعلق

حضرت میاں صاحب شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دو ہستیوں سے خاص نسبت ہے۔ ایک سراج الاولیاء، اہم الاتقیاء، شہنشاہ بغداد حضرت میراں محی الدین سید عبدالقادر جیلانی الحسنى والحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور دوسرے زبدۃ العارفین حجۃ الکاملین — سند الموحدین مظہر العلوم الحنفی والجلبی المخدوم حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے۔ آپ نے فرمایا اوائل عمر میں اکثر لوگ مجھے کتابیں دیتے تھے۔ میں نہیں لیتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اگر میں لائق ہوا تو کتابیں خود بخود آجائیں گی اور اگر نالائق ہوا تو میں نے کتابیں کیا کرنی ہیں۔

کچھ عرصہ بعد اپنے مکان میں کچھ تلاش کر رہا تھا کہ ایک الماری میں دو کتابیں پڑھی ہوئی تھیں۔ ایک ”غنیۃ الطالبین“ اور دوسری ”کشف المحجوب“، انہیں کھول کر سامنے رکھتا تھا تو ان میں سے سفید رنگ کا دھواں سانکلتا تھا اور میرے دل میں سرایت کر جاتا چونکہ ان دونوں ہستیوں کی نسبت مجھ پر غالب تھی یہ ان کا فیض تھا جو مجھے تیسرتھا۔

لہٰذا یہ کتابیں مستعملی تھیں اور تقریباً سو سال پیشتر کی لکھی ہوئی تھیں۔



اگر کوئی آدمی دونوں کتابوں میں سے کوئی ایک بھی بانگتا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ

میرادل اور میری انتظایاں نکلی جا رہی ہیں۔“

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جب کبھی لاہور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ضامری مے لیے جاتے تو مسجد کی محراب میں داتا صاحب کی طرف منہ کر کے بیٹھتے۔ وہاں سے سیدھی داتا صاحب قبلہ کے لوح مزار پر نگاہ پڑتی تھی۔ والد صاحب کو بھی اپنے فرمایا کہ وہاں جا کر بیٹھا کرو۔

ایک دن سرکار تشریف لے گئے اور وہیں محراب میں جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور روضہ پر تیسرے درہ میں جا کر کھڑے ہو گئے والد صاحب بھی ہمراہ تھے۔ بتاتے ہیں کہ اندر سے آواز آرہی تھی ”آپ کی جوتی کی اڑی کے ساتھ تھوڑی سی چیز لگی ہوئی ہے اسے اتار دو“ ابھی یہ آواز آرہی تھی کہ میاں محمد حیات مرحوم مجاور ہار لے کر دوڑے آئے۔ جب آپ کے گلے میں ہار ڈالنے لگے تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا ”کیا میری پگڑی اتارنے آئے ہو“ اتنا کہہ کر آپ نے اپنی پگڑی زمین پر پٹخ دی اور باہر آ کر سر پر صافہ لپیٹ نیچے پاؤں واپس چلے آئے۔ والد صاحب کا کہنا ہے کہ کچھ دنوں بعد انہوں نے حضرت صاحب قبلہ سے پوچھا کہ داتا صاحب کے ہاں کیا بات تھی۔ آپ فرمانے لگے ”ارے! تم کہاں تھے۔“ اور ساتھ ہی فرمایا ”کیا روضہ شریف کے اندر کوئی مزار ہے؟ اندر تو ایک تخت بچھا ہے اور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر جلوہ فگن ہیں۔“ جوتی کی چیز کے متعلق فرمایا کہ ”داتا صاحب فرماتے تھے ”سید محمد کو ذرا پرے کر دو“ سید محمد شاہ سے حضرت صاحب قبلہ کو بڑی محبت تھی لیکن عشق حقیقی میں اتنی سی بات بھی گوارا نہ کی جاسکی۔

شری پور شریف کی شیخ برادری میں

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ : میاں محمد نامی ایک شخص تھا۔ بہت



غریب اور نادار بیچارے کی نہایت کس میرسی کے عالم میں بسر ہو رہی تھی۔ ایک دن غربت اور بیکاری سے تنگ آکر شرفیو شریف سے ہجرت کر کے لاہور چلا آیا اور ایک چھاپہ خانہ میں دس روپے ماہانہ پر ملازم ہو گیا۔ تنگ دستی اور ناداری کی وجہ سے اسے کوئی رشتہ بھی نہیں دیتا تھا۔ ایک دن نہایت افسردہ دلی سے حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "حضور! دس روپیہ مہینہ میں گزارہ نہیں ہوتا۔ کیا کر لوں۔"

آپ نے فرمایا "نوکری چھوڑ کر دوکان کر لو۔"

کہنے لگا۔ "سرکار! دوکان کس سے کر دوں۔ سرمایہ تو پہلے ہی نہیں ہے۔"

حضرت صاحب قبلہ نے اپنے پاس سے پانچ روپے دیے اور فرمایا "اللہ مالک ہے۔"

اس نے اشارہ کے مطابق اندرون بھائی دروازہ دکان کر لی۔ حضور کی توجہ سے وہ کام چلا کہ وارے نیارے ہو گئے وہ ایسا پارسا اور نیک ہو گیا کہ بھائی دروازہ کے تمام لوگ اس کے پاس آتے رکھتے تھے اور اسکی شادی بھی ہو گئی۔ بھائی دروازہ کے اندر ہی اس نے دو دکانیں جمع بیٹھک خریدیں اور حضرت صاحب قبلہ سے استدعا کی کہ سب سے پہلے حضور شریف لائیں تاکہ باعث نزول برکت ہو۔ چنانچہ آپ شریف لے گئے اور اس کے بعد بھی جب لاہور شریف لیجاتے تو کبھی کبھی میاں محمد مرحوم کی اس بیٹھک پر بھی قیام فرماتے۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ لاہور شریف لائے ہوئے تھے اور مذکورہ بالا جگہ پر ہی فروکش تھے۔ سردی کا موسم تھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ دوستوں نے عرض کی "سرکار! داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دربار چلیں۔" چنانچہ سب دوستوں کے ہمراہ قبلہ داتا دیار روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے جب چوک، جہاں سے داتا صاحب روڈ شروع ہوتی ہے اور جہاں ان دنوں پتھروں کی ایک دکان ہوا کرتی تھی تک پہنچے تو آپ رک گئے۔ دربار داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ایک آدمی آیا۔ آپ بڑی تعظیم و تکریم سے ملے اور بڑھ کر مصافحہ کیا۔ آنے والے شخص کے سر پر گول پگڑی تھی اور وہ کھیل ادڑے

تھے۔ ان کی داڑھی سفید تھی اور چہرہ منور۔ قریباً بیس منٹ حضرت صاحب قبلہ اور وہ
 آنے والے حضرت ایک دوسرے کے مقابل خاموش کھڑے رہے اس کے بعد انہوں نے
 ایک دوسرے سے مصافحہ کیا اور حضرت صاحب قبلہ واپس چلے آئے اور وہ دربار دانا
 صاحب کی طرف رواں ہوئے۔ بھائی دروازہ میاں محمد مرحوم کی بٹھیک پر پہنچے تو تمام دوست
 بڑے سٹ پٹائے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے ”جانا تو دانا صاحب تھا اور
 گئے بھی۔ لیکن راستہ سے ہی واپس آگئے۔ آخر بات کیا ہوئی۔ سرکار سے پوچھنا چاہیے۔
 والد صاحب بتاتے ہیں کہ سب دوستوں کے مجبور کرنے پر انہوں نے حضرت
 صاحب قبلہ سے عرض کی ”حضور! دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری سے پہلے ہی آگئے
 ہیں“ سرکار مسکرائے اور فرمایا! دانا صاحب کبھی ملنا تھا نا۔ وہ جو چوک میں گول
 پکڑی اور نورانی چہرے والے ملے تھے وہ دانا صاحب ہی تو تھے۔“

والد صاحب لاہور کا روبرو کرتے تھے اور کبھی کبھی شریکو شریف حضرت صاحب
 کی حاضری کے لیے آتے۔ ایک دن حضور کی قدمبوسی کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے
 فرمایا۔ ”فضل الہی! دانا صاحب جایا کرو۔“

حالانکہ وہ ہر روز دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ”نری“ کے لیے جایا کرتے تھے۔
 والد صاحب کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ ”سرکار! ذرا واقفیت کرا دیں“
 بہ سن کر آپ مسکرائے۔ جب وہ واپس لاہور پہنچے اور دانا صاحب گئے تو
 ان کا کہنا ہے ”ابھی دروازہ میں ہی تھا کہ کسی نے کندھوں سے پکڑ، منہ پھیرا اپنی طرف
 متوجہ کر لیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ درو دیوار کے تمام پردے درمیان سے اٹھ گئے
 ہیں۔ بہت دیر تک وہیں کھڑے رہے عجیب کیفیت پیدا ہوئی اور وہیں باہر سے ہی
 واپس ہو لیے۔“

یہ تھا حضرت صاحب قبلہ کا تصرف اور نتیجہ واقفیت کرانے کا کہ منزل نے



خود ہی راہرو کو کھینچ لیا اور مقصود نے خود ہی طالب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

دلیل معرفت

ایک دفعہ حضرت صاحبِ قلبہ دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص دانا صاحب کی طرف منہ کیے مراقبہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ ان کا نام منشی غلام غوث تھا وہ قادری سلسلہ میں کسی صاحب سے بیعت تھے اور یہی دروازہ لاہور میں رہتے تھے۔ لوگ دُردراز سے بچوں کے لیے پانی اور تعویذ لینے ان کے ہاں آتے تھے۔ وہ دو گھڑے پانی دم کر کے اور ایک گھڑے میں تعویذ پہلے ہی لکھ کر رکھتے تھے۔ جب کوئی بچہ لے کر آتا۔ گھڑے میں سے پانی بھی دیتے اور تعویذ بھی۔ تعویذ لینے والوں کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ فرداً فرداً لکھ کر دینے سے کام ہی نہیں چلتا تھا۔ منشی صاحب کا "استغیث" پر عمل تھا۔ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے سرکار تشریفوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

”ایک خیال دانا صاحب کی طرف۔ ایک خیال دل کی طرف اور ایک خیال ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف پھر کیسوی کو نسی ہوئی۔“ اتنا کہنے کے بعد آپ تو آگے بڑھ گئے اور منشی صاحب مراقبہ توڑ کر آپ کے پیچھے ہو لیے۔ چلتے چلتے لاہوری دروازہ آگیا۔ اس کے باہر پھولوں کی دکانوں کے عقب میں چند ایک مزار ہیں وہاں بچے وہاں عرس ہو رہا تھا اور محفلِ سماعِ گرم تھی۔ قوالی خوب زوروں پہ تھی۔ منشی غلام غوث وہیں ٹھہر گئے۔ چونکہ وہ

۱۔ یہی دروازہ حضرت سید زکی الدین کے نام سے موسوم ہے لیکن عوام الناس اسے زکی کی بجائے ”بکی“ کہنے لگے جو آج تک مشہور ہے۔

۲۔ بہت زمانہ کی بات ہے انگریزوں کے نہیں بلکہ سکھوں کے زمانہ سے پہلے ہر سال دھونگل شریف ضلع گوجرانوالہ میں پیر سخی سردر کے روضہ پر میلے کا اختتام ہو جاتا تو وہاں سے درویشوں کے گروہ کے گروہ (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)



عمر میں حضرت صاحب سے بڑے تھے اس لیے آپ بھی ان کے احترام کی وجہ سے رُک گئے تھوڑی دیر کے بعد ساز بجنے بند ہو گئے۔ یہ دیکھ کر منشی غلام غوث صاحب وہاں سے آگے چل دیے۔ حضرت صاحب قبلہ بھی ہمراہ تھے۔

جب لاہوری دروازہ کے اندر بازار میں آئے تو پیچھے سے قوالی کی آواز پھر آنے لگی۔ منشی صاحب پھر واپس ہو لیے۔ وہاں پہنچے تو ساز پھر بند ہو گئے۔ منشی صاحب پھر چل دیے اور جب دروازہ کے نزدیک آئے تو پیچھے سے پھر قوالی کی آواز آنے لگی منشی صاحب پھر لپٹ آئے۔ آپ بھی ہمراہ تھے۔ جب آکر کھڑے ہوئے تو ساز پھر بند ہو گئے قوالوں نے بہت زور مارا لیکن نہ سازوں میں آواز پیدا ہوتی تھی نہ ہوتی۔ یہ دیکھ کر منشی صاحب نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی۔ ”ساز جو بند کر دیے ہیں۔ مجھے ہی نہ کھڑا ہونے کے لیے کہہ دیتے۔ میں نہ رکمتا۔“ سرکار خاموش ہے

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) چل پڑتے۔ وہ سال بھر تک گاؤں گاؤں۔ قصبہ قصبہ، شہر شہر پھرتے اور قدروں کے میلے پر حاضری دے کر پھر روانہ ہو جاتے۔ یہ سیلانی مبلغ جہاں جلتے لوگوں کو خدا اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سناتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ دستور یہ تھا کہ ان مبلغین میں سے جس پٹاؤ پر جس کسی کا انتقال ہوتا اسے وہیں دفن کر دیا جاتا۔ لوہاری دروازہ کے باہر چھوٹی سی مسجد تھی جس میں سیلانی مبلغ آکر فرشتہ ہونے تھے اور یہ ان کا پٹاؤ تھا اس مسجد میں ان مبلغوں کی ہی قبریں ہیں۔ اس پُرانی مسجد کو شہید کو کے اس جگہ مزاروں کے ار پر چھت ڈال کر انجن خادم المسلمین بیرن لوہاری دروازہ کے زیر اہتمام ایک بہت بڑی رفیع الشان مسجد بنائی گئی ہے جو مسلم مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ انارکلی اور لوہاری دروازہ سے گزرتے وقت اس کا بلند بالا اور خوش وضع منار ہر ایک کی نظر کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے یہ روایت علامہ اقبال مرحوم کے عمر بھر کے ہم جلس اور دوست چوہدری محمد حسین مرحوم کی بیان کردہ ہے اور نوائے وقت کے خاص ایڈیشن مورخہ نومبر ۱۹۶۲ء میں چھپ چکی ہے۔ (مولانا محمد بخش مسلم مرحوم اس مسجد کے بہت عرصہ تک خلیفہ رہے ہیں)

اور آگے چل دیے۔ جب چوک جھنڈا پہنچے تو دیکھا کہ گندم فروخت ہو رہی ہے۔ کوئی گندم تول رہا ہے اور کوئی چھان رہا ہے۔ چھنا چھن اور دوسرے شور و غوغا سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ آپ نے منشی صاحب سے فرمایا۔ ”یہ جو کچھ ہو رہا ہے کیا یہ سماع نہیں ہے؟“ منشی صاحب نے غرض کی ”حضور! یہ تو دلیل معرفت ہے۔ اور آپ نے میری مُشکل حل کر کے منزل طے کروا دی ہے“ اس دن کے بعد سے منشی غلام غوث نے حضرت صاحب قبلہ کے پاس آنا جانا شروع کر دیا۔

منشی مسجد

ایک دفعہ چوہدری غلام رسول ٹھیکیدار جس نے کہ جناب دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد بنوائی تھی شرف پر تشریف اعلیٰ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اسے مل کر بہت خوش ہوئے اور بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ ”میرا بھی دل چاہتا تھا کہ اسے دیکھوں جس نے دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد بنوائی ہے۔ چوہدری غلام رسول کانوں سے بہرہ تھا اور ہر وقت اپنے ساتھ سنکھ رکھتا تھا۔ تاکہ جس کسی نے بھی کوئی بات کہنی ہو، سنکھ منہ میں رکھ کر اس کے کان میں کہے اور وہ خود بھی عام بہرے لوگوں کی طرح اونچی آواز سے ہی بات کہتا تھا۔ چنانچہ حضرت صاحب قبلہ کا ارشاد سن کر گویا ہوا۔ ”حضور! اس وقت نہیں دیکھا تھا؟ جب دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی موجودگی میں مجھے فرمایا تھا کہ مسجد بنوا“ اور پھر بیان کرنے لگا۔ ”میں اپنی کڑھی میں رات کو سویا ہوا تھا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ والی چھوٹی مسجد میں جمع ہو رہا ہے۔ خلقت اتنی تھی کہ خدا کی پناہ۔ لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ چلے آ رہے تھے۔ آپ دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کھڑے اس جم غفیر کو دیکھ رہے تھے جو کہ نماز جمعہ پڑھنے کے لیے جمع



ہو رہا تھا۔ دانا صاحب مجھے مخاطب کر کے فرمانے لگے۔

”غلام رسول سن! میان صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ کہہ رہے ہیں کہ بابا صاحب دیکھو! جمعہ کے لیے لوگ مسجد میں کیسے تنگ ہو رہے ہیں۔ آپ ولیوں کے بابا ہیں اور مسجد اتنی چھوٹی سی یہاں ایک بڑی ذی شان مسجد بننی چاہیے“ سو حضور! اس وقت آپ نے مجھے نہیں دیکھا تھا؟“ یہ سن کر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور فرمانے لگے۔

”تینوں ہی جاچ ہو دے گی“

تھوڑے سے وقفہ کے بعد ٹھیکیدار غلام رسول نے عرض کی ”قبلہ میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ میرے لڑکے دین محمد نے ایک طوائف سے نشادی کی ہے اس بات سے مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ اس کی پہلی بیوی بھی موجود ہے اور اولاد بھی۔ آپ توجہ فرمادیں۔“ چوہدری غلام رسول کی شرف پسند شریف سے واپسی کے تھوڑا ہی عرصہ بعد اس کا لڑکا دین محمد حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا ”سرکار میں نے اس طوائف کو طلاق دے دی ہے۔ اس کے بطن سے دو لڑکیاں ہیں۔ اس کے خاندان والوں نے لڑکیاں حاصل کرنے کے لیے مجھ پر دعویٰ دائر کر دیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ لڑکیاں ان کے پاس رہیں۔ حضور! دعا فرمادیں کہ مقدمے کا فیصلہ میرے حق میں ہو۔“ تھوڑے ہی عرصہ بعد مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہو گیا اور لڑکیاں اسے مل گئیں۔

چوہدری غلام رسول نے خواب میں دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حکم سن کر پرانی مسجد کو شہید کر کے نہایت اہتمام سے عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ میا صاحب قبلہ نے ہی دانا صاحب سے کہلوا کر مسجد تعمیر کروائی ہے۔

نوٹ: یہ مسجد جس کا اوپر ذکر ہوا منیلیہ طرز تعمیر بل بورڈوں سے آراستہ تھی۔ یہ بھی حال ہی شہید کر دی گئی ہے ابھی جو حال میں ہی مسجد تعمیر ہوئی ہے جدید طرز کی خوبصورت وسیع و عریض مسجد ہے۔ جس کا ماڈل ترکی طرز تعمیر کا ہے۔



”اگر کسی مزار پر گزر ہو تو کچھ پڑھ کر بخشے“

تاکہ صابغہ مزار کو خوشی حاصل ہو اور وہ

تیرے حق میں دُعا کرے۔“

(فرمان حضرت دانا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ)





مہینہ دار سعدی کہ راہِ صفاء
تواں یافت جُز در پتے مصطفیٰ



خلافِ پیمبر کسے رہ گزیدہ
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(حضرت سعدی شیرازی)



پس شریعت اور احیاء سنت

جیسا کہ سابقہ اوراق میں عرض کر چکا ہوں کہ اعلیٰ حضرت سرکار میان صاحب شرفی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک تعالیٰ نے ایسے بلند درجات عطا فرمائے کہ آپ عشق و محبت کے بحر بکریاں میں غوطہ زن بھی ہے اور شریعتِ مطہرہ کی حدود سے بھی ذرہ بھر تجاوز نہیں کیا بلکہ مولائے ذوالجلال نے آپ کو دہریت، بیخیریت اور آزاد خیالی کے پرفتن دور میں معی سنت کا منصب خاص عطا فرمایا۔ آپ نے کسی موقع، کسی وقت اور کسی لمحہ بھی شریعت کی حدود شکنی اور سنت کی خلاف ورزی کو برداشت نہیں کیا۔ آپ بڑے سے بڑے آدمی اور بزرگ سے بزرگ ہستی کو بھی خلاف سنت کام پر ٹوک دیتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ پنجاب میں عقائد اہل سنت کے علمبردارِ عالم بے مثل مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے ثروت پور شریف تشریف لائے۔ حضرت صاحب بلکہ بہت خوش ہوئے اور مولانا موصوف کی بڑی خاطر مدارات کی اسی اثنائیں نمازِ عصر کا وقت ہو گیا۔ آپ نے مولانا صاحب سے فرمایا۔ ”مولانا آپ نماز پڑھائیں“ مولانا صاحب کے سر پر ٹوپی تھی۔ آپ نے جو دیکھا تو آنکھ کے اشارے سے ایک معتقد کو بازار سے نین گز ملل لانے کو کہا۔ چنانچہ ابھی تکبیر ہو ہی رہی تھی کہ ملل آگئی اور آپ نے مسکراتے ہوئے اپنے دستِ مبارک سے مولانا صاحب کی ٹوپی پر چھڑی باندھ دی اور فرمایا ”مولانا! ٹوپی سے نماز تو ہو جاتی ہے لیکن فضیلت یہ ہے کہ



ٹوپی اور پگڑھی دونوں ہوں۔“

آپ کی عادتِ کریمہ تھی کہ جب کبھی کسی کو ننگے سر دیکھتے تو تین گمز پکڑا منگوا کر اس کے سر پر باندھ دیتے۔

پیرا برہا، سسٹم کیلانی صاحب

والد صاحب کا کہنا ہے کہ ایک دن لاہور دکان پر بیٹھے بیٹھے طبیعت بڑی بے چین ہوئی اور گھبرا کر دکان سے اُٹھے اور چلے آئے۔ جب وہ بیرون شاہ عالمی گھیٹ پہنچے تو وہاں تانگوں والے مزنگ۔ مزنگ کی ہانگ لگا رہے تھے۔ والد صاحب غیر ارادی طور پر مزنگ جانوے ایک تانگے پر بیٹھ کر مزنگ اڈہ پر جا اترے۔ مغرب کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ انہوں نے اونچی مسجد میں نماز ادا کرنے کی ٹھانی اور وہاں چلے گئے۔

جب مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں۔ آپ دیکھتے ہی مسکرا دیے اور فرمایا۔

”آگیا میں۔ میںوں تیرا خیال سی۔“ ”جو ان! ایتھے بغداد والی سرکار کے سجادہ نشین آئے ہوئے ہیں۔“ میں نے کہا سرکار کے سجادہ نشین جو ہوئے چل کر مل آئیں۔ چنانچہ عشاء کی نماز کے بعد چندا حباب کے ہمراہ حضرت صاحب قبلہ پیرا برہا ہم صاحب کو ملنے جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے تشریف لے گئے۔ وہاں بڑے بڑے نواب اور تمام سلاسل کے سجادہ نشینان حاضری کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اپنے اپنے نام کی چٹ اندر جاتی تھی اور باری باری ملاقات کا وقت دیا جاتا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ کے ساتھ مزنگ کا خدا بخش نامی ڈرائیور تھا جو کہ آس کا والد و شیدا تھا۔ اپنے اس سے کہا۔

”خدا بخش تم اپنے نام کی چٹ بھیج دو۔“

سو حسب الارشاد اس کے نام کی چٹ اندر بھیج دی گئی۔ گیارہ بجے شب اندر لایا



گیا۔ والد صاحب بتاتے ہیں کہ جب اندر گئے تو دیکھا کہ ہال کمرے میں سب سے قیمتی غالیچے بچھے ہوئے ہیں اور ایک اونچے تخت پر سید ابراہیم صاحب تشریف فرما ہیں۔
حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اندر جا کر غالیچہ پر بیٹھے ہی ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے اور دیگر سب اجاب بھی عقب میں بیٹھ گئے۔

پیر صاحب نے حضرت صاحب قبلہ سے پوچھا ”آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں“
سرکار میان صاحب نے جواب دیا ”مقام ازل سے“

پیر صاحب نے دوبارہ پوچھا ”آپ کیا کام کرتے ہیں۔“

اپنے جواب دیا۔ ”لا اِلهَ اِلا انت سبحانک انی کنت من الظالمین“

پیر صاحب نے تیسری بار پھر پوچھا ”آپ کا نسب؟“

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ حشر کی آخری آیت ہو اللہ الذی پڑھیں۔

چوتھی دفعہ پیر ابراہیم صاحب یوں گویا ہوئے ”آپ کا نام؟“

اس پر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”منا ہونے والے کا بھی کوئی نام ہوتا ہے۔“

یہ سنا تھا کہ پیر صاحب تخت سے نیچے اتر کر آپ کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے۔ اُن کی داڑھی

کترتی ہوئی تھی۔ حضرت میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی طرف دیکھا اور اپنی داڑھی

کو ہاتھ لگایا اور ہاتھ کے اشارے سے ہی پوچھا ”کہ یہ کیا ہے“ پیر صاحب جو شش

میں آگئے۔ اُنہوں نے اپنا ہاتھ ناک سے نیچے اور لبوں کے اوپر رکھا تو نیچے سے داڑھی

قبضہ بھر ہو گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت صاحب قبلہ نے ایک جھنجھری لی اور فرمایا یہ کوئی

شریعت کی دلیل نہیں ہے۔ اگر یہی دلیل ہوتی تو تمام پیغمبر علیہم السلام بھی ایسا ہی کرتے۔“

پیر صاحب پر رقت طاری ہو گئی۔ آپ نے رخصت کی اجازت مانگی تو پیر صاحب

نے فرمایا ”آپ ہیں ٹھہریں“ آپ نے جواب دیا۔ ”بیمار ہوں اور بخیر ہوتی ہے“

پیر صاحب کہنے لگے ”ارے میاں! جب تک میری داڑھی پوری نہ ہو جائے تب



تک رہو۔ آپ خاموش ہو گئے اور آتی دفعہ سو روپیہ پر سید ابراہیم صاحب کی نذر کیا۔
 میان صاحب غالباً آٹھ یوم مزنگ میں مقیم رہے اور ہر روز دو وقت سید صاحب کی
 ملاقات ہوتی۔ جب پیر صاحب کی وارٹھی کچھ بڑی ہو گئی اور آپ نے رخصت کے لیے
 اجازت چاہی تو پیر صاحب فرمانے لگے ”ارے میاں! کبھی بغداد شریف تو تشریف
 لائیں“ حضور فرمانے لگے ”میں اس لائق کہاں ہوں۔ اچھا! جو خدا کو منظور ہوا۔“ آپ اسی
 دن شرق پور شریف واپس تشریف لے آئے۔

ابھی آیام میں تھوڑے دنوں بعد معلوم ہوا کہ سید ابراہیم شاہ صاحب بغداد شریف جاتے
 ہوئے بمبئی میں انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مشیلہ سے نفرت

شرق پور شریف کے نزدیک ہی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کا نام سکھانوالہ
 ہے یہ موضع سکھوں کے عہد حکومت میں کسی سکھ جاگیر دار کا قلعہ تھا۔ اس جگہ ایک پرانا
 مزار بھی تھا جس پر سائیں غلام محی الدین کے والد صاحب جو کہ مجذوب اور مست حال
 تھے بیٹھے رہا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد بعض لوگ سائیں غلام محی الدین کی
 سجادہ نشینی میں حاج ہونے لیکر راقم الحروف کے دادا جان میاں الہی بخش مونگلانے
 کوشش کر کے انہیں گدی نشین کرادیا۔ اس مزار کے ساتھ کچھ زمین تھی اور اسی وجہ سے
 لوگ سائیں غلام محی الدین کے گدی نشین ہونے میں حائل ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ
 کو ایسا ہی منظور تھا اور یہ ہو کر رہا۔

سائیں غلام محی الدین کی حالت عجیب تھی۔ کبھی وہ بالکل فقیرانہ اور مجذوبانہ حالت
 میں اپنے خیال میں محو باہر و برانوں میں وقت گزارتا تو کبھی گاؤں اور شہر میں زیورات
 پہنے نظر آتا۔ گلے اس کے بدن پر گوتا کناری لگے رنگدار کپڑے ہوتے اور گلے



پھٹا پٹا لباس زیب بدن ہوتا۔ ہزاروں روپیہ قرض لے کر سکھا نوالہ میلہ منعقد کروانا۔ یہ میلہ اتنا مشہور ہو گیا تھا کہ دُور دراز سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں میلہ میں شرکت کرتے۔ اس زمانے میں پبل جُتتے یکے عام ہوا کرتے تھے۔ سینکڑوں یکے شایقین کو لے کر آتے۔ لاہور اور امرتسر کے گوجر خاص طور پر سائیں غلام محی الدین اور دوسرے بزرگوں کے معتقد تھے۔ ان کو یہاں سے بہت فیض حاصل ہوتا تھا۔ لوگ ہزاروں روپیہ نذر گزارتے۔ سائیں غلام محی الدین کی طبیعت سندانہ سی تھی۔ خرچ کرنے میں ہاتھ کھینچ لینا اس کی عادت نہ تھی جو کچھ اکٹھا ہوتا تھا تمام کا تمام خرچ کر ڈالتا۔ میلے کے شوق کے علاوہ بظاہر اس میں کوئی اور عیب نہیں تھا۔ لیکن مُردم حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا بڑا قلق تھا کہ میلہ جو شرعِ محمدی کے بالکل خلاف ہے کسی بزرگ کے مزار پر کیوں ہو۔ آپ تو شریعتِ مطہرہ کی چھوٹی سے چھوٹی خلاف ورزی بھی برداشت نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ میلہ۔ ایک دو دفعہ حضرت صاحب قبلہ نے سائیں غلام محی الدین کو کہلا بھیجا کہ میلہ نہ کیا کرو لیکن اس وقت کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ بعد میں میلہ کی رونق کم ہوتی گئی۔

مسجد کی طرف سے غفلت پر تنبیہ

ایک روز حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ شہر سے باہر تشریف لائے اور میاں کھوئی کی طرف قفلے حاجت کی غرض سے چل نکلے۔ حوائج ضروریہ سے فراغت کے بعد آپ نے ایک چرواہے سے ”ڈھانگی“ لی اور نیم کے درخت سے ایک ڈنڈا بنایا۔ اور موضع سکھا نوالہ کی طرف چلے آئے۔ وہاں پہنچ کر آپ مسجد میں بیٹھ گئے۔ اس مسجد کی چھت گری ہوئی تھی۔ آپ کے ہمراہ مستری کرم دین صاحب مرحوم بھی تھے۔ آپ نے

۱۰۵ یہ پنجابی لفظ ہے۔ ایسی چھڑی جس کے آگے پتے اور ٹہنیاں کاٹنے کا آلہ لگا ہوتا ہے۔



مستری صاحب کو فرمایا۔ ”ذرا سائیں غلام محی الدین کو بلا لاؤ“

ادھر سائیں غلام محی الدین کو کبھی کسی صورت پتا چل گیا کہ حضرت صاحب قبلہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ خوف کے مارے وہ کسی کمرے میں چھپ گیا اور مستری صاحب نامہم واپس لوٹے اور عرض کی۔ ”حضور! وہ یہاں نہیں ہے“ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ ”ہے تو یہیں۔ کہیں چھپ گیا ہوگا“ تیسرا اس موقع کے کسی بڑے آدمی کو ہی بلا لاؤ۔“ گاؤں کے تقریباً سبھی لوگ باہر کھیتوں میں کام کرنے گئے تھے۔

مستری صاحب قریب کے کمزوں سے ایک بیلیس چوالیس سالہ آدمی اپنے ہمراہ لے آئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے پوچھا ”میاں! اگر کسی کے گھر کی چھت گر جائے تو وہ کیا کرتا ہے“ اس نے عرض کی ”حضور! وہ لازمی طور پر اس کو بنائے گا“ حضور میاں صاحب کا یہ سننا تھا کہ آپ نے ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور فرمایا ”اپنے گھر کا اتنا خیال؟ اور اللہ کے گھر کی چھت اتنے دنوں سے گری پڑی ہے۔ لیکن کسی کا اس طرف دھیان ہی نہیں“ اس آدمی نے ماتھے جوڑ کر عرض کی ”قبلہ! ایک ہفتہ کے بعد آپ چھت بنی ہوئی پائیں گے“ کچھ وقفے کے بعد آپ وہاں سے رخصت ہوئے اور قبرستان ”ڈوہراں والا“ تشریف لائے وہاں جو کچی مسجد تھی آپ اس میں محو ذکر ہو گئے۔

چند لمحوں کے بعد مسجد کے دروازہ پر ایک خوبصورت سی کار آ کر رکی۔ اس میں سے ایک آدمی انگریزی لباس میں ملبوس ہیٹ پہنے نکلا اور جوتے اتار کر مسجد کے اندر حضرت صاحب قبلہ کے سامنے جا پہنچا۔ اس نے ہیٹ اتار کر آپ کو سلام کیا۔ یہ دیکھ کر آپ طیش میں آ گئے اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر اس کے منہ پر ایک زناٹے دار چٹا رسید کیا۔ اس کا ہیٹ پرے جاگرا اور وہ کانپتے لگا۔ آپ نے فرمایا ”نور محمد! دیاں ایہہ بونھیاں ہندیاں نے“ (یعنی نام تو نور محمد ہے چہرہ سارا انگریزی وضع کا) وہ ہاتھ

باندھ کر کہنے لگا۔ ”سرکار! اب کی دفعہ نور محمد بن کر حاضر ہوں گا۔“

خیال ہے کہ نور محمد پہلی دفعہ ہی سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس سے پیشتر کبھی بھی حضور سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ شاید اس زمانے میں مہتمم بندوبست تھے۔ اسی اثنار میں سچھے سے ان کا پانچ سالہ لڑکا آیا اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں بیٹھ گیا اس سے آپ کی طبیعت بدل گئی۔ اور آپ کرا پڑے۔ آپ نے ایک روپیہ جیب سے نکال کر اس لڑکے کو دیا اور فرمایا۔ ”آدھلیں۔ شیخ نور محمد نے مستری کرم دین صاحب کے عرض کی کہ کار حاضر ہے۔ لیکن مستری صاحب خاموش ہے۔ حضرت صاحب قبلہ نے مستری صاحب کی طرف دیکھا اور پوچھا ”یہ کیا کہتا ہے۔“ انہوں نے عرض کی ”حضور! یہ کہتا ہے کہ کار حاضر ہے۔“ آپ فرمانے لگے۔

”یہ ایہدی کار تے موتر داوی نیں“ (یعنی ہم اس کی کار پر پشیاں بھی نہیں کہتے) اس کو کہو کہ کار پر گھر چلا آئے۔ اور آپ ”بولیاں“ والے کنویں کی طرف سے کھیتوں کے بیچوں بیچ گھر تشریف لے آئے۔

مندرجہ بالا واقعہ کے تھوڑے دن بعد سکھانوالہ میلہ آگیا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے رات کے وقت ۲ بجے بابا حاکم ٹم ٹم والے کو فرمایا۔ ”تم جاؤ اور میلہ سے سائیں غلام مٹی الدین کو لے آؤ۔“ بابا حاکم سیدھا سکھانوالہ گیا۔ اس وقت میلہ

بابا حاکم ٹم ٹم دالا اوائل عمر میں نامی گرامی چوراہہ مشہور بد معاش تھا۔ چوری اس کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ اس وقت کوئی کہہ سکتا تھا کہ یہی چور ایک دن نہایت پارسا اور پرہیزگار بندہ ہوگا۔ اس کی قسمت ایک دن چمک اٹھی اس کی ٹم ٹم ہی رسید بن گئی۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اس کی ٹم ٹم پر لاہور کے لیے روانہ ہونے راستہ میں اپنے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرا۔ آپ کی توجہ کا یہ اثر ہوا کہ وہ تمام بُری عادات چھوڑ کر پابند صوم و صلوات ہو گیا۔ اکثر وقت استغراق کے عالم میں ہوتا۔ ایک دفعہ محویت کے عالم میں تھا کہ اپنے مکان شریف سے واپسی پر اسے تبرک کی گٹھری دی اور فرمایا اسے گھر پہنچاؤ مگر اس نے وہ تبرک راستے ہی میں تقسیم کر دیا۔



خوب زدردوں پر تھا۔ تو الیاں ہو رہی تھیں۔ طوائفیں محو رقص تھیں۔ تماشائی دنیا و مافیہا سے
 بیخبر تماش بینی میں مشغول تھے۔ سائیں غلام محی الدین بھی میلہ میں موجود تھے ان کے بدن پر
 زیور سج رہا تھا۔ گوٹے دار لال کپڑے پہن رکھے تھے۔ بابا حاکم نے جا کر کہا کہ حضرت صاحب
 قبلہ بکاتے ہیں۔ چلو! وہ اسی حالت میں ہی چپ چاپ ساتھ ہو لیے۔

یہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف تھا کہ وہ جیسی حالت میں تھے ویسے ہی
 اور میلے کوزدروں پر چھوڑ کر چلے آئے۔ ورنہ ایسی سرد انجیز گھڑیوں میں سائیں غلام محی الدین
 کا میلہ چھوڑنا ممکن ہی نہ تھا وہ جب حضرت صاحب قبلہ کے پاس آئے تو آپ نے
 فرمایا۔ ” غلام محی الدین! نہاؤ“ وہ چپ چاپ نہا لیے۔ آپ نے ان کو گھر سے سفید کپڑے
 لا کر پہنائے۔ اسی اشار میں صبح کی نماز کا وقت ہو گیا اور آپ نے نمازِ فجر ادا کرنے کا
 حکم دیا۔ سائیں غلام محی الدین کی ادائیگی نماز کے بعد آپ نے فرمایا ” غلام محی الدین! آج
 کے بعد تم میلہ نہ کرنا“ اور رخصت کی اجازت دے دی۔

اس واقعہ کے تھوڑے عرصے بعد سائیں صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ
 رَاجِعُونَ۔ یہاں اس بات کا ذکر بے محل نہ ہو گا کہ سائیں صاحب آدمی تو اچھے تھے
 لیکن ان کا کوئی شیخ نہ تھا اور اسی لیے سرکارِ میانصاحب شہرِ قیومی رحمۃ اللہ علیہ نے
 آخری وقت بلا کر توبہ کرا دی۔

پاس شریعت

جن دنوں امیر الیوب خاں امیر کابل لاہور میں نظر بند تھے ان کی رہائش کا انتظام
 چوہدری کے پاس ایک بہت بڑی کوٹھی میں کیا گیا تھا ان کے ایک وزیر کے بھائی
 سردار صاحبی نذر محمد صاحب تھے جو قادری سلسلہ کے بہت بلند پایہ اہل نسبت بزرگ
 تھے۔ لاہور میں ان کے کافی مرید تھے۔ وہ اکثر بنگلہ الیوب شاہ میں فروکش ہوتے



سردار نذر محمد صاحب راقم الحروف کے والد حاجی فضل الہی پر بہت مہربان تھے اور جب بھی لاہور آتے والد صاحب ملنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ سردار صاحب والد صاحب کو اکثر کہا کرتے ”بھئی! مجھے بھی اپنے پیر کے پاس لے چلو“

والد صاحب نے لاہور میں کاروباری سلسلہ منقطع کر دیا ہوا تھا اور وہ واپس شرفپور تشریف آگئے ہوئے تھے کہ پیچھے سے ایک آدمی آیا اور کہنے لگا ”حضرت صاحب بلائے ہیں“ جب وہ حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ ”میرے دوست سردار نذر محمد صاحب آئے ہوئے ہیں اور محلہ گچیاں میں انکو ٹھہرایا ہوا ہے۔“ والد صاحب وہاں گئے اور دیکھا کہ سردار صاحب مع آٹھ دس ٹھکان مہانوں کے تشریف فرما ہیں وہ دو بیوں والی رتھ پر لاہور سے آئے تھے۔ ان کے لیے خورد و نوش کا سامان آپ وہیں ان کے ڈیرہ پر بھیج دیتے تھے۔

والد صاحب کا کہنا ہے کہ ”میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ سردار نذر محمد صاحب بڑے اشتیاق اور محبت سے ملنے آتے ہیں۔ لیکن حضرت صاحب قبلہ نے کوئی خاص توجہ نہیں فرمائی۔“ دوسری صبح سردار نذر محمد صاحب نے کہا آج کھانا وہاں کھائیں گے جہاں سنگھ میں عام لوگ کھاتے ہیں اور دس بجے کے قریب سردار صاحب کھانا کھانے بیٹھک میں تشریف لے آئے۔ حسب دستور دسترخوان بچھا ہوا تھا سب احباب ہا تفریق امیر و غریب بیٹھے ہوئے تھے۔ سردار صاحب بھی سب کے ساتھ بیٹھ گئے کچھ وقفے کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے سردار نذر محمد صاحب سے فرمایا ”میرے گناہ زیادہ ہو گئے ہیں کہ آپ جیسے سفید ریش بزرگ میرے پاس آتے ہیں“ والد صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور نے کہا ”یہ بچہ ہی تو ہے، مجھے آپ کے متعلق بتاتا تو میں خود حاضر ہو کر ملاقات کرتا۔ خیر! کوئی بات نہیں بادل گھرا کر ہی برسا کرتے ہیں۔“

یہ سن کر سردار صاحب کہنے لگے ”میں نے کئی حج کیے ہیں۔ ۲۵ برس مکہ معظمہ بیت اللہ



مشریف میں درس دیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ بھی کیا ہے لیکن جو کچھ آج رات میں نے
یہاں دیکھا اور فیوضِ حلال کیسے ہیں وہ یہاں سے ہی مل سکتے تھے۔ اسی دن آپ نے
اُن کی خواہش پر رخصت کر دیا اور دواغ کرنے کیلئے اُن کے ساتھ ہو لیے تھوڑی
دور جا کر حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے سردار صاحب کو رتھ پر سوار ہو جانے کو
فرمایا۔ لیکن انہوں نے ادب کی وجہ سے انکار کر دیا۔ اس پر آپ نے انہیں خود اٹھا کر رتھ
پر بٹھا دیا اور قریباً دو فرلانگ تک آپ اُن کے ساتھ گئے۔

لاہور جا کر سردار حاجی نذر محمد صاحب نے کہا: ”اپنی زندگی میں اگر کوئی مردِ کامل دیکھا
ہے تو وہ میاں صاحب شرقپوری ہیں وہاں سے میں نے بہت فیض حاصل کیا ہے اور اس
دن کے بعد اکثر اپنے مریدین اور معتقدین کو حضرت صاحبِ قبلہ کی خدمت میں شرقپور
مشریف بھیجا کرتے۔

سردار حاجی نذر محمد صاحب کی ملاقات کے بعد حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ
مکانِ شریف تشریف لے گئے اور اس کے دو چار دن بعد یہاں شرقپور شریف میں مقامی
سکھوں نے ایک جلسہ کا انتظام کیا۔ جس میں بیرونِ نجاست سے دوسرے سکھوں نے بھی شرکت
کی۔ وہ ایک جلوس کی عورت میں بازار میں آئے اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بھین گاتے اور
تقریبیں کرتے چلے۔ ان گویوں اور مقرروں میں ایک نابینا سکھ تھا۔ اس کے ساتھ ایک
نوجوان سکھ لڑکا بھی تھا۔ جو جوڑی (طبلہ) بجاتا تھا اور وہ نابینا ہارمونیم باجے کے ساتھ
گاتا اور تقریر کرتا تھا۔ اس کی تقریر کے دوران میں جب جلوس سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کی گلی کے سامنے سے گزرا تو اس سکھ نے تقریر بند کر دی اور جلوس کو کھڑا کرنے کے لیے
کہا اور بولا! اس طرف سے کسی اللہ کے بندے کی خوشبو آ رہی ہے۔ مجھے ان کی

لہ : سردار نذر محمد صاحب کا بابا باں باں جہاد میں گولی لگنے کی وجہ سے ماکارہ ہو چکا تھا۔



قد مہوسی کر لینے دو پھر آگے چلیں گے۔“

والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ وہ اور کئی ایک حضرت صاحب قبلہ کے عقیدتمند اس صُلبس میں موجود تھے۔ اُن پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ لالہ چھکورا رام جو نثر قبور نثر لہیں میں میونسپل کھٹی کا ممبر تھا اور سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا محلہ دار بھی، اُس نے آگے بڑھا کر جواب دیا کہ اس گلی میں بہت بڑے بزرگ میاں صاحب رہتے ہیں اور آج یہاں موجود نہیں ہیں کہیں باہر نثر لہیں لے گئے ہوئے ہیں یہ سُن کر وہ سکھ رو دیا اور کہنے لگا۔ ”یہ میری قسمتی ہے کہ میں قدم بوسی سے محروم رہا۔“ اس کے بعد اُس نے تقریر ختم کر دی۔

والد صاحب (حاجی فضل الہی) کہتے ہیں ”رات کو اُن کا پھر جلسہ نکھا مجھے اشتیاق تھا کہ اس نابینا سکھ کی تقریر سنی جائے۔ اسی سبب میں رات جلسہ گاہ گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ وہ کس وقت تقریر کرے گا بے سکھ کہنے لگے۔ ”وہ اُس وقت تقریر کرتا ہے جب عام تماشائی جو محض وقتی طور پر حُظ اُٹھانے آجاتے ہیں یہاں سے چلے جائیں اور صرف وہ خلوص بھرے لوگ رہ جائیں جو محض کسی مُبند مقصد اور گوروجی کی رضا کے لیے آئے ہوں اور ایسا پُرسکون ماحول سولے پھپھی رات کے کب میسر آ سکتا ہے۔“ سو ایسا ہی ہوا کہ سب سے آخر وہ نابینا سکھ اور نوجوان لڑکا سٹیج پر آئے اور کچھ دیر ہارمونیم اور طلبہ بجاتے رہے۔ تقریر سے بشتیزانہوں نے توحید باری تعالیٰ کے ساتھ تعریف رسالت اب صلی علیہ وسلم بیان کی۔ پھر وہ نابینا سکھ لوگوں سے یوں مخاطب ہوا۔

”بھائیو! میں نے کوئی لمبی چوڑی تقریر نہیں کرنی ہے۔ میں تو آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سکھ کون ہے اور کون کون سکھ کہلانے کا مستحق ہے۔ بات یوں ہے کہ گوردنابک ہمیشہ ذکر الہی میں مشغول رہتے انکو صرف رب کا نام جپنے کی ہی دھن رہتی تھی۔ ایک دن اسی محویت کے عالم میں ایک شخص ان کے پاس سے گزرا گوردنے سے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ جب وہ پاس آ کر کہنے لگا ”فرمائیے“



تو گورو جی نے کہا ”سکھ“ اس نے جواب دیا ”کیا سبکھوں؟“ گورو جی کہنے لگے
 ”سکھ رت دانال“ اور ہم میں سے کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ وہ آدمی ہندو کھا
 مسلمان تھا یا کون تھا؟۔ کیس رکھوانے، کڑا ڈالنے، کچھا پینے، گنگھا رکھنے اور
 کرپان باندھنے سے سکھ نہیں ہو سکتا۔ جس نے رت کا نام سیکھ لیا وہ ”سکھ“ ہے خواہ
 کوئی ہو جو اس کا نام جینے والا ہے اور ذکر الہی میں مشغول رہتا ہے وہی ”سردار“ ہے۔
 باقی سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ مذکورہ باتیں کہنے کے بعد اس نے اپنی تقریر ختم کر دی۔
 اس کی تقریر میں بہت لطف اور لذت تھی اور اس کے الفاظ نے لوگوں کے دلوں
 پر خاصہ اثر چھوڑا۔ صبح ہوتے ہی وہ نابینا سکھ شرت پو شریف سے روانہ ہو گیا۔

جلے کے دو سکر دن ہی حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف سے
 سے واپس تشریف لے آئے۔ والد صاحب عشاء کی نماز کے بعد مسجد کی چھت پر
 حضرت صاحب قبلہ کے پاس گئے۔ حسب عادت آپ گیارہ ساڑھے گیارہ کے
 قریب گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سرکار دروازہ پر پیڑھیوں کے قریب ”منظر“
 کتوں کو روٹی کے ٹکڑے ڈالا کرتے تھے۔ اس دن کتوں کو روٹی ڈالتے وقت والد صاحب
 نے آپ سے عرض کی ”حضور! سکھوں کا جلسہ ہوا تھا اور اس میں ایک نابینا.....
 آپ نے فقرہ پورا کرنے ہی نہ دیا اور فرمایا ”اوتال جوان کوئی دل ای ہو دیگا“
 (یعنی بھئی! وہ تو کوئی اچھا آدمی ہی ہوگا) راستے میں بات پھر شروع ہوئی۔ لیکن
 آپ نے بات بیچ میں ہی کاٹ دی اور یہی فرمایا ”جوان! اوتال کوئی دل ای
 ہوئے گا“ اور تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا اور والد صاحب خاموش ہو گئے۔
 والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ”اس واقعہ کے دوسرے دن ہی ظہر کی نماز

۱۔ سکھوں کے بنیادی پانچ ارکان جس کو ”پانچ ککے“ کہتے ہیں



کے بعد مجھے گھر سے حضرت صاحب قبلہ نے بلا بھیجا۔ جب میں بیٹھک میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی نابینا سکھ اور نوجوان لڑکا حضرت صاحب قبلہ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ سرکار کمرے اور آنکھ کے اشارے سے سمجھایا کہ وہ سکھ ہی ہے؟ میں وہیں بیٹھ گیا۔ تمام احباب مع وہ دونوں سکھ مراقبے میں مشغول ہو گئے۔ قریباً آدھ پون گھنٹہ یہی علم رہا۔ اس کے بعد اس سکھ نابینا نے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زانوؤں کو دبا کر کہا ”الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ! چالیس برس کے بعد گورو کا رنگ یہاں آکر دیکھا ہے۔“ اور نوجوان کو آگے کیا اور کہا ”اس کی کمر بند ہاتھ پھیریں۔ یہ گوروں کی سیوا کرتا ہے۔ اور اگر مجھے اجازت ہو تو کبھی کبھی حاضر ہوتا رہوں۔“ حضرت صاحب قبلہ نے اس کے بازو پر پتھیلی مارتے ہوئے فرمایا ”جا مار یا ہو یا! ابھی تک نہیں اتنا بھی معلوم نہیں ہوا۔“

جو تن سے نزدیک ہے وہ مہجور ہے

جو دل سے نزدیک ہے وہ کب دور ہے

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ انہیں کچھ پلاؤ۔ وہ کہنے لگا ”یہی پلا میں جو کچھ پلا رہے ہیں۔“

آپ کرا پڑے اور فرمایا ”یہ بھی کچھ ہوتا ہے۔“

والد صاحب کہتے ہیں میں نے کہا ”کسی ہندو سے لاؤ۔“

وہ بول اٹھا ”جی کوئی بات نہیں! جہاں سے چاہو لے آؤ۔“

چنانچہ والد صاحب مولوی محمد صدیق کی دکان سے دودھ لے آئے اور وہ کہنے

لگا ”پہلے حضور نوش فرمائیں۔“ تو آپ نے ایک گھونٹ پی کر لے سے دے دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد آپ نے اسے واپس جانے کی اجازت دے دی۔ والد صاحب

نے اس نابینا سے پوچھا ”تم کیسے آگئے ہو۔“ اس نے بتایا ”میں سیالکوٹ میں تھا۔

رات کے ساڑھے گیارہ بجے روحانی تار ملا اور صبح میں حاضر ہو گیا۔“

دوسرے دن لوہاراں والی مسجد میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ شراق پڑھنے



کے لیے وضو فرمایا ہے تھے تو بعد فراغت آپ نے فرمایا " حاجی سردار نذر محمد صاحب بڑے اچھے
 پار سا بزرگ ہیں، ہمیں ان کی بڑی عزت ہے لیکن اس نابینا سیکھ کی طرح " فنا " والے
 تمام پنجاب میں ہندو مسلمانوں میں تین یا چار آدمی ہیں۔ مگر ہمیں تو سردار نذر محمد صاحب
 ہی اچھے ہیں۔ اللہ اللہ کرنے والے یہ ہندو یا سیکھ یا دوسرے مذاہب کے افراد کا حصہ یہاں
 دنیا میں ہی ہے۔ آخرت میں نہیں ہے اور پھر ہمیں تو ہر حالت میں شریعت کا پاس ہے۔
 ایک دفعہ اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب نے عشرہ کی نماز کے بعد ایک دو ہمراہیوں
 کے ساتھ قصبہ سے باہر تشریف لے گئے۔ آپ شہر کے دروازہ سے نکل کر بولیاں والے
 کنواں سے ہوتے ہوئے کچھ دو آگے نکل گئے۔ چلتے چلتے ایک جگہ آپ نے ساتھیوں کو
 ٹھہرایا اور خود پیشاب کرنے آگے بڑھ گئے۔ آپ نے اپنی جیب میں سے تسبیح نکالی
 اور اسے ایک کبکیر کے درخت کی ٹہنی پر لٹکا کر خود حوائج ضروریہ کے لیے چل دیے بعد فراغت
 واپسی پر راستہ میں ہی ایک جگہ " پیراں بھارا " (پاؤں کے بل) بیٹھ گئے اور کچھ دیر بعد ہا
 سے اٹھ کر استنجائی کے کنویں کی طرف سے آنے والی پانی کی نالی پر چلے گئے۔ استنجار
 کے بعد آپ نے کبکیر کے درخت سے تسبیح اتاری اور ساتھیوں کو لے کر گھر کی طرف
 واپس ہوئے۔ راستہ میں آپ نے فرمایا " جب میں پیشاب کر کے لوٹا تو راستہ میں ایک
 جگہ پاخانہ پڑا ہوا تھا۔ وہ سوکھ کر سنہری رنگ کا ہو گیا تھا۔ مجھے وہ بڑا خوبصورت لگا
 اس کے پاس بیٹھ گیا مجھے اس پر بڑا پیارا رہا تھا۔ پاخانہ نے زبانِ حال سے مجھے کہا " تمہیں
 جو مجھ پر اتنا پیارا رہا ہے اور بڑی محبت بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہے ہو، مجھے کھا کر
 نہیں لیتے "؟ میں نے یہ سن کر جواب دیا کہ " تجھے کھانوں لیکن کیا کروں شریعت اجازت
 نہیں دیتی۔ حضرت کے فرمان کا ہر طرح سے لحاظ ہے اور ہر چیز سے مقدم " نیز آپ نے
 فرمایا۔ " جیب میں کبکیر کے درخت سے تسبیح اتارنے لگا تو کبکیر نے زبانِ حال سے مجھے یوں
 کہا! دیکھ! میں اکیلا ہوں۔ میرا اللہ بھی ایک ہے۔ دل میں اسی ایک کا دھیان رکھو،

ماسوا، ہر کسی کا خیال چھوڑ دو۔“ اس کے بعد آپ نے فارسی میں یہ فرمایا !

نہ باید گریست اندر چہیز کس دل

کہ دل برداشتن کار لیست

مست یا کہ با شریعت

کسی گاؤں میں جلال دین نامی ایک شخص رہتا تھا۔ وہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھا اس نے سنا کہ موضع ”باٹھ“ میں ایک مست فقیر رہتے ہیں۔ وہ بڑے کامل بزرگ ہیں۔ چنانچہ جلال دین بڑے شوق سے وہاں پہنچا۔ اس مست نے اس پر کمال شفقت کی اور اسے بھی مست کر دیا۔ اسی مستی میں جلال دین لاہور چلا آیا۔

ان دنوں منتری کرم دین مرحوم ملازمت کے سلسلہ میں لاہور مقیم تھے۔ جلال دین جو اب ایک مست حال فقیر تھا ان کے مکان پر آیا۔ انہوں نے کھانے کے لیے اسے ایک روٹی دی، وہ روٹی لیے ساری رات سیڑھیوں میں ہی بیٹھا رہا اور صبح ہوئے نہ پراسی کھتا۔ مستی میں شریکو پور شریف چلا آیا۔

شریکو پور شریف پہنچ کر مسجد حضرت میا نصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے وہ روٹی کھا۔ میں نے کھڑا تھا کہ حضرت صاحب قبلہ گھر سے تشریف لائے۔ نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ جلال دین نیچے کھڑا ہے اسے لے آؤ۔ جب اسے مسجد میں لایا گیا تو حضرت صاحب قبلہ نے پکڑ کر اسے لٹایا اور یہ کہتے ہوئے ”لاؤ تمہاری مستی نکالوں۔“ خوب پٹیا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو سرکار نے پوچھا ”بتاؤ کہ ہر جانا ہے۔“

۱۔ موضع ”باٹھ“ ضلع لاہور میں واقع ہے۔ مست فقیر کا نام شہاب الدین المشہور بابا مست، باٹھان والا تھا۔
یہی دروازہ لاہور کے باشندے تھے۔

اُس نے عرض کی۔ "حضور! جدھر آپ ارشاد فرمائیں۔"

آپ فرماتے لگے۔ "پہلے گھر جاؤ۔ اپنی والدہ سے ملو اور پھر اپنا کاروبار خوب جی لگا کر کرو۔" نیز آپ نے ارشاد فرمایا "ان مستوں سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ یہ کمال مہربانی کریں تو اپنے جیامست کر دیتے ہیں۔ بصورتِ دیگر منفی حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے باشریعت بزرگوں کے پاس حاضر ہونا بہتر اور افضل ہے۔"

مساوات

ایک دن سرکارِ میانصاحب شہرِ قیوڑی رحمتہ اللہ علیہ کی قد مبوسی کے لیے ایک ذیلدار حاضر ہوا بڑا بڑا انڈیل اور لمبا تڑنگا جوان تھا۔ رعب اور نمکنت اس کے چہرہ سے ہو رہی تھی ریوا اور کمر سے بندھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور مسکین صورت آدمی بھی تھا جس کے معمولی کپڑے اور اس زمیندار کے پیچھے پیچھے موڈ بانہ چلتے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی اس کا ملازم ہے۔ وہ دو تلو اعلیٰ حضرت شہرِ قیوڑی رحمتہ اللہ علیہ کی بیٹھک میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب قبلہ تشریف لائے بعد ملاقات اور گفتگو کھانے کا وقت ہو جانیکی وجہ سے دسترخوان بچھا اور کھانا چُن دیا گیا سب اجباب جو وہاں موجود تھے دسترخوان پر بیٹھ گئے لیکن ذیلدار کا ساتھی اپنی جگہ پر بستور بیٹھا رہا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے اسے بھی فرمایا۔ "بھئی! تم بھی آؤ اور سب کے ساتھ ملکر کھانا کھاؤ۔" یہ سنکر وہ ذیلدار کہنے لگا "جناب! سے علیحدہ کھانا دیا جائے یہ ہمارا "کھین" (مبعضی کام کرنیوالہ غلام کی طرز کا ملازم) ہے۔ حضرت صاحب قبلہ خاموشی سے اٹھے اور اندر سے کھانا لاکر اُس کے سامنے رکھ دیا اور بلند آواز سے فرمایا "نم بھی کھیں، میں بھی کھیں۔" آؤ! میں اور تم ملکر کتھے کھاتے ہیں۔" اور آپ اس کے ہمراہ کھانا کھانے لگے۔

حضرت صاحب قبلہ کی گفتگو سن کر اور اس کے ساتھ کھانا کھاتے دیکھ کر ذیلدار

کے چہرہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ شرمندگی سے سرنگوں ہو گیا اور اسکی پیشانی پر قطراتِ
 ندامت ہویدا ہو گئے۔ اس پر رقت طاری تھی اور وہ رور و کر کہتا تھا ”سرکار! میں بھی
 آپکے ساتھ کھانا کھاتا ہوں۔“ آپ کراتے تھے اور فرماتے تھے ”نہیں بھائی تم ذبیدار
 ہوئے۔ ریس اور بڑے آدمی۔ تمہیں ہم سے علیحدہ ہی کھانا چاہیئے۔ ہم دونوں کھیتے ہیں
 ہم اکٹھے بیٹھ کر کھائیں گے۔“

سُبْحَانَ اللَّهِ! مساوات۔ احترامِ آدمیت۔ حقوق العباد، سُنَّتِ رَسُولِ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور شریعتِ مطہرہ کا اس قدر خیال! ایسا منظر کہاں دیکھنے میں آئے گا؟
 پھر اس کی تلقین کس اچھوتے اور موثر انداز میں۔ ادبیائے سلف کی سی عادات اور قرونِ اولیٰ
 کی روایات کو اس دورِ پُرفتن اور اس گئے گزرے زمانہ میں قائم رکھنا آپ کا ہی حصہ تھا۔

سر شفیق مرحومؒ

میاں سر محمد شفیق مرحوم کی ذات محتاج تعارف نہیں کسی زمانہ میں متحدہ ہندوستان
 میں سر شفیق کا طوطی بولتا تھا پہلے تو وہ ایک کامیاب بیسٹرن تھے اور وائسرائے کی ایجنٹ جیٹو
 کونسل کے ممبر بعد میں وزارتِ قانون کا قلم دان اُن کے سپرد کر دیا گیا۔ سر شفیق علیٰ حضرت
 میاں صاحب شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خالہ زاد تھے جب تک آپکی خالہ بقید حیات رہیں
 آپ ان کے سلام کو سر شفیق کی کوٹھی اکثر جلاتے رہے۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ اپنی خالہ کے ہاں تشریف لائے ہوئے تھے کہ
 سر شفیق کی والدہ اپنی بہو یعنی لیڈی سر شفیق اور دختر سر شفیق (بیگم شاہنواز) کو ساتھ لیے آپ
 کی طرف آئیں آپ نے دُور سے ہی دیکھا تو پُچار کر کہا ”خالہ جان! لے جائیے ان ”دوسری
 چیزوں کو، اور اپنے ان سے ملنے سے انکار کر دیا اور نہ ہی آپ ان سے ملے آپ کی خالہ صاحبہ
 نے آپ سے کہا کہ آج کھانا نہیں کھا لو۔ چنانچہ آپ نے خالہ صاحبہ کی دل جمعی کی خاطر سہرا ہیرا



سے کھانا وہیں کھالینے کا ارشاد فرمایا۔ نیز حکم دیا کہ ”سر شفیع کے ڈرائیونگ روم کا سب سامان صوفے وغیرہ باہر نکال دیے جائیں۔ ہم زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی کر دیا گیا۔

اسی اثناء میں شفیع دفتر سے کوٹھی آئے اور سب سامان باہر دالان میں نکلا پڑا دیکھ کر سخت حیران ہوئے گھر سے پوچھا تو پتہ چلا کہ سرکار میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ یہ سنا تھا کہ ان پر کپکپی طاری ہوگئی۔ جلدی جلدی سوٹ اتارا اور دوسرے کپڑے پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کھانا کھا چکنے کے بعد حضرت صاحب قبلہ کے کسی سوال پر سر شفیع نے کہا ”حضور! میں تو مسلمانوں کا بڑا خیر خواہ ہوں“ یہ سنا تھا کہ آپ خوش آگیا آپ نے اس کی لٹپی اتار کر اس کے سر پر دے ماری اور فرمایا ”تمہارا کعبہ تو لندن ہے اور انگریز کا قانون تمہارا قرآن۔ میں تو تب تمہیں مسلمانوں کا خیر خواہ سمجھوں اگر تم قانون بناتے وقت قرآن تشریف دیکھ کر اس کے مطابق قوانین مرتب کرو۔ کیا ہی لطف ہوتا تشریعت کے مطابق اتنی بڑی تمہاری داڑھی ہوتی۔ تم کونسل میں بیٹھے ہوتے اور غیر مسلمانوں پر تمہارا رعب ہوتا وہ بھی سمجھتے کہ ہاں! کونسل میں کوئی مسلمان بیٹھا ہے“

سر شفیع پر رقت طاری تھی اور وہ رو رہا تھا۔ کچھ وقت گزارنے کے بعد حضرت صاحب قبلہ وہاں سے چلے آئے۔ سر شفیع کا کہنا تھا ”میں نے آج پچیس برس کے بعد زمین پر بیٹھ کر ہاتھ سے روٹی کھائی ہے۔“

ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کہیں باہر جانے کے لیے لاہور اسٹیشن پر پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ اسٹیشن خوب سجا یا گیا ہے۔ جھنڈیا لگی ہوئی ہیں۔ دروازے بنائے گئے ہیں اور خوب چہل پہل ہے۔ حضرت صاحب

لے پچھلے صفوں پر جو مذکور ہوا سر شفیع کی بیوی اور لڑکی دونوں کی وضع قطع فرنگی طرز کی تھی خود سر شفیع بھی فرنگی طرز کے ہو گئے تھے جسے آپ تشریعت کے خلاف بہت برا سمجھتے تھے۔



قبلہ پلیٹ فارم سے گزر رہے تھے کہ سر شفیق اپنے کچھ اور ساتھیوں کے ساتھ مل گیا اور حضور سے نہایت ادب کے ساتھ ملاقی ہوا۔ آپ نے پوچھا ”اسٹیشن ڈاہن کی طرح سجا گیا ہے کیا بات ہے۔“

”ہمارا دائرے آرہا ہے حضور! سر شفیق نے جواب دیا۔
 یہ سننا تھا کہ آپ پر سکتہ طاری ہو گیا اور آپ رقت بھری آواز میں فریاد لگے۔
 ”ہمارے بھی ایک دائرے ہیں“ اور فارسی کے یہ شعار بڑھے
 ہمہ انبیاء در پناہ تو اند
 ہمہ منیری ہمہ اخترند
 تو سلطان سکی ہمہ چا کروند
 جب آپ نے یہ اشعار پڑے تو عجیب عالم تھا۔ سر شفیق اس کے ہمراہ ہی انسر و دیگر
 حضرت صاحب قبلہ کے ساتھیوں پر رقت طاری تھی اور سب کی آنکھوں سے آنسوؤں
 کا سیلاب جاری تھا۔ سبحان اللہ گوی عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

درود شریف کے شماروں کا احشام

شرق پور شریف سے جنوب کی طرف پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک مشہور و معروف
 گاؤں فیض پور کلاں ہے۔ کسی زمانہ میں یہ گاؤں ایک بار دلتی قصبہ تھا۔ دریائے راوی
 کے کٹاؤ کے عمل کی وجہ سے یہ برباد ہوا۔ اب اس گاؤں کی دو تہائی آبادی دوسرے
 قصبوں اور شہروں میں منتقل ہو چکی ہے۔

اس گاؤں کے مشہور خاندان کا نمبر دار چوہدری اللہ بخش ایک دفعہ شرق پور شریف
 حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعد از ملاقات آپ مسجد
 میں نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ بھی آپ کے ہمراہ مسجد میں نماز کے لیے چلا آیا۔
 حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں بعد از نماز فجر اور نماز عشر
 سے پیشتر ایک لمبی چادر پر اکٹھے بیٹھ کر کھجور کی گٹھلیوں پر درود شریف حضرت پر پڑھا

جانا تھا۔ (جو آج تک اسی ترتیب سے جاری ہے) چنانچہ حضرت صاحب قبلہ دوسرے اجاب کے ہمراہ چوہدری اللہ بخش بھی درود پاک پڑھنے لگا۔

چوہدری اللہ بخش بڑی لمبی پگڑی باندھا کرتا تھا اور اس کی بڑی پگڑی سارے علاقے میں مشہور تھی۔ درود شریف پڑھنے کے دوران میں چوہدری اللہ بخش نے کھجور کی گھٹیوں (شماروں) کو ہاتھوں میں لے کر جہاں شمارے ختم ہو چکے تھے وہاں پھینکا۔ شماروں کو اس طرح پھینکتے دیکھ کر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے کبیر خاطر ہوئے اور فرمایا۔

”چوہدری صاحب! آپ کی اس بڑی سی پگڑی کو آپ کے سر سے اتار کر دور سے دور پھینکا جائے تو کیا آپ کو غصہ نہیں آئیگا۔“ جن شماروں پر درود پاک پڑھا جاتا ہے ان کی عزت کیا تمہاری پگڑی سے بھی کم ہے؟ آپ کے اتنا فرمانے پر چوہدری اللہ بخش بہت شرمندہ ہوئے اور انہوں نے آئندہ کے لیے توبہ کی۔ علاقے کے بڑے بوڑھے جانتے ہیں کہ چوہدری صاحب کی اس دن کے بعد کی زندگی نہایت زہد و اتقا میں گزری ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

حضرت صاحب قبلہ شرفی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جب کبھی کسی دنیا دار بڑی شخصیت کی آمد کا علم ہوتا تو آپ اس کے آنے سے پیشتر ہی بیٹھک سے اٹھ کر چلے جاتے اور اس کی آمد کے بعد تشریف لاتے یہ اس لیے کہ اس دنیا دار کی تعظیم کے لیے آپ کو اٹھنا پڑے۔ ایک دن ڈاکٹر محمد اقبال سر محمد شفیع مرحوم جو میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالہ زاد تھے کہ ہمراہ شرفیور تشریف حاضر ہوئے۔ آپ ان کے آنے سے پہلے ہی بیٹھک سے اٹھ گئے تھے ڈاکٹر صاحب آئے اور بیٹھک میں بیٹھ گئے۔ جب حضرت صاحب قبلہ تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحب تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے ڈیڑھی میں قدم رکھتے ہی فرمایا ”اھا! آج ہمارے جیسا کون ہے جبکہ ہمارے ہاں خود ”اقبال“

(فومعنی لفظ) آگیا ہے۔ اور پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے فرمایا۔ لے میاں !
 جاؤ حجام کو بلالو ہماری بھی وارٹھی مونچھیں مونڈ جائے ہمارے ہاں اقبال جو آگیا ہے
 اور آپ نے سر اقبال کی انگریزی وضع اور لباس پر سرنش کی۔ ان باتوں کا ڈاکٹر صاحب
 پر بڑا اثر ہوا اور ان پر رقت طاری ہو گئی۔

علامہ صاحب نے درد بھرے انداز سے عرض کی ”حضور! آپ عاشق رسول
 ہیں گناہوں سے نفرت ہونا چاہیے۔ گناہگار سے نہیں۔“

اس پر حضرت صاحب قبلہ میں نرمی آگئی اور آپ ان کے پاس بیٹھ گئے۔ بعد
 ازاں آپ نے علامہ صاحب کی خاطر تواضع کے ساتھ انہیں تلقین بھی کی۔

حضرت صاحب سے ملاقات کے بعد علامہ صاحب نے دنیاوی لہو و لعب ترک
 کر دیے اور اکثر لوگوں نے انہیں کہتے سنا۔ ”بڑے بڑے فقیروں جابر اور پڑوتار شخصیتوں
 کے پاس پہنچا لیکن جو عرب و بدبہ میں نے اس مرد قلندر میں دیکھا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔“





آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چہ بمانند

حافظ شیرازی



نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو فوقِ یقین پیدا تو کسٹ جاتی ہیں زنجیریں

اقبال



فیضانِ نظر

سُلطان العارفين حضرت سُلطانِ باہور رحمۃ اللہ علیہ کلید التوحید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مُرشدِ کامل، طالب کو سرفراز کرنا چاہے تو ایک نظر میں اعلیٰ مراتب و مناصب پر پہنچا دیتا ہے۔ اس کی ایک نظر کو ستمہ اور اس کی توجہ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مل جانے سے کہیں بہتر ہوتی ہے۔ اس کی ایک نظر سے خاک، سوتا اور چاندی ہو جاتی ہے۔“

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں ”درویش کی نظر سے دل بیدار ہو جاتا ہے اور فقیر کی نظر سے طالب روشن ضمیر اور اپنے نفس پر حاکم ہو جاتا ہے۔“

الحمد للہ! اعلیٰ حضرت سرکار میانصاحب شریقی پوری رحمۃ اللہ علیہ کو رب ذوالجلال نے اسی نگاہِ کیمیا صفت عطا فرمائی تھی کہ جس پر پڑ گئی خدا آشنا ہو گیا جس کسی کو حضور نے نظر بھر کر دیکھا اس کی حالت غیر ہو گئی۔ بڑے بڑے نفس پرست اور بد باطن لوگ آپ کی نظر کو مہ سے صاف باطن، نیک نفس اور پارسا بن گئے۔

ایک دفعہ حضرت صاحبِ بلہ رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف جانے کے لیے شریقی پوری سے روانہ ہوئے اور لاہور ایٹیشن پر پہنچ کر سرہند شریف کے لیے ٹکٹیں خرید لی گئیں جس پلیٹ فارم پر گاڑی کھڑی تھی آپ اس طرف چل پڑے۔ راستہ میں پلیٹ فارم پر ایک پچیس سالہ سکھ نوجوان کھڑا تھا۔ جس کی اچھی پوشاک اس کے ذوقِ جمالیات کی غماض تھی۔ انگریزی لباس اور اس کے تیو بتا رہے تھے کہ اچھا خاصہ تعلیم یافتہ ہے اس کا ایک ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا اور دوسرا گھنی موچھوں کو بل دینے میں مصروف۔ غرور اور تمکنت اس کے

چہرے سے ہویدا تھی۔ جب حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے پاس سے گزرے تو دو قدم آگے جا کر اپنے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا اور واپس آگئے۔ حضرت صاحب قبلہ نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے منہ پر پھیرے اور فرمایا ”یہ شکل تو مسلمانوں جیسی ہے۔“ اتنا کہہ کر آپ گاڑی میں جا بیٹھے اور وہ سکھ نوجوان آگ بجولہ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں اور چہرہ لال بھبھو کا ہو گیا۔

تھوڑی دیر وہ سکھ نوجوان سکتے کے علم میں کھڑا رہا اور پھر اس نے اپنا ٹکٹ نکالا اور کہنے لگا ”کسی نے گوجرانوالہ جانا ہے؟“ کوئی جواب نہ پا کر اس نے ٹکٹ مل کی پٹری پر پھینک دیا اور تلاش کے بعد حضرت صاحب قبلہ کے پاس گاڑی میں جا بیٹھا۔ وہ خاموش تھا اور اس پر رقت طاری تھی آپ نے اسے کچھ نہ فرمایا بلکہ بابا مستری کرم دین مرحوم کو اشارہ کیا کہ وہ دوڑ کر اس کا ٹکٹ سر ہند شریف کا لے آئے۔ سر ہند شریف پہنچنے تک اس کا یہی علم رہا اور وہ بالکل خاموش رہا۔ سر ہند شریف پہنچے تو سب دو سٹول نے دُکھ کیا اور وہ سکھ نوجوان نہا کر ساتھ ہو لیا۔

جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری ہوئی تو وہ خوب دوسکھ نوجوان حضرت میا نصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہو کر بیعت ہوا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا ”داڑھی تو تمہاری پہلے ہی ہے مویں تو تھیں تہ شوادو اور سر کے بال کا زون تک سنت کے مطابق رہتے دو۔ اس بات کا خاص خیال ہے کہ گھر والوں سے کچھ نہیں کہنا یعنی جھگڑا وغیرہ نہیں کرنا۔“

بعد ازاں وہ نوجوان کسی دفعہ شرفپور شریف حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی نظر فیضِ سماں نے اسے اندھیرے اور پستی سے نکال کر اُجالے اور بُندی پر لاکھڑا کیا۔ آپ کی نظر کرم سے وہ نیک، پارسا اور تہجد گزار بن گیا۔

سر ہند شریف میں مسجد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک حجرہ



میں بابا علی محمد صاحب رہا کرتے تھے۔ انہیں کسی کامل شیخ کی جستجو تھی۔ جن کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے سلوک کی منزلیں طے کریں اور انوار و نجات سے اپنے مُضطرب دل کو تسکین دے سکیں۔ انہیں دنوں میدانِ تصوف کے شاہ سوار سرکار میانصاحب شرفی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت شہرہ تھا۔ آپ کے کمالات سُن کر بابا علی محمد کو بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہونے کا شوق پیدا ہوا اور وہ موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف تشریف لے گئے اور خود ہی بابا علی محمد کے حجرہ میں چلے گئے۔ بابا علی محمد پر سرکار نے توجہ فرمائی اور فیض سے مالا مال کر دیا۔ بابا صاحب کا عجیب علم تھا اور جدانی کیفیت طاری تھی۔ لیکن بابا علی محمد کو معلوم نہیں تھا کہ قلب جاری کر نیوالے کون ہیں۔

تین چار ماہ کے بعد اپنی سابقہ جستجو اور شیخ کی تلاش میں وہ شرفیور شریف حاضر ہوئے تو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ یہ تو وہی صاحب ہیں جنہوں نے حجرہ میں کمال کرم نوازی فرما کر راہِ حق سے روشناس کرایا تھا اور جب بیعت کے لیے عرض کی تو حضرت صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا ”حجرہ میں ملنے کے بعد بھی کسی بیعت کی ضرورت ہے۔“

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف حاضری کے لیے گئے تو بابا علی محمد نے آپ کی خدمت میں کچھ رقم پیش کی اور کہا ”یہ رقم حج کے ارادہ سے جمع کی ہوئی ہے۔“ یہ سُن کر سرکار نے فرمایا ”تم نے اتنی رقم جمع کیوں کی۔ یہاں رہ کر بھی تمہیں حج یاد ہے۔“ اور فرمایا ”یہ رقم مستحقین میں تقسیم کر دو۔“ لہذا صاحب الارشاد بابا علی محمد نے مذکورہ رقم غریبوں میں تقسیم کر دی۔

نظر جنہاں دی کی میا.....

”پنجاب کے ”ماجھے“ میں کون شخص تھا جو تارِ بخش ڈاکو کے نام سے واقف نہ



ہو۔ آج بھی اس علف کے بڑے بوڑھے اس کی دلیرانہ ڈاکہ زنی کی وار داتوں کے افسانے دیہاتوں کے جھرمٹ میں مزے لے کر بیان کرتے ہیں۔ چار ڈاکوؤں کی ٹولی میں "رایاں" ضلع لاہور کے اس نامور سپوت کو ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ اس ڈاکہ زن ٹولی میں اکثر میا نصاحب شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی موضوعِ بحث بنی رہتی۔ یہ لوگ تبصرہ کرتے ہوئے اکثر کہتے کہ معلوم نہیں اس شخص کے پاس اتنی دولت کہاں سے آتی ہے جس سے کہ یہ سینکڑوں مہانوں کو ہر روز کھانا کھلانے کے علاوہ اتنی دریا دلی اور فیاضی سے مستحقین میں سخاوت کرتے ہیں۔ ان کے پاس ضرور کوئی خزانہ ہے۔" آخر یہ فیصلہ ہوا کہ قادر بخش جو ان چاروں میں زیادہ سمجھدار، چالاک، بہادر اور نڈر ہے۔ وہاں جا کر اس بات کا سراغ لگائے کہ اتنی دولت کہاں سے آتی ہے اور اسے حاصل کرنے کے مواقع کیسے ميسر آسکتے ہیں۔ چنانچہ طے شدہ سکیم کے تحت قادر بخش شرفپور شریف میا نصاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر ایک مہان کی حیثیت سے آ پہنچا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ نووارد مہانوں کے پاس خود تشریف لے جاتے اور انکو لوچھنتے۔ عادت کے مطابق آپ قادر بخش کے پاس بھی آٹھچھا اور پیار سے پوچھا "کہاں سے تشریف لائے ہو اور کیا نام ہے آپ کا" اُس نے عرض کی "حضور! رایاں ضلع لاہور کا رہنے والا ہوں اور قادر بخش نام ہے" یہ سُن کر آپ نے ہنسنے فرمایا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف اٹھانے ہوئے تین بار کہا "یا قادر! بخش! یا قادر! بخش! یا قادر! بخش!"

اس کے بعد آپ نے دسترخوان بچھا کر کھانا رکھا اور اس کی پیٹھ پر تھکی دے کر فرمایا۔
"اچھی طرح کھانے چلے جاؤ۔ کام تمہارا تو شاید ممکن نہیں۔"

قادر بخش بڑا گراںڈیل۔ قوی الجنتہ اور طویل قامت جوان تھا۔ وہ دس بارہ روٹیاں ایک ہی وقت کے کھانے میں کھا جاتا تھا۔ وہ آٹھ دن متواتر یہاں مقیم رہا۔ دولت و خزانے

کے سُرغ میں ہر چیز اور ہر جگہ کا اچھی طرح جائزہ لیتا رہا۔ لیکن یہ تو وہ دولت تھی جسے نہ چوروں کا خدشہ تھا نہ راہزن کا ڈر۔ یہ تو قدرت کے عطا کردہ پراسرار خزانے تھے جن تک پہنچنا قادر بخش کے بس کا روگ نہیں تھا بلکہ بڑے بڑوں کی نظریں وہاں تک پہنچ سکتی تھیں نہ پہنچ سکیں۔

آخر اتنے دنوں کے بعد قادر بخش حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر روانہ ہونے لگا تو آپ نے تھوڑی سی چپاٹیوں میں کچھ سالن پیسٹ کر اس کو بانڈھ دیں اور قصبہ کے باہر "شیتجانیوں" کے کنویں تک اسے چھوڑنے گئے اور واپس آتے وقت اسے فرمایا "ذرا خیال سے جانا" اور قادر بخش اپنے گاؤں روانہ ہو گیا۔

شترتپور شریف سے کوئی دو میل کے فاصلہ پر ایک بہت بڑا درختوں کا ذخیرہ (جنگل) ہے اس میں ایک تہرہتی ہے۔ جب قادر بخش اس نہر کے پار پہنچا تو بسیختہ اُس کی زبان پر ذکر الہی جاری ہو گیا اور وہ وجدانی کیفیت سے دوچار ہوا کپڑے پھاڑ ڈالے اور ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ آخر کار بیہوش ہو کر گر پڑا۔

جو بس گھنٹے بے سدھ پڑا رہنے کے بعد آخر اس کے حواس کچھ درست ہوئے تو اپنے جسم پر نگاہ پڑی تو دیکھا کپڑے پھٹ جانے کی وجہ برہنہ ہو گیا ہے اور جسم پر خراشیں آگئی ہیں اور خون رس رہا ہے۔ اُس نے اپنے پھٹے ہوئے پیراہن کی بھری ہوئی دھجیاں اکٹھی کر کے اپنے جسم کے خاص خاص حصوں کو ڈھانپا اور واپس شترتپور شریف چل پڑا۔

لے پھلے صفحہ پر ہم لکھا آئے ہیں یہ بڑا طاقت ور آدمی تھا اس کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ حضرت صاحب قبلہ کے صال کے بعد جبکہ مزار شریف دلے کنویں کا "پڑانہ" بن رہا تھا اور لوگ اس پاس سے مٹی اٹھا اٹھا کر وہاں پھینک رہے تھے تو ان مٹی اٹھانے والوں میں میان قادر بخش بھی شامل تھا۔ اس وقت بھی اس کی جسمانی قوت کا یہ عالم تھا کہ دو گدھوں کے برابر وزن (تینا وزن) اٹھا کر گھرے اٹھاتے ہیں (اٹھاتا تھا اور اس پر سوار کرتا تھا کہ مٹی ابھی کم ہے۔



چھیڑوں میں لپٹا ہوا یہ گرد آلود جوان جب نیم بیہوشی کی حالت میں شرقیہ شریف پہنچا تو اس نے حضرت صاحب قبلہ کو گلی کے سرے پر پہلے سے ہی منظر پایا۔ اس کو دیکھ کر آپ متبسم ہوئے اور فرمایا ”تم تو بڑے نڈر اور بہادر تھے۔ میں نے تو تمہیں کہا تھا کہ ذرا دھیان سے جانا۔ تم تو تھوڑا سا بھی برداشت نہ کر سکتے“ آپ اسے اندر بیٹھک میں لے آئے اور اندر سے اُجلے کپڑے لاکر اسے پہنائے۔ بعد ازاں آپ نے اسے نماز ادا کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ اور ساتھ ہی کہا ”پہلے تو قدر بخش ڈاکو تھا اب میاں قادر بخش ہو“ آپ کہتے تھے اب جاؤ تو وہ متواتر روتے جا رہا تھا اور ہاتھ جوڑ کر کہتا تھا ”حضور! اب میں جانے کے قابل نہیں رہا۔“

تاہم آپ نے اسے توبہ کرائی اور فرائض کی انجام دہی اور ذکر کی تلقین کرتے ہوئے اسے واپس گاؤں بھیج دیا۔ وہاں اس کے پرانے ساتھیوں نے اس مشن کے متعلق پوچھا جس پر اس کو بھیجا گیا تھا تو قادر بخش کی آنکھوں میں آنسو بھرائے اور اس نے روتے ہوئے کہا ”وہاں سے ہو آنے کے بعد اب میں تمہارے قابل نہیں رہا۔“ کہتے ہیں کچھ دنوں بعد اس کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے اُن ساتھیوں نے بھی بڑی باتوں سے توبہ کر لی۔ قادر بخش اب قادر بخش نہ تھا بلکہ علاقہ بھر میں میاں قادر بخش کے نام سے مشہور تھا۔

وہ نہ صرف پابندِ صوم و صلوٰۃ تھا بلکہ تہجد کی اذان دیا کرتا اور لوگ اس کی تبلیغ اور اس کے کردار سے متاثر ہو کر اس کے ہمراہ نماز تہجد باجماعت ادا کیا کرتے۔

قادر بخش اکثر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس شرقیہ شریف آبا کرتا۔ ایک دن اس نے عرض کی ”حضور! اب میں کیا کام کروں“ آپ نے فرمایا ”کسی کو کچھ دوا دارو بتا دیا کرنا۔“ حضور کے اس ارشاد سے وہ بڑا پریشان ہوا اور دل میں کہنے لگا ”میں تو بالکل ہی

اُن پڑھ ہوں۔ کچھ نہیں جانتا۔ یہ بات کیسے چلے گی“ کچھ دن پھر اس نے آپ کی خدمت میں عرض کی۔

”حضور! اب میں کیا کام کروں۔“

آپ نے ارشاد فرمایا ”کسی کو کچھ دوا دارو بتا دیا کرتا۔“

دن ایسے ہی گزرتے گئے۔ ایک دن قادر بخش گاؤں میں ایک پنساری کی دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک بڑا زبندار سکھ جس کا نام اچھی طرح یاد نہیں رہا غالباً سند سنگھ تھا آ رہا تھا اسے آتے دیکھ کر میاں قادر بخش کہنے لگا ”تیری بیوی ایک عرصہ سے بعارضہ تپ دق بیمار ہے اور تم نے بڑے علاج کیسے کیے ہیں۔ کیا میں بھی اس کا علاج کروں؟“ یہ سن کر وہ سکھ کھکھلا کر ہنس پڑا اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ حکیم تو ہے نہیں ازراہ مذاق کہا ”بڑی خوشی سے کرو میاں!“

قادر بخش نے کہا ”میں اس کا علاج کروں گا اور اسے آرام ہو جانے کے بعد ایک بھینس اعلیٰ قسم کی، ایک گھوڑی بہت اچھی نسل کی اور ایک سے رو پیہ لوں گا۔“ اور سکھ زمیں دار نے منظور کر لیا۔

میاں قادر بخش نے اس ہندو پنساری جس کی دکان پر وہ بیٹھا ہوا تھا سے کہا ”لالہ! لکھو نسخہ“ اور چند ایک معمولی قسم کی چیزیں از قسم غناب، سوڑیاں وغیرہ لکھوادیں۔ یہ نسخہ سن کر وہ سکھ اور پنساری ہندو خوب ہنسے اور خوب مذاق اڑایا۔ لیکن میاں قادر بخش نے نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا ”ارے سند سنگھ! تم نے بڑی تعداد میں بڑے قیمتی علاج کیسے کیے ہیں۔ میرے اس معمولی علاج سے تیری بیوی مر نہیں جائیگی۔ تین یوم کر کے دیکھ لو۔ اگر میرا اللہ شفا کرے تو تمہیں کیا عمت ارمن ہے۔“

یہ باتیں سن کر سند سنگھ نے نسخہ لے لیا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں ہرج بھی کیا ہے علاج شروع کر دیا۔ خدا کی قدرت! اس کی بیوی کو بتدریج افاقہ ہونے لگا۔ قریباً ایک ماہ



بعد وہی چار پائی سے لگی ہوئی نجیف و نزار مرصینہ خود چل کر میاں قادر بخش کے پاس آئی اور
 ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے ہوئے کہا ”میاں! چلو ہمارے لیے میں اور اپنی حسبِ نسا ایک
 بھینس اور ایک گھوڑی لے لو۔“ میاں قادر بخش ان کے ہمراہ بھینسوں کے گلہ میں پہنچا وہاں بڑی
 تعداد میں اچھی اچھی بھینس کھڑی تھیں اور چار عدد بڑھیا نسل کی گھوڑیاں۔ ان میں سے میاں
 قادر بخش نے اپنی پسند کی ایک بھینس اور ایک گھوڑی لے لی اس کے بعد اس سکھ زمیندار نے
 مبلغ یک صد روپیہ پیش کرتے ہوئے کہا ”میاں جی! یہ سو روپیہ، بھینس اور گھوڑی تو آپ کا
 مانگا ہوا حق تھا اور اب ہم اپنی طرف سے ایک بھینس، ایک گھوڑی اور پانصد روپیہ آپ
 کی نذر کرتے ہیں۔“ لیکن میاں قادر بخش نے انکار کرتے ہوئے کہا ”میں نے جو کچھ کہا تھا،
 لے لیا ہے اس کے علاوہ ایک پائی بھی نامد نہیں لوں گا۔“

بس پھر کیا تھا میاں قادر بخش ایک حکیم کی حیثیت سے سارے ”ماٹھے“ میں مشہور
 ہو گئے اور ان کے دروازے پر ہر وقت مریضوں کی بھڑی بھڑی لگی۔ میاں قادر بخش نے جس مریض کا
 علاج کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمائی جس بیمار کے معالجہ کے لیے وہ جانا تھا جو کچھ لیا ہوتا
 تھا پہلے ہی طے کر لیا کرتا تھا اس علاقے کے، اس زمانے کے لوگ جو ابھی بقید حیات ہیں
 سب میاں قادر بخش کے واقعات سے واقف ہیں اور آج بھی دستِ شفا رکھنے والے حکیم
 کی حیثیت سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس کی ذات کو جانتی ہے۔

ایک دفعہ قادر بخش ”ماٹھے“ کے ایک گاؤں ”ستوکی“ گیا ہوا تھا۔ ستوکی کے باشندوں
 کی اکثریت غیر مقلد و باہیوں پر مشتمل تھی۔ اسی دن جبکہ قادر بخش بھی وہاں گیا ہوا تھا۔ مسجد میں
 جمعہ کی نماز کے بعد وہاںی فرقہ کے لوگ اکٹھے بیٹھے ہوئے عبدالستار کی کتاب پڑھ رہے تھے
 اسی دوران میں میاں قادر بخش جو مسجد کے اندر بیٹھا ہوا تھا اور جس کی علاقے کے سبھی فرقوں

۱۔ لاہور کے نزدیک مخصوص علاقہ کا نام جس کے لوگ بڑے بہادر ہوتے ہیں۔

کے لوگ عزت تو قریب کرتے تھے باہر نکل آیا اور کہنے لگا " میں بھی تمہیں کچھ سناؤں؟ "

سب وہابی خوش ہو کر کہنے لگے " میاں جی! ضرور سناؤ۔ "

میاں قادر بخش نے نہایت پُرسوز اور درد بھرے لہجہ میں پنجابی زبان میں کہا۔

" نہیں ہیکانے سارا جہان! میرے پیرے نو نہہ درگا۔ "

وہ تو یہ کہہ کر اندر چلا گیا اور عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے اس کے درد بھرے الفاظ

جادو بن کر لوگوں کے دلوں پر چھا گئے۔ سب پر رقت طاری تھی اور وہ رو رو کر کہہ رہے تھے

کہ اس چھوٹے سے فقرے سے دلوں کو وہ سرور حاصل ہوا ہے جو بڑی بڑی کتابوں سے

حاصل نہیں ہو سکتا۔ عشق و محبت اور پیار و الفت کی بات ہی اور ہے اور پھر....

ع دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی جن کمالات کی حامل تھی وہ

تو آپ کا ہی حصہ ہے۔ جن پر ایک نظر ڈال دی وہ بھی منبع فیوضات بن گئے اور

ایک دُنیا ہے کہ ان سے فیض حاصل کر رہی ہے۔

ع نظر جنہاں دی کیمیا سونا کر دے وٹ۔

میاں قادر بخش اکثر حضور کی خدمت میں آیا کرتا تھا اس کی طبیعت جتنی شدت

سے بڑیوں کی طرف راغب تھی اب اتنی شدت سے ہی نیکیوں کی طرف بھی مائل ہو گئی

تھی۔ وہ خوب دل لگا کر ذکر و نکر میں محو رہتا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی

اس کی طرف خصوصی توجہ فرمایا کرتے۔ اس لیے اس کی طبیعت زروں پر تھی اور حضرت

صاحب قبلہ کی توجہ خصوصی ادھر اس کی طبیعت کا میلان۔ خوب رنگ چڑھا۔ میرے

والد صاحب سے میاں قادر بخش کے خاصے دوستانہ مراسم تھے وہ اکثر ان کے پاس

دکان پر آتا تھا۔ والد صاحب کا کہنا ہے کہ اس کی آنکھیں ہر وقت سرخ اور پرخم رہا

کرتیں۔ وہ اکثر منہ پر کپڑا ڈالے رہتا۔ اس کا دیکھنا ہی عجیب کیفیت آگین تھا اور اس کا



دو روز زبانِ حال سے پکارا کرنا ۷

دوہری ہیں مستیاں میری ہر بادہِ خوار سے
اک جامِ مے سے پیتا ہوں اک چشمِ یار سے

شیخ ہوتو ایسا

ایک بزرگ حاجی محمد عبداللہ لاہور کے رہنے والے تھے۔ قادر یہ۔ نقشبندیہ دونوں
سکال میں ان کی بیعت تھی بلکہ سلسلہ علیہ نقشبندیہ میں عاصی اجازت بھی تھے۔
نہایت متقی پرہیزگار عابد اور صاحبِ دل تھے اور لاہور ہائی کورٹ میں کلرک کی حیثیت
سے ملازم تھے۔

ناچیز کے والد بزرگوار سے ان کی گہری دوستی تھی وہ فرماتے ہیں حاجی صاحب موصوف
شب بیدار اور ذکر اذکار کو نوالے تھے۔ ذکر و فکر میں ان کی محویت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ
دفتری کارروائی لکھتے لکھتے دو صفحے اہم ذات لکھ دیے متعصب ہندوؤں نے وہ
کاغذ لے جا کر ہائی کورٹ کے جج شادی لال کے روبرو پیش کر دیے اور کہا۔
”دیکھئے جناب! اس آدمی کے سرکاری کام میں بھی مذہبی جذبات کا دخل ہے
کیا یہ آدمی دفتری کام کرنے کے قابل ہے؟۔ یہ سن کر شادی لال نے حج نے حاجی محمد عبداللہ
صاحب کو بلا کر پوچھا۔

”محمد عبداللہ یہ تم نے لکھا ہے؟“ (حاجی صاحب نے اس وقت ابھی حج نہیں کیا تھا)

حاجی صاحب پہلے تو خاموش رہے پھر جواب دیا۔ ”جناب! مجھ سے ہی لکھا

کیا ہوگا۔“

شادی لال نے پوچھا ”آپ کیا کام کرتے ہیں؟“

”کلرک ہوں“ حاجی صاحب نے جواب دیا۔



شادی لال کہنے لگا۔ ”آج سے میں آپ کو ہڈی کلرک کرتا ہوں۔“ اور دوسرے ہندوؤں کو جواب دیا ”ارے! تم کہتے ہو ایسا شخص کام کے قابل نہیں۔ میں کہتا ہوں دنیا ایسے انسانوں کے سہارے ہی تو قائم ہے۔“

حاجی صاحب مرحوم ساٹھ برس کی عمر میں بھی مولانا اصغر علی روحی پروفیسر اسلام آباد لائبریری کے پاس عربی علوم پڑھنے کے لیے ہر روز جایا کرتے تھے۔ ایک دن حاجی صاحب مرحوم مولانا روحی صاحب کے پاس سبق پڑھنے گئے ہوئے تھے تو حاجی صاحب نے مولانا صاحب سے کہا۔

”آج ذرا جلدی پڑھا دیجئے۔“

مولانا صاحب نے پوچھا ”کیوں! آج کیا بات ہے۔“

حاجی صاحب نے جواب دیا ”میں اکثر شریف شریف جایا کرتا ہوں اور آج مجھے وہاں جانا ہے۔“

روحی صاحب کہنے لگے ”ہاں یار! میں نے بھی سنا ہے کہ وہاں ایک بزرگ میان صاحب ہیں۔ لیکن حاجی صاحب لوگ ایسے ہی پیر بنے ہوئے ہیں یہ محض ڈھونگ ہوتا ہے۔ اصل میں بات کچھ نہیں ہوتی۔“

حاجی صاحب نے کہا ”آپ کے خیالات آپ کو مبارک۔ مجھے تو جانا ہے۔ سبق پڑھا دیجئے۔“

مولانا روحی صاحب سبق بھی پڑھتے رہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے رہے ”یہ بزرگ

ایسے ہی ہوتے ہیں۔ یہ لویں ہوتے ہیں۔ یہ ایسا کرتے ہیں۔“

سبق پڑھا چکنے کے بعد مولانا روحی صاحب نے کہا ”بھئی حاجی صاحب ہم بھی آج تمہارے

ساتھ چلتے ہیں۔“

چنانچہ ۹ بجے کے قریب لاہور سے ڈاک لے جانے والی ٹم ٹم پر سوار ہو کر یہ دونوں



حضرات شرفیو شریف آگئے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ حضرت میان صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مہانوں کو کھانا کھلا چکنے کے بعد اپنی ڈیڑھی پرکتوں کو روٹی کے ٹکڑے ڈال رہے تھے۔ یہ دونوں بزرگ علیک علیک کے بعد حضرت صاحب قبلہ کے پاس ہی کھڑے ہو گئے آپ نے اندر چل کر بیٹھنے کو کہا لیکن وہ وہیں کھڑے رہے اور حضرت صاحب کتوں کو نہایت انہماک سے روٹی کے ٹکڑے ڈالتے رہے۔ اسی دوران یوں ہوا کہ ایک نجیف و نزار کتیا کے آگے اپنے روٹی کا ایک ٹکڑہ پھینکا تو ایک بھاری بھر کم طاقتور کتا بھونک کر اس پر بھٹا اور اس نے کتیا سے ٹکڑہ چھین لیا یہ دیکھ کر سرکار میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھوڑا سا مسکرائے اور فرمایا ”نہ بھئی اس طرح تو نہیں چاہیے۔“

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اس طاقتور کتے نے روٹی کا وہی ٹکڑا اس کتیا کے آگے ڈال دیا اور اس کے گرد پہرہ دینے لگا اور وہ کتا اس وقت تک پہرہ دیا رہا جب تک کہ آپ نے اس لاغر کتیا کو اچھی طرح نہیں کھلا لیا۔ یہ دیکھنا تھا کہ مولانا اصغر علی صاحب روحی حضرت صاحب قبلہ کے قدموں میں گر پڑے اور اونچی آواز میں پکار کر کہنے لگے۔

”شیخ ہو تو ایسا مجھے ایسا پیر ہی درکار تھا۔“

مندرجہ بالا واقعہ کے بعد مولانا روحی اکثر شرفیو شریف حاضر ہوتے رہے اور آپ سے بیعت کرنے کے لیے عرض کرتے رہے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ عموماً فرمایا کرتے تھے۔ ”مُرید کے لبوں سے یہ بات نہ نکلے کہ میں فلاں پیر کا مُرید ہوں بلکہ اس کے افعال یہ پُچار پُچار کر کہیں کہ یہ فلاں شخص کا مُرید ہے۔“

مولانا صاحب کے پیہم اصرار پر ایک دن حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا ”مولانا! میرے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ایک بت بتایا تھا۔ اتنی عمر ہو گئی۔ بوڑھا ہو گیا ہوں۔ آج تک وہ سبق اچھی طرح یاد نہیں کر سکا۔ آئیے! میں آپ کو وہ سبق بتاتا ہوں۔ میں اور آپ آمنے سامنے بیٹھ کر اس کا ”دور“ کرتے ہیں۔ شاید آپ

آپ کی طفیل مجھے بھی یاد ہو جائے۔“

ایک دن مولانا موصوف ایک نوجوان لڑکے کو سہرا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”حضور! یہ لڑکا دہریہ ہے۔ اس کی طرف توجہ فرمائیے۔ میں تو سمجھا سمجھا کر عاجز آ گیا ہوں۔“ آپ نے بظاہر تو اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی اور مولانا رومی مرحوم سے کہا ”اسے کچھ نہ کہا کیجئے۔“ اور انہیں واپسی کی اجازت دے دی۔

چند دن کے بعد مولانا پھر حاضر ہوئے اور عرض کی ”اب وہ لڑکا بالکل ٹھیک ہو گیا ہے اور میں بہت خوش ہوں۔“ آپ کرا دیے۔

اس کے بعد وہ لڑکا حضرت صاحب بلہ کی خدمت میں اکثر آتا رہا۔

لاہور میں ایک حکیم محمد یوسف رہا کرتے تھے وہ بیانا صاحب کے عقیدت مندوں میں سے تھے اور ریلوے کے محکمہ میں ملازم تھے ان کے ایک گز ٹیڈ آفسر جو غیر عقیدہ تھے اکثر ان سے اولیاء اللہ سے حصول فیضان کے متعلق بحث مباحثہ میں مشغول رہتے۔ کوئی گیارہ بارہ برس کے بعد آخر حکیم صاحب نے اپنے ان افسر صاحب کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ایک دفعہ شرف پور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ ایک دن حکیم صاحب ان کو سہرا لے کر شرف پور شریف آپ کی خدمت میں آ پہنچے۔ آپ بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔ آپ سے ملے تو حضور نے پوچھا ”کیا نام ہے۔؟“ انہوں نے نام بتایا آپ نے یہ کہہ کر کہ اتنا بڑا نام ہے اور یہ کیا بنا رکھا ہے؟ (ان صاحب کی داڑھی مونچھ سرے سے صفا تھی) آپ نے ان کے سر سے ہیٹ اتار لیا اور پٹینا شروع کر دیا۔ انہیں نیچے گر لیا اور خود اوپر چڑھ بیٹھے۔ آپ نے اسے خوب مارا۔ اس مار پیٹ کو دیکھتے ہوئے حکیم محمد یوسف صاحب جو کہ ان کے ماتحت تھے

غالباً وہ لڑکا مولانا صاحب مذکور کا اپنا صاحبزادہ تھا جو بعد میں فوت ہو گیا تھا۔



اور اتنے عرصہ کی تک دو اور جدوجہد کے بعد اس افسر کو اپنے ہمراہ لانے میں کامیاب ہوئے تھے اپنے دل میں بہت پریشان ہوئے اور دل ہی دل میں کہنے لگے۔

”عجیب بات ہے میں انہیں کس طرح لایا ہوں اور ان کی یہاں کیا درگت بنی ہے“ وہ دل میں ابھی یہ باتیں سوچ ہی رہے تھے کہ حضرت صاحب بلہ نے حکیم صاحب کی طرف دیکھا اور فرمایا: ”یہ بڑے بڑے لوگ انہیں اپنا رازق سمجھتے ہیں۔“

اور ان افسر صاحب کو جنہیں آپ نے چھوڑ دیا تھا پھر کراچی میں شریعت شروع کر دیا۔ وہ افسر خاموش تھے اور رو رہے تھے۔

اچھی طرح مار چکنے کے بعد اپنے انہیں کھانا کھلایا اور کمال شفقت و مہربانی سے تلقین فرمائی اور ارشاد فرمایا ”آج رات تم یہاں ہی رہو۔“ انہوں نے معذرت کے ساتھ عرض کی۔ ”مستحضر! ہمیں ضروری کام ہیں اور ہم نے جانا ہے اس لیے اجازت دیجئے“ اور آپ نے انہیں واپسی کی اجازت دے دی۔

شرقیہ شریفین میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی عارضی کے بعد جب کبھی بھی حکیم محمد یوسف صاحب اپنے ان افسر صاحب کے کمرہ میں جاتے تو وہ ادب کی وجہ سے اٹھ کھڑے ہوتے اور کہتے ”حکیم صاحب! دراصل تم میرے رہنما ہو۔ جو مجھے سرکار شرقیہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے جہاں کہ میری کایا پلٹ دی گئی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی حکیم صاحب کو وہ صاحب بوقت ملاقات اسی نیاز مندانہ طریق پر ہی ملتے رہے اور لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ صاحب پکے نمازی اور تہجد گزار ہو گئے تھے اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف پڑھتے رہنا اور ذکر و سکر میں مشغول رہنا ان کا معمول ہو گیا تھا۔

علامہ اقبال مرحوم نے واقعی سچ کہا ہے ع

”نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں“

نگاہ سے ٹونے جسے.....

قصور شہر میں ایک ہندو تھا جس کا نام بوٹامل کھتری تھا۔ بیس پچیس سال کے لگ بھگ اسکی عمر تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کسی امیر گھرانے کا چشم و چراغ تھا لیکن اس دُنیا میں کس کو لقب ہے امیر کو غریب ہوتے اور غریب کو امیر ہونے کتنی دیر لگتی ہے۔ امیرانہ ٹھاٹھ دیکھنے کے بعد جب غریب نے آدبوچا تو اسے جوئے کی لت پڑ گئی وہ کسی وقت پھٹے پڑانے کی پڑے پہنے ہوتا تو کسی وقت سوتے سے لدا ہوتا۔ دسوں انگلیوں میں انگوٹھیاں اور پھتے ہوتے۔ گلے میں طلائی ہارا اور شیش قیمت زیور ہوتا۔ حریر و اٹلس کے کپڑے پہن کر امیرانہ شان کا مظہر ہوتا۔ جیتا ہوا بوٹامل راجہ ہوتا تو ہارا ہوا یہ جواری فقیر بنا ہوا دکھائی دیتا۔ صوفی ابراہیم صاحب قصوری مرحوم و معذور کو اس سے بہت محبت تھی۔

ایک دن صوفی صاحب مرحوم بیٹھے ہوئے تھے کہ بوٹامل آ گیا اور کہنے لگا۔

”صوفی صاحب لاہور میں شالاباغ کا میلہ لگ رہا ہے مجھے وہاں لے چلیں۔“

تقاضائے محبت دوستی! صوفی صاحب بلہ دکھانے کے لیے بوٹامل کے ہمراہ لاہور چلے آئے۔ شالاباغ گئے اور ساادون میلہ میں رہے وہاں صوفی صاحب کو تجسس ہوا کہ اس میلہ کے منعقد ہونے کی حقیقت کیا ہے یہ کیوں لگتا ہے آخر اس کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ باغ سے باہر نکلے تو ”مادھولال حسین“ صاحب کے مزار پر آ نکلے۔ وہاں آ کر معلوم ہوا کہ مادھولال حسین صاحب ہی ہیں کہ جن سے یہ میلہ منسوب ہے۔ ”رات کافی گزر چکی ہے“ صوفی صاحب نے

۱۔ شاہ حسین نے ۹۲۵ ہجری میں لاہور کے ٹکالی دروازہ کے ایک محلہ میں جنم لیا۔ آپ کے دادا کلچس لائے تھے جو فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے آپ کے والد کا نام شیخ عثمان تھا جو پارچہ بانی کا کام کرتے تھے ٹکالی دروازہ کی بڑی مسجد میں مولوی ابوبکر صاحب کی شاگردی (باقی اگلے صفحہ پر)



فرمایا "چلو! کہیں راست بسر کریں۔" صوفی صاحب بوٹا مل کو ساتھ لے کر رات بسر کرنے کی غرض سے بڑے میاں درس "چلے آئے جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سرکار میان صاحب شریقی پوری تشریف فرما ہیں۔ حضرت صاحب قبلہ نے انہیں دیکھ کر تبسم فرمایا۔ صوفی صاحب بھی سُکرا کر بیٹھ گئے آپ نے ارشاد فرمایا "صوفی صاحب کیسے اور کدھر آنا ہوا؟"

"حضور! بوٹا مل کو شالامار باغ کا میدہ دکھانے آیا تھا۔" صوفی صاحب نے عرض کی۔

"اچھا! بہت میدہ دیکھا ہے؟" آپ نے پوچھا۔

صوفی صاحب خاموش ہے۔

حضور نے دوبارہ ارشاد فرمایا۔ "اتنا میدہ دیکھا ہے کہیں رب بھی دیکھا ہے؟"

صوفی صاحب تو خاموش ہے لیکن بوٹا مل بول اٹھا "حضور! میں نے رب دیکھا۔"

حضرت صاحب قبلہ ہنس پڑے اور فرمایا "عشقے ادئے۔ مینوں وی دس"

وہ دوڑ کر حضرت صاحب کے لپٹ گیا اور کہا "یہ ہے رب۔ یہ ہے رب۔ میں نے تو دھونڈ لیا ہے۔ آپ خاموش ہو گئے اور بوٹا مل باہر آ گیا اور اسے قے ہو گئی۔ وہ

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) میں قرآن کریم حفظ کیا۔ ایک دفعہ ایک صوفی درویش حضرت مسیح بہلول دریائی کے آپ کے استاد سے ملاقات کے لیے آئے۔ انہوں نے آپ کے چہرے سے ہی آپ کی بزرگی کے آثار دیکھ لیے۔ کلام پاک پڑھ کر آپ پر ٹھونک ماری۔ جس سے آپ کا حافظہ تیز ہو گیا۔ آپ کی عمر دس سال کی ہی تھی کہ رمضان المبارک کے مہینے میں نماز تراویح پڑھائیں۔ صرف تیس دن میں پورا قرآن کریم سنا لیا۔ آپ کے مرشد کامل جاتی دفعہ رخصتی پر آپ کو حضرت داتا گنج بخش صاحب کے مزار پر باقاعدہ حاضری کی تلقین فرما گئے۔ چنانچہ اپنے مزار حضرت داتا صاحب پر اپنی حاضری معمول بنا لیا۔ چھتیس سال کٹھن عبادت کرتے رہے۔ تمام رات دریائے رادی کے کنارے عبادت کرتے اور صبح ہوتے ہی دربار داتا صاحب تشریف لے جاتے۔ وہیں نماز فجر ادا کرتے۔ نماز عصر مغرب کے درمیانی وقفے میں درود وظیفہ پڑھتے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



آسمان کی طرف سر اٹھا اٹھا کر کہنے لگا۔ رَبِّ ارِنِيْ - رَبِّ ارِنِيْ - رَبِّ ارِنِيْ۔ اس نے ایسا کرتے ہی ساری رات گزار دی۔ صبح آپ نے صوفی صاحب سے فرمایا "اسے قصور لے جاؤ" صوفی صاحب سے قصور لے گئے۔ وہاں جا کر جب ہم جیسا آسمان کی طرف سر اٹھا اٹھا کر رہا رہا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ میرے والد صاحب و دیگر چند ایک احباب کی معیت میں باہر قبرستان سے واپس تشریف لارہے تھے تو دیکھا کہ ملکائے دروازے کے باہر ایک کار کھڑی ہے۔ چلتے چلتے والد صاحب نے کار کے ڈرائیور مسٹی محمد اکرم (جو بعد میں فریضہ حج ادا کر کے حاجی محمد اکرم بن گئے ہیں اور گوجرانوالہ میں بقیہ جیتا ہیں) سے پوچھا کہ کار کس کی ہے اس نے کہا۔ "ڈی۔ سی شیخوپورہ کی۔"

حضرت صاحب قبلہ جب بیٹھک پہنچے تو بڑی بڑی مٹھپوں والا ایک آدمی بیٹھا پایا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر وہ آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے آپ سے

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) نماز مغرب سے نماز عشاء تک نوافل ادا کرتے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ (مشہور عالم جناب عبداللہ سے تفسیر مدارک پڑھ رہے تھے۔ جب آیت "دُنَا ایک کھیل کود کے سوا کچھ نہیں" پڑھی تو آپ پر مجذوبیت طاری ہو گئی۔ وہ اپنی حالت میں مکتب سے باہر نکل آتے جب آپ کے روحانی مرشد حضرت بہلول مدیانی کو آپ کی کیفیت کا علم ہوا تو انہوں نے نماز میں تمام قرآن سنانے حکم دیا۔ مرشد کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ "الم نشرح لک صدرک" کا پڑھنا تھا کہ آپ پر پوری طرح مجذوبیت چھا گئی۔

ایک دفعہ آپ مجذوبیت کے عالم میں دریائے راوی کے کنارے جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک خوش شکل برہمن لڑکا مادھونامی گھوڑے پر سوار جاتے دیکھا۔ دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئے وہ شاہدہ میں رہتا تھا اس کے گھر تک اس کا پچھا کیا۔ اسی کی اُلفت میں چند دن شاہدہ میں ہی قیام کیا۔ آہستہ آہستہ مادھو کو بھی آپ سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)



مصافحہ کیا۔ آپ نے پوچھا ”کہاں سے آئے ہو اور کیا نام ہے“

اُس نے عرض کی جناب! میں شیخ پورہ میں ضلع کا ڈی۔ سی ہوں اور نواب طالب مہدی خاں میرا نام ہے۔ آپ کو جوش آگیا۔ آپ نے اس کی لمبی لمبی مونچھیں مضبوطی سے پکڑ کر کھینچیں اور فرمایا ”اتنا بڑا نام اور یہ کیا بنا رکھا ہے؟ اور اس کی مونچھوں کے کئی بال جڑوں سے اکھڑ کر آپ کے ہاتھوں میں آئے اس کی حالت غیر ہو گئی اور آپ گھر کے اندر چلے گئے۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) اُس ہو گیا۔ پھر دونوں اس مقام تک جا پہنچے جہاں شاہ حسین حسین اور مادھو، مادھو نذر۔ دونوں نواب یحجان ہو گئے۔ عشق مجازی نے عشق حقیقی کی راہ دکھائی۔

ایک دفعہ مادھو کے والدین نے ہر مدارِ اشنان کے لیے جانا تھا۔ انہوں نے مادھو کو ساتھ لے جانا چاہا لیکن آپ نے اس کی جدائی کو بد نظر رکھ کر جانے کی اجازت دی مادھو کے والدین نے بھی مجذوب کے جذبات کا احترام کیا۔ مادھو کو چھوڑ کر ہر مدار چلے گئے۔ ایک دن حضرت نے مادھو کو اداس دیکھ کر اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میرے پاؤں پر پاؤں رکھ کر آنکھیں بند کر لو جب مادھو نے آنکھیں بند کر لیں تو اپنے آپ کو والدین کے ہمراہ اشنان کرتے ہوئے پایا۔ آنکھیں کھولیں تو شاہ حسین کے پاس تھا۔ ایک مدت کے بعد جب مادھو کے والدین واپس آ گئے تو انہوں نے اقرار کر لیا کہ مادھو ہر مدار میں ہمارے ساتھ اشنان کر رہا تھا۔ مادھو نے جب یہ کرامت دیکھی تو مسلمان ہو گیا۔

شاہ حسین ^{رحمۃ اللہ علیہ} جب ۶۳ سال اپنے خالق حقیقی سے جاملے تو آپ کو دریا راوی کے کنارے دفن کیا گیا اس وقت راوی شاہی شعلہ لاہور کے ساتھ بنتا تھا۔ جب دریا نے اپنا رخ تبدیل کیا تو آپ کی قبر کا تعویذ ننگا ہو گیا۔ جس وجہ سے آپ کے جسم کو وہاں سے نکال کر باغیانپورہ کے قریب دفن کر دیا گیا۔

آپ کے نام کی دلچسپ بیان کی جاتی ہے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے آپ کو ”شیخ“ فقیر ہونے کے سبب شاہ اور مادھو سے پیار ہونے کی وجہ سے ”مادھو لال“ کہا گیا۔ اس طرح آپ کا پورا نام مادھو لال حسین ہو گیا۔ آپ کی رحلت کے بعد مادھو ہی آپ کے خلیفہ بنے۔ تمام عمر مرشد کے مزار پر حاضر رہے حضرت کی رحلت کے ۷۵ برس بعد وفات پائی اور شاہ حسین پہلو میں دفن ہوئے۔



آپ جب گھر سے واپس بچھک میں تشریف لائے تو طالب مہدی خاں سے پوچھا "کیسے آئے ہو؟" اس نے کہا "حضرت! عمر بڑی ہو گئی ہے۔ کوئی ساٹھ برس کے قریب۔ لیکن آنکھیں لڑکے کے لیے ترس رہی ہیں۔" آپ نے یہ سن کر غصہ اور جوش کے ملے جلے لہجے میں فرمایا۔ "میں لڑکے بانٹتا ہوں یا میں نے لڑکوں کی دوکان کھول رکھی ہے؟" اس نے بڑی منت اور لجاجت سے کہا "سرکار! میں تو بڑی امیدیں لے کر حاضر ہوا ہوں۔" آپ نے فرمایا "میں نے کوئی اشتہار تو نہیں دیا تھا۔" اس کے بعد آپ نے اسے کھانا کھلایا۔ اور نہایت شفقت و مہربانی فرماتے رہے۔ کھانا کھلا چکنے پر آپ نے کمال مشفقانہ لہجے میں فرمایا "نماز پڑھا کرو اور نماز کے بعد اُسکو (اللہ کو) کہنا وہ بڑی قدرتوں والا مہربان ہے۔" اور اسے اجازت دے کر رخصت کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھتے اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیضانِ نظر۔ کورہ ماہ کے بعد نواب طالب مہدی خاں کو اللہ تبارک تعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا۔ لیکن چھ ماہ بعد لڑکے کا چل بسا۔ دوبارہ پھر وہ اپنی بیوی کو ہمراہ لے کر حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دُعا کے لیے عرض کی۔ حضرت نے فرمایا "اُسی" کو کہنا۔ وہ طاقتوں والا ہے اس کے ہاں کوئی کمی ہے؟ جیسے پہلے دیا تھا وہ اب بھی عطا کر دے گا" اور وہ چلے گئے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر لڑکے عطا فرمایا۔ وہ دونوں میاں بیوی اس بچے کو لے کر حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بچے کے لیے دُعا کی درخواست کی۔ نواب طالب مہدی خاں جو جھنگ کے رہنے والے تھے۔ ان کا وہی لڑکا ابھی تک بقیدِ حیات ہے۔

زمان مہدی خاں

راقم الحروف کے والد بزرگوار کا کہنا ہے کہ انہوں نے بابا حاجی نور دین کے اشتراک



سے ایک موٹر خرید کی۔ سو دا ہو جانے کے بعد بعض دوستوں نے بتایا کہ یہ موٹر تو مالکوں نے اسی لیے فروخت کی ہے کہ اسے گورنمنٹ پاس نہیں کرتی۔ یہ سُن کر والد صاحب کی طبیعت پریشان اور مکدر ہو گئی والد صاحب کا کہنا ہے کہ وہ اسی حالت میں حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پریشانی چہرہ سے ہو رہی تھی۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے۔

”فضل الٰہی! کیا بات ہے؟ تم حیران و پریشان دکھائی دیتے ہو!“ انہوں نے جواب دیا۔ ”کچھ نہیں حضور! ویسے ہی طبیعت ذرا خراب ہے۔“
بھلا ان دُور بین نگاہوں سے کوئی چیز مخفی رہ سکتی ہے۔ بقول مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ یہ لوگ تو جو اسیں القلوب ہوتے ہیں۔

حضور نے فرمایا: ”نہیں عزیز کچھ بات تو ضرور ہے“ حضرت صاحب کے دوبارہ استفسار پر والد صاحب نے پریشانی کی وجہ آپ کی خدمت میں عرض کر دی۔

آپ نے پوچھا۔ ”لاریاں کون پاس کرتا ہے؟“

والد صاحب نے عرض کی ”حضور! ڈی۔ سی۔ شیخوپورہ۔“

حضرت صاحب نے پوچھا۔ ”کون ہے وہ۔“

انہوں نے کہا ”کوئی نیا ہی آیا ہے۔ سنا ہے ابھی ابھی دلایت سے پڑھ کر

آیا ہے۔“

یہ سُن کر آپ خاموشی سے اندر تشریف لے گئے اور اندر سے ایک پُرانا بوسیدہ سالفہ

لا کر والد صاحب کو دیا۔ اس میں ایک چھوٹے سے کاغذ پر سب سے اوپر اللہ حافظ اور

نیچے صرف یہ تحریر تھی ”عزمیہ آتا ہے۔ اس کے کام میں سعی کریں۔“

والد صاحب فرماتے ہیں کہ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ میں اسی وقت شیخوپورہ

روانہ ہو گیا۔ اس دن سب موٹر والوں کی تیاری تھی۔ انہوں نے بابو گنپت رام کو وکیل



کیا ہوا تھا۔ میں جب اسکی کوٹھی پر پہنچا تو سب نوٹروں والے وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے
 بتانے پر کہ میں ڈی۔سی۔ صاحب کو ملنے آیا ہوں، سب مجھے روکنے لگے وہ کہتے تھے کہ
 صاحب بڑا تشدد اور سخت قسم کا ہے لیکن میں نے کسی کی پروا نہ کی اور چراغ جو صاحب
 کا چپڑاسی تھا اور پنکھے کی رسی کھینچ رہا تھا کے پاس جا بیٹھا۔ چراغ نے مجھ سے پوچھا ”تم
 کون ہو اور تمہیں کیا کام ہے۔ میں نے کہا۔ ”ایک انسان ہوں“ اور چٹھی نکال کر صاحب کو
 دینے کے لیے اُس کے ہاتھوں میں دے دی۔ وہ کچھ ناراض سا ہو کر چھٹی اندر لے گیا اور
 چٹھی ڈی۔سی۔ کی میز پر رکھ دی۔ چٹھی دیکھتے ہی صاحب نے کہا۔

”یہ چٹھی کسی موٹر والے کی ہوگی اور چپڑاسی کو اندر بلانے کے لیے کہا۔

چپڑاسی باہر آ کر خشکیس لہجے میں کہنے لگا ”موٹر میں لے آتے ہیں اور تنگ کھتے ہیں“
 چپڑاسی کی آواز سن کر صاحب نے اندر سے ہی آواز دی ”ارے! وکیلوں جیسی جرح منت
 کرو اور انہیں اندر لے آؤ۔“

والد صاحب فرماتے ہیں ”جب میں اندر گیا تو ڈی۔سی۔ کے سامنے راجہ لال حسین
 مال افسر اور پاس ہی چوہدری روشن دین ذیلدار بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ
 رحمۃ اللہ علیہ کی چٹھی ویسے ہی جوں کی توں میز پر پڑی ہوئی تھی اور صاحب پر رقت طاری
 تھی وہ رو رہا تھا اور مجھے کہنے لگا۔

”افسوس! تم ایک موٹر کو پاس کروانے کی غرض سے میان صاحب کی چٹھی
 لائے ہو۔ یہ کیا کام ہے کسی بڑے کام کے لیے چٹھی لاتے“

اس کے بعد ڈی۔سی۔ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ”اچھا! تم کچھری چلو اور میں
 ابھی آتا ہوں۔“ والد صاحب کہنے لگے۔ ”رمضان شریف ہے اور سخت گرمی!“
 یہ سن کر اُس نے چپڑاسی سے کہا۔ ”سامنے والا کمرہ کھول دے۔ یہ وہاں آرام کریں گے اور
 تم انہیں پنکھا کرو،“ چنانچہ چپڑاسی نے کمرہ کھول دیا اور وہ آرام کرنے لگے۔



تھوڑی دیر کے بعد صاحب کچہری چلا گیا اور وہاں سب موٹر مالکان پیش ہوئے۔
ان سے صاحب نے کہا ”دیکھو! میں کسی آدمی کی موٹر پاس نہیں کروں گا۔“ اور پھر فوراً ہی
دوبارہ گویا ہوا۔

”ارے! وہ ایک دارطھی والے تھے وہ کدھر ہیں۔“ بابا مستری کرم دین مرحوم بھی
ان موٹر والوں کے ہمراہ تھے اور اپنی موٹر پاس کروانے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے
آگے بڑھ کر کہا ”صاحب! وہ تو آپ کی کوٹھی میں ہیں۔“ یہ سن کر صاحب نے پاس کھڑے
ہوئے شیخ دلی محمد صاحب سپرنٹنڈنٹ سے کہا۔

”شیخ صاحب! ان مولوی صاحب کی طرف سے ایک درخواست لکھیے اور میرے
اکاؤنٹ میں سے فیس کے روپے خزانہ میں داخل کروا کر ان کا لائسنس بنوایے اور انہیں
میری کوٹھی پر پہنچائیے ساتھ ہی دیر ہو جانے کے لیے میری طرف سے معذرت کیجئے۔“
شیخ صاحب کو یہ سب کچھ کہنے کے بعد صاحب موٹر والوں کی طرف مخاطب ہوا اور
کہنے لگا۔ ”دیکھو! میں صرف یہ ایک موٹر ہی پاس کروں گا اور کسی کی نہیں کروں گا۔
کوئی صاحب کسی کی سفارش کروانے کی جرأت نہ کریں۔“

والد صاحب فرماتے ہیں۔ ”میں لائسنس لے کر رات کو واپس گھر آ گیا اور جب
صبح حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا۔

”بتا بھئی! کیا بنا۔“

میں نے عرض کی ”حضور! وہ کام تو ہو گیا ہے۔“

آپ نے فرمایا۔ ”الحمد للہ۔ تیرے چہرہ پر مایوسی دیکھ کر مجھے بڑا فکر ہوا تھا۔“

اس واقعہ کے چند دن بعد ہی سرکار میاں صاحب نے والد صاحب کو ایک چھٹی دکھائی

اور فرمایا۔

”دیکھو! یہ زمان مہدی خاں۔ ڈی۔ سی۔ کی چھٹی ہے۔ تمہارے کام کے لیے



اسکے لکھا تھا تو اس نے بھی خط لکھ دیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ جس کوٹھی میں میں رہتا ہوں رات کو میرے اہل و عیال وہاں ڈرتے ہیں اور لوگوں کا کہنا ہے کہ میرے پیش روؤں سے بھی یہی کچھ ہوتا رہا ہے اور ان کے اہل و عیال بھی ڈرتے تھے میں مسلمان ہوں۔ اگر مجھ سے بھی یہی کچھ ہو تو کوئی بات نہ ہوئی۔ دُعا کیجئے۔“

حضرت صاحبِ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی چٹھی کے پیچھے جواباً لکھ بھیجا۔
 ”کوٹھی کے ہر کونے میں اذان دیا کرو۔“

چنانچہ چند دن بعد زمان مہدی خاں کا جواب آ گیا کہ ”حضرت آپ کی نظرِ کرم سے آپکی چٹھی پہنچنے سے پہلے سب ڈر وغیرہ دُور ہو گیا ہے اور ہم سب نہایت سکون و اطمینان سے رہتے ہیں۔“

ایک دفعہ زمان مہدی خاں سرکار میان صاحب سے ملنے تشریف پور شریف آیا۔ وہ شام کے بعد یہاں پہنچا۔ آپ عشاء کی نماز کے لیے مسجد جانے کو تیار تھے۔ وہ آپ کا بلا اور عرض کی ”سرکار!

میرا نام زمان مہدی ہے اور میں شیخوپورہ کا ڈی۔ سی۔ ہوں۔“

آپ فرمانے لگے ”تم اس وقت آئے ہو جب میں عشاء کی نماز کے لیے مسجد جا رہا ہوں۔ میں تیری ڈی۔ سی۔ شی۔ سی کو کیا کروں۔“ یہ کہہ کر آپ نے اس کا ہیٹ اُتار کر اس کے سر پر سے مارا۔ اس کی حالت بغیر ہو گئی اور آپ اسے اسی حالت میں چھوڑ کر مسجد چلے آئے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد آپ ”بٹیک“ میں تشریف لائے اور اسے کھانا وغیرہ کھلا کر رخصت کر دیا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے بعد اس کی طبیعت میں تغیر آ گیا اور وہ پکا نمازی اور تہجد گزار بن گیا۔ انگریزوں اور ہندوؤں کا دُور تھا۔ اس نے عہدہ کے دوران میں مسلمانوں کے کام نہایت دلیری اور جرات سے سرانجام دیے۔ اس

ملاقات میں ہی حضرت صاحب قبلہ نے اسے فرمایا۔

”ایک دن مکان شریف جانا۔“

کچھ دنوں بعد اس نے لکھا۔

”حضور! آپ کے ارشاد کے مطابق اہل و عیال سمیت مکان شریف حاضری کے لیے گیا۔ بارش ہو رہی تھی۔ کارڈ ماس ہی چھوڑ دی اور بچوں کو لے کر پیدل ہی جا پہنچا۔ وہاں کی حاضری میں وہ کچھ دیکھا کہ احاطہ بیان سے باہر ہے۔“ یہ حضرت میان صاحب شرقپوری کا ہی فیضانِ نظر تھا کہ زمان مہدی خاں اہل سنت جماعت کے مطابق صحیح عقیدہ رکھتا تھا۔ وہ ضلع کے صدر مفتی پرستیوں حنفیوں کے اجلاس میں شرکت کرتا اور ان کے مسائل میں گہری دلچسپی لیتا۔ قلعہ شیخوپورہ کی موجودہ جامع مسجد اسی کے زیر اہتمام تعمیر ہوئی۔

ایک دفعہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چند افسر قسم کے لوگ حاضر ہوئے ان میں ایک سیشن جج بھی تھا (غالباً وہ شیخ دین محمد تھے) آپ نے ان سے پوچھا۔ ”تمہارا کیا نام ہے۔“

انہوں نے کہا۔ ”جی! دین محمد۔“

”عشقے آؤئے“ نام تو تمہارا بہت سوہنا ہے۔ نمازوں کا کیا حال ہے۔“

”جی کبھی کبھی پڑھتا ہوں۔“ شیخ صاحب نے کہا۔

۴۔ آپ گوجرانوالہ کی شیخ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتداءً وکیل تھے بعد میں سیشن جج ہوئے۔

ہائی کورٹ کے جج بھی رہے۔ ریاست میں حقہ لیا اور پاکستان کی تخلیق کے بعد صوبہ سندھ کے گورنر مقرر ہوئے۔

شیخ نور الدین آپ کے خاندان کے نہایت باصفا اور بے ریا بزرگ تھے۔

۵۔ کلہر تخبین۔ کبھی کبھی لطف کے موقع پر آپ بولتے تھے۔

آپ نے جلدی ہی جو شس سے فرمایا۔ ”ارے! کوئی ہے؟ ذرا سی تولانا۔
 اس کی پیشاب والی جگہ باندھ چھوڑیں۔ پیشاب بھی کبھی کبھی کیا کرے۔ انہوں نے
 تو نماز کو پیشاب جیسا بھی نہیں سمجھا۔“
 آپ کی یہ بات سب لوگوں نے خاصہ اثر لیا اور سیشن جج صاحب پر تو
 بہت ہی اثر ہوا۔

نگاہِ مردِ مومنؑ

ایک فخریہ کار میاں صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا۔ اُس کی دارٹھی
 موچھیں غائب تھیں۔ آپ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ ”آبھتی کرم چند! روٹی کھا لو“
 وہ کہنے لگا۔

”بس حضور! میں تو کھا کر آیا ہوں۔“ اور اس نے چند ایک دُنیاوی کاموں کے لیے
 آپ سے عرض کی۔ حضرت صاحب بلہ نے فرمایا۔

”چھوڑو یار، دنیاوی دھندوں کو نماز دل لگا کر پڑھا کر دو“ اور آپ نے
 اسے رخصت کر دیا۔

والد صاحب کا کہنا ہے کہ کچھ عرصہ بعد بیرون موری گیٹ لاہور گھاس منڈی کے
 پاس ایک بزرگ صورت، دراز لیش آدمی ملا اور علیک سیک کے بعد پوچھا۔

”مجھے پہچانتے ہو؟“

والد صاحب نے جب نفی میں جواب دیا تو وہ رو دیا اور آتسو پو پختے ہوئے گلگیر
 آواز میں کہنے لگا۔

”میں وہی کرم چند ہوں جو سرکار کی خدمت میں شہر قیور شریف حاضر
 ہوا تھا۔“



والد صاحب حیران رہ گئے۔ اب وہ ایک تہجد گزار متقی اور بزرگ سیرت انسان تھا۔ یہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کرم تھی سبحان اللہ !
 ع - موج میں جب آگے قطرے سے دریا کر دیا۔

والد صاحب نے پوچھا۔ ”جس کام کے لیے گئے تھے اس کا کیا بنا؟“
 کہنے لگا۔ ”وہ تو شہر قبور شریف سے واپس پہنچنے سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔“
 ایک دن حضرت صاحب قبلہ گھر بیٹھک میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی حاضر ہوا۔ آپ نے اس کا نام پوچھا تو کہنے لگا۔
 ”حضور! مجھے محمد انور کہتے ہیں۔“

یہ سنا تھا کہ آپ کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ آپ نے اس سے بڑا پیار کیا اور اس کے چہرے پر دو تین دفعہ ہاتھ پھیرے اور کہنے لگے۔

”محمد انور کیا پیارا نام ہے۔ کیا تم محمد انور ہو؟ ارے! نہیں۔ تم تو مولوی محمد انور ہو۔“ اس کے بعد وہ بیٹھک کے دوسرے حصہ میں جا بیٹھا۔ تین چار گھنٹے کے نیام کے بعد جب ظہر کا وقت ہوا اور آپ نماز کے لیے مسجد جانے کو اٹھے تو اپنے ایک آدمی سے کہا کہ مولوی محمد انور کو تھالے لو۔ جب وہ بیٹھک سے باہر نکلا تو کوئی اسے پہچان نہیں رہا تھا کہ یہ وہی محمد انور ہے یا کوئی اور۔ اس کا چہرہ مہتاب کی مانند روشن تھا اور نور کی کرنیں اسکی پیشانی سے چھوٹ چھوٹ کر نکل رہی تھیں۔ اس کے چہرہ کی طرف دیکھا نہیں جاتا تھا۔ شہر قبور شریف سے واپسی پر اس کی حالت بدل چکی تھی۔ وہ نیبک اور پارسا بن گیا۔ اس نے دل لگا کر علم دین پڑھنا شروع کر دیا اور کچھ عرصہ بعد وہ ایک عالم باعمل بن کر واقعی سرکار شہر قبور شریف رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی مکمل تفسیر تھا۔

— ❖ —



فیضانِ توجہ

ضلع شاہ پور کا رہنے والا ایک آدمی (جس کا نام یاد نہیں) اعلیٰ حضرت
میان صاحب شرقیوری رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدتمند تھا۔ اکثر و بیشتر سرکار کی خدمت میں آیا کرتا
آپ کو بھی اس سے بڑی محبت تھی اور حضورِ خاص توجہ فرمایا کرتے۔

شوئے قسمت اس نے کسی ایک آدمی سے یہ کہہ دیا کہ وہ رات کو اڑتا ہے !
اڑتے اڑتے یہ بات حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک بھی جا پہنچی۔ آپ کا چہرہ متغیر
ہو گیا آپ نے فرمایا۔

”اچھا! اب وہ اڑنے لگا ہے۔ بہتر۔ اڑتا ہے تو اڑ جائے۔“ آپ کا یہ کہنا تھا
کہ اُس کی طبیعت یکسر خالی ہو گئی اور نحویت رہی نہ وہ استغراق۔ کورے کا کورہ رہ گیا۔ حضرت
صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ تو پہلے ہی ناراض تھے۔ آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی
کئی دفعہ آیا اور گیا لیکن وہ بات کہاں۔ بلکہ جب وہ آتا آپ اٹھ کر اندر چلے جاتے۔ سال بھر
آتا رہا۔ آخر آپ نے فرمایا ”تمہیں بغیر محنت کیے مفت میں کچھ مل گیا تھا تم نے قدر نہیں کی
اور اسے ضائع کر دیا۔ اب نہ تم سے اتنی محنت ہوگی اور نہ میرا خیال ہوگا۔“

اس ہونہار نے عرض کی ”حضور! آپ توجہ فرمادیں میں محنت کروں گا۔“ اور رخصت
لے کر واپس اپنے گاؤں چلا گیا۔ واپس پہنچ کر اُس نے عید گاہ میں ڈیرہ لگا لیا وہ گھر جانا نہ
کسی کو اپنے پاس آنے دینا۔ اس کا کھانا وہیں عید گاہ پہنچا دیا جاتا۔

ایک سال تک اس نے ایسی محنت سے مراقبہ کیا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی گردن کے
پاس سے تین انچل کے قریب باہر نکل آئی اور وہ پھر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ
کے پاس شرفِ پوثریفِ حاضر ہوا۔ آپ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس نے
عرض کی۔ ”حضرت! میں نے اپنا کام کیا ہے۔ آپ اپنا کام کریں۔“ چنانچہ اگلے دن



سحری کے وقت اپنے اسے بلا کر سامنے بٹھالیا اور توجہ فرمائی۔ قارئین شاید مبالغہ سمجھیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کی توجہ کا یہ اثر ہوا کہ اس کے دل کے سامنے سے گوشت کا ٹکڑہ الگ ہو گیا اور سامنے "قلب" جاری نظر آنے لگا۔ سبحان اللہ!

تشریف پور شریف سے پھر وہ اپنے گاؤں میں عید گاہ جا پہنچا۔ اس کی حالت پھر کیا ہو سکتی تھی؟ ہر وقت متوجہ الی اللہ رہتا۔ اس پر محویت اور استغراق کا عالم طاری تھا۔ قلب توجاری ہو چکا تھا اور وہ اپنے کام میں مشغول تھا۔ وہ ہر وقت لیٹا رہتا۔ علاقہ بھر کے لوگ اسے بزرگ مہنتی ماننے لگے ایک دُنیا تھی کہ اس کی زیارت سے مشرف ہونا باعثِ صداقت سمجھتی۔ ایسے انتھک مہنگ اور مشغول انسانوں کے اجہام کب تک ایسے بارے کے منتحل ہو سکتے ہیں وہ اکثر بیمار رہنے لگا حتیٰ کہ پانی سے جا لگا۔

چھ ماہ کا عرصہ گزرنے کے بعد ایک دن اُس نے اپنے نزدیکوں سے کہا کہ ایک پنگ لاڈ اور اس پر لیٹر لگا دو۔ چنانچہ پنگ لاڈ اس پر بہترین قسم کا لیٹر لگا دیا گیا۔ اور انہی کے کہنے پر عید گاہ میں ایک لمبا سا کھیس بچا کر راستہ بنا دیا گیا۔ یہ کام مکمل ہو جانے کے بعد اس نے کہا "مجھے کھڑا کر دیا جائے" چنانچہ دو آدمیوں نے اس کے بازو تھام کر اسے کھڑا کر دیا اور وہ ہاتھ بندھ کر کسی کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ چند ساعتوں کے بعد وہ پکار پکار کر کہنے لگا "میری سرکار، سرکار شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ، نبیوں کے سراج، آقائے نامدار، مدنی تاجدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تھالیے تشریف لے رہے ہیں" اتنا کہنے کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ چہرے پر نور برسنے لگا اور پیشانی دیکھنے لگی۔ کہتے ہیں اب ایسا معلوم ہوتا تھا نور کی گھٹائیں برس رہی ہیں۔ اس پر بخود ہی سی طاری ہو گئی۔ وارفتگی و مدہوشی۔ کچھ لمحے اسی طرح وہ ساکت و جامد کھڑا رہا۔ پھر کہنے لگا "اب مجھے لٹا دو میرا کار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدنی تاجدار صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں واپس تشریف لے گئے ہیں" لوگوں نے اسے لٹا دیا اور دیکھا تو اس کی رُوحِ قاضی عنصری سے پرواز کر کے اپنے

اصلی اور حقیقی آشیانے کی طرف جا چکی تھی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ۝

کایا پلٹ دی

میرے والد (حاجی فضل الہی) صاحب کو پتہ چلا کہ لاہور سے امرتسر جاتے ہوئے ایک گاڈن ہنے وہاں ایک مست فقیر بیٹھا ہوا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے بارہ برس سے کسی آدمی سے گفتگو نہیں کی۔

والد صاحب چند دوستوں کے ہمراہ وہاں پہنچے۔ مست خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ یہ سب بھی بغرض زیارت چپ چاپ پاس بیٹھ گئے۔ پانچ منٹ گزرنے پائے تھے کہ اچانک وہ مست بول پڑا اور کہا ”بتن باتیں جو تمہارے پیر (اعلیٰ حضرت شرفیوی) میں ہیں وہ کسی اور میں نہیں۔“ کچھ لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

۱۔ جو تمہارے پیر کا وجود بارگاہ رب العزت میں مقبول ہے اس وقت کسی پیر کا نہیں۔ (کچھ منٹ خاموشی رہی پھر بولا)

۲۔ جس طرح تمہارے پیر نے لوگوں کی کایا پلٹی ہے ایسے کسی نے نہیں پلٹی۔
۳۔ دُنیا بھر کے خزانے ان کے قدموں کے نیچے ہیں وہ اُن کی طرف دیکھتے نہیں، یہ تینوں باتیں کہنے کے بعد وہ ایسا خاموش ہو کہ پھر نہ بولا اور والد صاحب اپنے احباب کے ہمراہ واپس چلے آئے۔

حاجی فضل الہی (میرے والد صاحب) رقمطراز ہیں کہ بابا عبداللہ فیروز پور چھاؤنی میں گھڑی ساز تھے۔ مولانا شرف الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے انکی بیعت تھی مولانا شرف الدین صاحب کی وفات کے بعد بابا عبداللہ کی طبیعت کچھ بتقریب سی رہنے لگی اپنی طبیعت کے لگاؤ اور سکون کی خاطر بابا عبداللہ کئی مزارات پر اور بزرگوں کی ہمت میں مارا مارا پھرتا رہا لیکن جس چیز کا وہ متلاشی تھا کہیں سے حال نہ ہو سکی۔ درویشوں

اور فقیروں کے کہنے پر بڑے بڑے مجاہدے کیے۔ بڑی محنت اور جانفشانی کی اور چلے کیے۔
لیکن ع عشق کرم واقطرہ ازلی تیں میں دے دس ناہیں۔

سناہے ماما عبداللہ کئی کئی دن پرانی قبروں کے اندر بیٹھ کر ریاضت اور چلہ کیا کرتا۔
گوہر مقصود کے حصول کی جستجو اور تلاش کے دوران میں کسی نے ہماری سرکار مبارک صاحب
رحمۃ اللہ علیہ کا پتا بتایا۔ بابا عبداللہ شرفپور شریف آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔
حضور کی خدمت میں حاضر ہونا تھا کہ نہ صرف بابا عبداللہ کی طبیعت کا سابقہ لگاؤ۔
لوٹ آیا بلکہ جس بات کا وہ خود متمنی تھا اس سے کہیں بڑھ کر پایا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ
کی پہلی نظر نے ہی اس کی سبب طبیعت کے اضطراب کو الیا قرار بخشا کہ وہ ہزار جان سے فدا
ہو گیا۔ اس نے آپ کے ہاتھ پر تجرید بیعت کی۔ بابا عبداللہ کا ذوق و شوق اور ذکر و فکر دیکھ کر
آپ نے خصوصی توجہ سے لوانا اور کچھ عرصہ بعد انہیں خلعتِ خلافت سے بھی نوازا دیا۔

بابا عبداللہ اکثر و بیشتر شرفپور شریف آتے اور کئی کئی دن قیام کرتے۔ ایک دن
بابا عبداللہ نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی ”حضور! میرے
لوٹ کے فتح محمد کے خیالات خراب ہو چکے ہیں۔ وہ کسی بزرگ کو ماننا ہی نہیں۔ دعا
فرما دیں اللہ تعالیٰ اس کا دل پھیر دیں“۔

حضرت صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا ”اس کو کچھ نہ کہا کرو“۔ بابا عبداللہ نے
عرض کی ”سرکار! میرے مرنے کے بعد ٹھیک ہو گا تو مجھے کیا۔ میں تو اسے جیتے جی
صالح اور بلند کردار دیکھنا چاہتا ہوں“۔

اپنے فرمایا ”اچھا! اسے یہاں بھیجنا“، وہ کہنے لگے ”حضور! اسی بات کا تو
قلق ہے کسی بار کہہ چکا ہوں کہ شرفپور شریف چلو۔ نہیں آتا۔“ بات سننے کے بعد آپ
خاموش رہے اور بابا عبداللہ بھی اپنے شہر فیروز پور کے لیے رخصت لے کر روانہ ہو
گئے۔ جب وہ شاہدہ کے قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ فتح محمد ٹم ٹم پر سوار

شرقیہ شریف کی طرف جا رہے تھے۔ بابا صاحب بھی وہیں اپنی ٹم ٹم سے اتر پڑے اور اس کے ہمراہ شرفیہ شریف چلے آئے۔ دونوں باپ بیٹا دو یوم آپ کی خدمت میں رہے لیکن سوائے علیک بیک کے اپنے فتح محمد سے کوئی اور بات نہ کی۔ دو یوم کے بعد جب آپ نے انہیں واپسی کی اجازت دی تو مصافحہ کرنے کے بعد آپ نے فتح محمد کی بیٹی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا ”برخوردار تیرا باپ اچھا اور نیک آدمی ہے اس کا کہنا مانا کر دے“ اس کے بعد دونوں اپنے گھر روانہ ہو گئے۔

یہاں شرفیہ شریف سے جب ٹم ٹمیں چلتی تھیں تو لالہ ہو کے نصیحت راستہ پر ایک برگد کے درخت کے نیچے کنواں اور سبیل بنی ہوئی تھیں وہاں تانگوں والے گھوڑے چھوڑ دیتے تھے اور بیع مسافران کچھ دیر سٹایا کرتے۔ چنانچہ حسب عادت وہ تانگہ جس پر یہ دونوں باپ بیٹا سوار تھے وہاں کھڑا کر دیا گیا۔ بابا عبداللہ سب سے پہلے اتر کر رفع حاجت کے لیے چلے گئے اور دوسری سواریاں بھی اترنے لگیں لیکن فتح محمد چپ چاپ بیٹھا رہا۔ تانگہ بان سے کہنے لگا ”میاں! نیچے اتر کر سٹالوں میں نے بھی گھوڑا اچھوٹا ہے“، لیکن فتح محمد جیسے بیٹھا تھا ویسے ہی خاموش بیٹھا رہا جیسے اُس نے کوچوان کی بات کو سنا ہی نہیں۔ تانگے والا تکرار کر رہا تھا اور حیران تھا کہ یا اللہ! یہ آدمی بہرے یا فائر لعل۔ نہ سنتا ہے نہ اترتا ہے۔ اسی اثنا میں بابا عبداللہ بھی آگئے اور آتے ہی فتح محمد سے کہا ”بیٹا! نیچے اتر آؤ۔“ اور جھٹ پھلانگ لگا کر نیچے اتر آیا۔ غرضیکہ فتح محمد کی زندگی یکدم منقلب ہو گئی۔ وہ بڑا صالح اور نیک ہو گیا۔ بہت کم بولتا۔ عموماً سر جھکائے اپنے والد کے حکم کے مطابق اپنے کام میں مصروف رہتا۔ عجیب اور حیران کن بات ہے کہ فتح محمد کوئی کام بھی خود بخود نہ کرتا نہ کھانا کھاتا اور نہ حوائج ضروریہ سے فراغت حاصل کرتا۔ بابا صاحبی کہتے کہ ”کھانا کھا لو“ تو کھانا اور وہی کام کرتا جس کے لیے بابا عبداللہ حکم دیتے۔ ورنہ نہ سوتا نہ اٹھتا نہ چلتا نہ بیٹھتا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ اُن کی وکان پر ایک انگریز فوجی افسر گھڑی لے کر آیا اور کہنے لگا ”یہ گھڑی

خواب سے اسے دیکھو اور ٹھیک کر دو۔“ بابا عبداللہ نے گھڑی دیکھ کر کہا ” فلاں پُرزہ لڑ گیا ہے اور یہ نہیں ملتا۔ جب تک وہ پُرزہ دستیاب ہو گھڑی نہیں چل سکتی۔“ فوجی افسر کہنے لگا ” اسے ضرور بنانا ہے جیسے بھی ہو اس کا پُرزہ ہتیا کرو۔“ بابا عبداللہ نے کہا۔ وہ پُرزہ تو ولایت سے منگوانا پڑے گا۔ یہاں تو نہیں ملے گا۔“ فوجی افسر نے جواب دیا ” منگوانے میں بڑی دیر ہوگی، یہاں ہی کسی صورت گھڑی بننی چاہیے۔“

بابا عبداللہ گھڑی ہاتھ میں لے کر سوچتے رہے اور پھر اپنے لڑکے فتح محمد سے گویا ہوئے۔
 بیٹا! صاحب بصد ہے، کوشش کرو یہ پُرزہ یہیں بن جائے، بس پھر کیا تھا فتح محمد بہترن مصروف ہو گیا اور آخر مطلوبہ پُرزہ بنا کر ہی دم لیا۔ وہ پُرزہ اس نے اس انہماک اور جانفشانی سے ایسا عمدہ بنایا کہ کوئی چچان نہیں سکتا تھا کہ یہ ولایت کا بنا ہوا ہے یا یہیں تیار ہوا ہے۔
 جب انگریز فوجی افسر نے آکر چلتی ہوئی گھڑی دیکھی تو بڑا خوش ہوا اور بہت انعام دیا۔

حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد، عرس کے پندرہ سال کے لیے آہنی چادروں کا موجودہ شہید بابا عبداللہ کی زیر نگرانی بنایا جا رہا تھا۔ مئی جون کے دن (جٹیہ ماٹ) تھے شدت کی گرمی پڑ رہی تھی اور مزدوروں کی طبیعتیں ٹھیک رہی تھیں۔ بابا عبداللہ نے سب کو دو دو گولیاں قبض کثانی کے لیے دے دیں تاکہ طبیعت سجال ہو جائے (گرمی وغیرہ کھل جائے)

مزدوروں کے ہمراہ فتح محمد کو بھی تین گولیاں دے دی گئیں اور وہ کھا گیا۔ سب مزدوروں کو پانچانے آئے لیکن فتح محمد ایک دفعہ بھی فراغت کے لیے نہ اٹھا۔ آخر کافی دیر کے بعد بابا عبداللہ نے خود ہی کہا فتح محمد جا کر دفع حاجت کر آؤ۔ بابا عبداللہ نے یہ الفاظ تین مرتبہ کہے۔ فتح محمد نے تین دفعہ دفع حاجت کی۔ لوگ یہ پڑھ کر حیران ہوں گے اور میرے وہ دوست جو ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے قائل ہیں اعتراض کریں گے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ فطری تقاضوں کی ڈور بھی کسی دوسرے شخص کے ہاتھ میں ہو۔ لیکن

برادران من اکرامت ہوتی ہی وہ ہے جو ماوراء العقل ہو اور عقل میں نہ آسکے۔ یہ سرکار میا صاحب
 شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہی تو تھی کہ آپ کے اس فرمان پر کہ ”پر خوردار اباپ کا
 کہا مانا کرو“

فتح محمد کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ کوئی کام بھی اپنے باپ بابا عبداللہ کے حکم کے بغیر نہیں
 کرتا تھا۔ اولیائے کرام، بزرگانِ عظام اور خدا کے خاص بندوں کو جب اللہ تبارک و تعالیٰ
 کا قرب حاصل ہوتا ہے تو ربِّ ذوالجلال اپنے فضل و کرم سے انہیں بڑی طاقبتیں
 عطا فرماتا ہے پھر ان بندگانِ خاص سے ایسے الے کام سرزد ہوتے ہیں جو وہم و گمان میں
 نہیں آسکتے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ۰

اولیاء ہست قدرت ازالہ تیر جستہ باز آرنش زراہ

ایک دن شرفیوری شریف میا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک پر فتح محمد

بیٹھا درود شریف پڑھ رہا تھا اور بابا عبداللہ کسی دوسری جگہ ایک کام میں مصروف تھے

مطلوبہ امور کی انجام دہی کے بعد بابا عبداللہ اپنی جائے قیام پر سو رہے اور فتح محمد کو بلانا

بھول گئے۔ سحری کے وقت جب وہ نماز تہجد کے لیے بیدار ہوئے تو انہیں خیال آیا کہ

رات فتح محمد تو روضہ شریف پر تھا۔ وہاں جا کر دیکھا تو وہ ویسے ہی بیٹھا ہوا درود

شریف پڑھنے میں مشغول تھا۔ سبحان اللہ! حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے

باپ کا کہنا نہ ماننے والے فتح محمد کی ایسی کایا پٹی کہ اس نے اپنی ساری زندگی اپنے

والد کے حکم کی متابعت میں بسر کر دی اور اس طرح کے بیسیوں واقعات ثابت کرتے ہیں

کہ اس مست بزرگ نے یہ بات کیسی سچ کہی تھی کہ ”جو تمہارے پیر نے لوگوں کی کایا پٹی ہے

وہ کسی اور پیر نے نہیں پٹی۔“

اکھلا!





اویسارا هستت قدر از الہ
تیرجسہ باز آرنش ز راہ

مولانا جلال الدین رومی



تَصَوُّف

توجہ، خیال اور عدلے لم یزل کی دی ہوئی طاقتِ باطنیہ سے مخلوقِ خدا میں تبدیلی پیدا کر دینے کو تصوف کہتے ہیں۔ یہ ہے سادہ اور عام فہم الفاظ میں تصوف کا مفہوم۔ مولانا روم، ام غزالی، شاہ عبداللطیف محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ووالدینہم وجمعہم عظام اور علمائے کرام نے اپنے اپنے انداز اور اپنی اپنی منازل کے مطابق تصوف پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن اتنے بلند مقامات کو سمجھنے کے لیے بھی تو فہم اور ادراک کی ضرورت ہے۔ چہ جائیکہ ان کی تشریح کرنا۔ بندۂ ناچیز تو نہ صرف نا آشنائے رموز و اسرارِ تصوف ہے بلکہ علومِ ظاہریہ سے بھی نا بلد ہے اور نہ ہی کتاب ہذا میں ان مسائلِ تصوف پر بحث مقصود ہے۔ مختصر یہ کہ تصوف کے کئی ایک درجات ہیں اور سرکارِ میانصاحب شرفی بفضلہ تعالیٰ ہر قسم کے تصوف پر قدرت رکھتے تھے۔ فارین حضرت صاحبِ بلہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے خود ہی اندازہ کر سکیں گے کہ آپ کا تصوف اور توجہ زیادہ تر تصوفِ نفسی کی طرف تھا۔ آپ کا انتہائی مقصود صرف اور صرف یہی تھا کہ لوگوں کی اصلاح ہو اور ان کے قلوب میں نورِ ایمان کی مشعل روشن ہو جائے اور وہ صراطِ مستقیم پر چلنے کے قابل بن سکیں تاکہ انہیں روزِ شمارِ سرخروئی حاصل ہو۔

آپ کے تصوف سے بدکار سیکوکار بن گئے۔ سینکڑوں نے برائیوں سے توبہ کی اور ہزاروں ٹیڑھا راستہ چھوڑ کر جانِ مستقیم پر چکا مزین ہو گئے۔ کہیں کا یا پلٹ رہے ہیں



بے علموں کو علم کی روشنی سے منور کیا جا رہا ہے کسی کے دل کی کائنات بدل گئی تو کسی کی عقیدہ کٹائی ہو گئی۔ آپ کے تصرف اور توجہ سے ایسے ایسے عجائبات ظہور میں آئے کہ زمانہ میں اولیائے متقدمین کی یاد تازہ ہو گئی۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر سرہند شریف جایا کرتے تھے ایک دفعہ آپ مع احباب سرہند شریف تشریف لے گئے۔ وہاں نماز تراویح میں قرآن پاک سنانے والے حافظ ایک پٹھان تھے اور نماز تراویح پڑھنے والے کل چائیس یا پچاس آدمی تھے قرآن پاک پڑھا جا رہا تھا لیکن اداسی سی چھائی ہوئی تھی۔ طبیعتیں بحال نہیں تھیں اور سکون منفقود تھا۔ ۱۶ تراویح ہو چکنے کے بعد اچانک سب کی طبیعتیں بدل گئیں۔ کسی کو وجد ہو رہا تھا تو کسی پر غنودگی چھا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا انوارِ دنجلیات کی گھٹائیں ہیں کہ چھیم چھیم برس رہی ہیں۔ مع پیشِ ام سب مدہوش تھے اور اسی کیفیتِ زاحالت میں نماز تراویح اختتام پذیر ہوئی۔

دوسرے دن سرکارِ شرقِ پیوی رحمۃ اللہ علیہ قبلہ علم حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کے نواحی باغ میں تشریف فرما تھے اور تمام ہمراہی بھی بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا ”سات کو کچھ دیکھا تھا؟“ ساتھیوں میں سے ایک نے عرض کی۔

”سرکار! پہلے تو طبیعتیں بالکل خالی تھیں لیکن آخر میں ایسا معلوم ہوا تھا کہ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے اور غنودگی سی جھانے لگی۔“

حضرت صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا ”میں نے اجاب کی بے اطمینانی دیکھی تو دلوں کی طرف نگاہ کی معلوم ہوا کہ دل ذرہ بھر متوجہ نہیں ہیں۔ میں نے مجدد صاحب سے عرض کی ”صنحو! آپ یا قلیم ولایت کے شہنشاہ اور سلسلہ عالیہ کے ام ہیں۔ مسجد ہو آپ کی، رمضان شریف کا ہو مہینہ اور پڑھا جائے مولائے عزوجل کا کلام پاک۔ پھر لطف آئے اور طبیعتیں بحال نہ ہوں بے کیا وجہ ہو سکتی ہے بے یسنا تھا کہ حضور

مجدد علیہ الرحمۃ نور کا مشکیزہ بھلائے اور صفِ اول کی داہنی طرف سے نمازیوں پر
نور کی دھار برساتے لگے جب پیشِ امام پر پہنچے تو مشکیزے کا منہ کھول دیا۔ ”پھر جو
کچھ ہوا سو ہوا۔ اس کا لطف تو جن کی قسمت میں تھا انہوں نے ہی اٹھانا تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ اَدِیَا

لاہور سے چالیس میل کے فاصلے پر چھانگا مانگا، کا مشہور علاقہ ہے (یہ جنگل تھا
وہاں گورنمنٹ نے پارک بنایا، جو قابل دید ہے جس کی وجہ سے یہ جگہ بہت معروف ہے) اس
کے قریب ہی ”وال کھارا“ چھوٹا سا گاؤں ہے وہاں قاری جمال دین صاحب درس
قرآن دیا کرتے تھے۔ علاقہ کے بہت سے لوگ ان سے قرآن پاک پڑھا کرتے۔ قاری
صاحب اکثر حضرت مہنا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ قاری
صاحب شریف پور شریف آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ہمراہ ایک گرانڈ
جوان تھا جو ان کا شاگرد تھا۔ اس طاقتور نوجوان کا نام محمد ابراہیم تھا۔ آپ نے اس
سے خاصی محبت فرمائی اور قاری صاحب سے کہا کہ اسے خوب اچھی طرح محنت سے
قرآن پاک پڑھائیں۔ اس دن کے بعد سے محمد ابراہیم صاحب قبلہ کی خدمت
میں آنے جانے لگا۔

ایک دن محمد ابراہیم جو قرآن پاک کی تعلیم حاصل کر کے اب قاری محمد ابراہیم ہو گئے
تھے شریف پور شریف سرکار کی خدمت میں حاضر حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے
توجہ فرمائی اور ان کی حالت غیر ہو گئی وہ مغلوب الحال ہو گئے۔ ان پرستی و بنجودی طاری
ہو گئی۔ وہ اپنے آپ سے بخیر حد بھر طبیعت چاہتی نکل جاتے وہ اپنے ہاتھ میں
ہر وقت ”ڈانگ“ (لاٹھی) پکڑے ہوتے سارے گاؤں کو اکٹھا کر کے کہتے کہ
”نماز پڑھو ورنہ اپنی ڈانگ سے سب کے سر چھوڑ دوں گا۔“



جذب سکرا اور وجدان کا یہ عالم تھا کہ جنگل کی طرف نکل جاتے اور درد بھری پُرسوز آواز سے عشقیہ اشعار پڑھتے۔ سوزِ محبت اور عشق کی گرمی ہر وقت بے چین کیے رہتی۔ وہ اپنے دل کے ساتھ اپنے جسم کو بھی اسی آگ میں جلتا ہوا محسوس کرتے۔ اس جہن سے مجبور ہو کر اکثر چار پانی سر پر اٹھا کر ایک کنوئیں میں جس کے اندر سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اتر جاتے اور متواتر کئی کئی گھنٹے لیٹے رہتے۔ سنا ہے اسی مغربِ الحالی میں لاہور جاتے اور لوگوں سے کہتے ”لاؤ اللہ کی راہ میں کچھ دوئے“ ہم دنیا داروں کی عادت ہے کہ گلی سڑی اشیاء یا ناقابلِ استعمال چیزیں اللہ کی راہ میں دیا کرتے ہیں۔ جب لوگ ان کو ایسی ہی چیزیں دیتے تو وہ لوٹا کر ان کے منہ پر دے مارتے اور کہتے ”جو نکمی چیز ہے وہ اللہ کے لیے ہے۔ اللہ جو بزرگ بزرگ ہے اس پر اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہو“ قاری محمد ابراہیم کئی ہفتے مشرق پور شریف مقیم رہتے اور عشق و محبت کے کمال غلبہ کی وجہ سے قصبہ کی تالیوں کا پانی پینے لگتے اور کہتے ”یہاں کی تالیوں کا پانی گندا نہیں یہ تو آپ حیات ہے“ ایک دفعہ رات کو وارفتگی کے عالم میں باہر سڑک کے درمیان لیٹے ہوئے تھے کہ سامان سے لدی ہوئی بیل گاڑیاں آگئیں۔ گاڑی بانوں نے قاری صاحب کو اٹھنے کے لیے کہا لیکن انہوں نے اٹھنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ بیل گاڑیاں مشرق پور شریف کی ہیں ان کے لیے میں فرسٹ راہ ہوں۔ انہیں میرے اوپر سے گزار بیٹے۔ بڑی مشکل سے گاڑی بانوں نے انہیں اٹھا کر ایک طرف کیا اور اپنی گاڑیاں گزاریں۔

قاری محمد ابراہیم صاحب (مرحوم) عموماً حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کہہ کے پاس ہی مسجد لوہاراں والی میں لیٹے رہتے تھے اور ”ڈانگ“ کا ان کے پاس موجود رہنا تو ضروری ہونا تھا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دین دین محمد زکریا کو بھیجا کہ قاری صاحب کو کھانا کھانے کے لیے بلا لاؤ۔ دین محمد نے قاری صاحب کو جو ایک صف



کے ٹکڑے پر لیٹے ہوئے تھے، پاؤں سے پکڑ کر ہلایا اور تھکا چلنے کو کہا۔ قاری صاحب نے اپنی ”ڈانگ“ پر ماتھ رکھا اور دوسرے لمحہ ہی ڈانگ دین محمد کے سر کو ناپ رہی تھی۔ چوٹ لگتے ہی سر سے خون کی دھار کے ساتھ دین محمد کی چنچیں نکل گئیں۔ وہ روتا ہوا آپ کے پاس آیا اور سارا ماجرا کہہ سنا۔

آپ نے آٹھ دس چپاتیاں اور ایک بڑے سے برتن میں سالن لیا اور لوہاراں والی مسجد میں آگئے۔ آپ نے قاری صاحب کو اٹھنے کے لیے کہا اور وہ چپ چپ اٹھ بیٹھے۔ آپ نے ان کے آگے چھوٹا سادستر خوان بچھا کر چپاتیاں وغیرہ رکھیں اور کھانے کے کہا لیکن بے سود! قاری صاحب جوں کے توں بیٹھے ہیں۔ آخر حضرت صاحب قبلہ نے خود روٹی کا ٹکڑہ اٹھایا اور اس میں سالن ڈال کر قاری صاحب کے منہ کے پاس لیجا کر کہا ”کھاؤ“ بس! پھر کیا تھا عاشق صادق کی عید ہو گئی۔ محبوب کھلا رہا تھا اور محبت (عاشق) کھا رہا تھا۔ حضرت صاحب ٹکڑے اٹھا اٹھا کر سالن میں نر کر کے کھلاتے ہیں اور قاری صاحب کھاتے ہیں ایسے ہی سارا کھانا ختم ہو گیا۔ کھا چکنے کے بعد قاری صاحب بڑے خوش ہوئے۔ جھوم کر کہنے لگے ”کیسا مزہ آیا اور کیا ہے یہ پُر لطف منظر! آپ کھلاتے ہیں اور میں کھاتا رہا۔“ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے قاری صاحب کا بادو تھام لیا اور لے جا کر اپنے مکان کے سامنے حاجی تہاب دین کی کھلی سی حویلی میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔

سحری کا سہانا وقت تھا کہ سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی پُردرد نے میں کوئی تلاوتِ قرآنِ پاک کرنا سنانی دیا۔ حضرت صاحب قبلہ اپنی بیٹھک میں سے باہر تشریف لائے اور دیکھا کہ ایک جم غفیر ہے جو حویلی کے آگے جمع ہے۔ قاری ابراہیم صاحب ہاتھوں میں ”ڈانگ“ لیے حویلی کی دیوار کو گھوڑا بنائے ایک پاؤں ادھر اور ایک پاؤں ادھر لٹکائے بیٹھے ہیں اور انتیسویں پارہ سورت دہرے کا آخری رکوع جھوم جھوم کر تلاوت

کہتے ہیں۔ ساری فضا کیفیتِ زنگتِ بو میں ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ سیلِ نور تھا کہ رول
 تھا۔ اسِ جہمِ غمیر میں محلہ کے ہندو، مسلمان مرد و عورت سبھی موجود تھے جو کہ قاری صاحب
 کی پُرسوز آواز اور کلامِ پاک کی شیرینی سے مسحور ہو کر بستروں سے اُٹھ آئے تھے۔ سب پر
 مستی و بخود سی طاری تھی۔ نور کی بارش تھی کہ چھم چھم برس رہی تھی۔ عاشق سوختہ جاں
 کی پُرسوز آواز اور تلاوتِ وحی خدا پھر تیز ادیبہ کہ سحری کا پُرسکون ماحول۔ مہلا کیوں نہ
 کیفِ مستی موجِ سرودین کر لوگوں کے دلوں پر چھا جانے۔

حضرت میانصاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا سماں دیکھا تو اپنے دروازہ کھول
 کر قاری صاحب کو دیوار سے نیچے اتارا اور اپنے ساتھ مسجد میں لے آئے۔ اپنے
 قاری صاحب کو نہانے کے لیے کہا۔ قاری صاحب کے غسل کرانے کے بعد انہیں اُجلے
 کپڑے پہنائے اور فرمایا ”یہاں مسجد میں بیٹھو۔ لڑکے پڑھایا کرو اور نمازیوں کی امامت
 کرو“ بس !

اس کے بعد قاری صاحب کی طبیعت سرد ہو گئی اور انہوں نے پیر و مرشد کے
 حکم سے مسجد میانصاحب میں درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ شہرِ چنور شریف کے
 باشندگان ہی نہیں۔ بیرونِ نجات کے حضرات بھی جانتے ہیں کہ سرکار میانصاحب
 کے تصرف اور مولا کریم کی مہربانی سے ایسا سلسلہ چلا کہ عددِ ہالوگوں نے قاری صاحب
 سے قرآنِ پاک کی تعلیم حاصل کی اور بیسیوں نے قرآنِ کریم حفظ کیا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ قاری
 صاحب جب کبھی قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ اڑتے ہوئے پرندے
 بھی سننے کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں۔ نماز کے بعد خصوصاً بعد نمازِ مغرب بہت سے
 مریض دم کر دانے موجود ہوتے اور آپ کے فیض سے مریضوں نے مریضوں سے
 نجات حاصل کی۔ شہر میں کوئی چوری ہو جائے تو قاری صاحب وہاں جا کر کچھ وظیفہ
 پڑھا کرتے تھے اور شاید ہی کوئی ایسا واقعہ ہو جہاں قاری صاحب نے وظیفہ پڑھا ہو اور

چوری نہ ملی ہو۔

قاری محمد ابراہیم صاحب کو قدرت نے بڑے جوہر عطا کیے تھے۔ اذان دیتے وقت اُن کی آواز ڈیڑھ میل تک سنائی دے جاتی تھی۔ اکثر نواحی دیہات کے لوگ انہی کی آواز پر فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔

کبھی کبھی آخری عمر میں بھی قاری صاحب کی طبیعت میں پہلی سی وارفتگی عود کر آتی تھی وہ روتے تھے اور بازار میں لوگوں سے گلے ملتے تھے۔ چند دن تک یہ وجدانی کیفیت طاری رہتی اور پھر طبیعت معمول پر آ جاتی۔

اس دُنیا میں کس کو بقا ہے ہر کسی نے اس دنیائے فانی سے دارمکانات

کو رجوع کرنا ہے۔

آخر حضرت اعلیٰ سرکار میاں صاحب شہر قیوڑی رحمۃ اللہ علیہ جاری کردہ اس چشمہ فیض نے بیس سال کی فیض رسانی کے بعد ہم لوگوں کو ایسی محرومی سے ہمکنار کر دیا جس کا مداوا ناممکنات میں سے ہے۔ قاری محمد ابراہیم درود گردہ میں کافی دن مُبتلا رہنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے رحلت فرما گئے اور سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پائین میں دفن کیے گئے۔

حالت بدل گئی۔

شاہدہ کے پاس ہی کسی گاؤں میں بد معاش قسم کا چلتا پُرزہ ایک نوجوان رہتا تھا۔ جس کا نام علیا تھا۔ ایک دن وہ نوجوان حضرت صاحب قیوڑی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حسبِ عادت اپنے اس سے اس کا نام پوچھا تو وہ کہنے لگا "حضور! مجھے علیا کہتے ہیں" یہ سُن کر آپ نے جواب دیا "تم علیا نہیں مولوی

علی محمد ہو۔"



شرقیہ شریف میں قسیم کے بعد جب وہ واپس لوٹا تو وہ ایک مست الحال
 فقیر تھا۔ نہ کسی سے بات کرتا نہ کسی کے پاس بیٹھتا۔ اس نے کسی ایک مداری سے
 بندیا چال کی اور اسے کاندھے پر بٹھائے گھومتا پھرتا۔ کچھ عرصہ بعد لوگوں نے
 اسے دیکھا کہ وہ دریا کے کنارے بیٹھا ہے اور مٹی کا پیالہ بھر بھر کر پانی باہر پھینک رہا
 ہے۔ لوگوں نے پوچھا؟ علی محمد یہ کیا کر رہے ہو؟ وہ کہتا ”دریا کا پانی نکال کر
 اسے خشک کر رہا ہوں۔“

کچھ دنوں بعد بعض لوگ اسے حضرت قبلہ شرقیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس
 لے آئے۔ اور اس کی متغیر حالت کے متعلق سب کچھ عرض کر دیا۔ حالات سن کر اپنے
 علی محمد سے فرمایا ”بھئی! ایسے تو نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ گاؤں
 میں خود نماز پڑھو اور دوسروں کو پڑھایا کرو۔“ اس کے بعد وہ نماز کا پابند ہو گیا۔ بلکہ جب
 نماز کا وقت ہوتا تو لاٹھی تھام کر لوگوں کو ہانکتا مسجد میں لے جاتا اور نماز پڑھواتا۔
 اس سختی سے گاؤں کے لوگ تنگ آ گئے اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت
 میں حاضر ہو کر شکایت کی۔ اپنے علی محمد کو بلا کر سختی سے تنبیہ فرمائی اور کہا۔
 ”مسجد میں بیٹھو نماز کی جماعت کروایا کرو اور وعظ و تلقین سے لوگوں کو
 نماز کی پابندی کے لیے تیار کرو۔“

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد اور توجہ سے وہ مسجد میں بیٹھ گیا اس نے
 تعلیم بھی حاصل کی اور اپنے وعظ و نصیحت سے لوگوں میں رشد و ہدایت کا چشمہ جاری
 کر دیا۔ لوگ اس سے سیراب ہونے لگے۔ گاؤں کی اکثریت پابندِ صوم و صلوات ہو گئی
 اور وہ دُور دُور تک مولوی علی محمد کے نام سے مشہور ہو گیا۔

(مولانا غلام محمد بھٹوی کے واقعات آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)



مولانا غلام محمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میان صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مولانا غلام محمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ مولانا موصوف ان دنوں بادشاہی مسجد میں خطیب تھے اور نہایت متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ حضرت صاحب قبلہ نے ایک مرتبہ مولانا کے متعلق فرمایا تھا کہ ”میں چھوٹی عمر میں شاہی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے گیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مولانا غلام محمد صاحب تقریر کرنے کی غرض سے منبر پر بیٹھے تو لوگ ان سے مصافحہ کرنے کے لیے دوڑے۔ میں نے بھی مولانا صاحب سے مصافحہ کیا۔ ہم کافی دیر مصافحہ میں مشغول رہے۔ نہ تو میں نے ہاتھ پیچھے ہٹائے اور نہ ہی مولانا نے اپنے ہاتھ کھینچے۔ بار بار لوگ مجھے بیٹھنے کے لیے کہتے رہے۔ آخر کافی دیر کے بعد میں نے ہاتھ پیچھے کیے تو مولانا نے بھی مصافحہ ختم کیا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ مولانا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے پورے پیروکار ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب کوئی مصافحہ کیا کرتا تو حضور اس وقت تک اپنے ہاتھ پیچھے نہ ہٹاتے جب تک مصافحہ کر نیوالا اپنے ہاتھ نہ کھینچ لیتا تھا۔

غالباً ۱۹۱۵ء کی بات ہے کہ راقم الحروف کے والد صاحب کاروبار کی وجہ سے لاہور میں مقیم تھے۔ ان کی رہائش کشمیری بازار میں تھی وہ اپنے ایک دوست کو ملنے کے لیے ہر روز پانی والے تالاب آتے اور عشا کی نماز وہیں پاس والی مسجد میں ادا کرتے اور اکثر مسجد کی اس دیوار کے پاس بیٹھتے جو بازار کی دکانوں سے ملتی ہے وہاں بیٹھنے پر طبیعت خوب لگتی اور ایک عجیب محویت کا عالم ہوتا۔ ایک دن ملاقات کے وقت حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”کبھی پانی والے تالاب کی مسجد بھی گئے ہو؟ والد صاحب نے عرض کی ”حضور! اکثر جایا کرتا ہوں“



فرمانے لگے ”کہاں بیٹھتے ہو۔“

انہوں نے عرض کی ”دیوار کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔“

یہ سن کر حضرت صاحب قبلہ ارشاد فرماتے لگے۔ ”وہاں طبیعت تو خوب لگتی ہوگی۔ اس حکم مولانا غلام محمد مجوی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کی نسبت آتی ہے۔“

والد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ نے پوچھا۔

”کبھی مولانا کے مزار پر بھی گئے ہو؟ میں نے عرض کی ”حضرت! مجھے تو ان کے مزار

کا پتا ہی نہیں،“ آپ نے فرمایا کہ کبھی جانا اور بات ختم ہوگئی۔

چند دن بعد لاہور میں ایک کفش دوز کے جنازے کے ہمراہ مجھے میانی صاحب

جانا پڑ گیا۔ قبرستان کے آخری حصہ میں اچھرہ کے قریب انکی قبریں تھیں۔ چلتے چلتے

راستہ میں ایسا معلوم ہوا کہ کسی صاحب قبر نے کہا ہے کہ ”یہاں ٹھہر جاؤ،“ پس میں

ٹھہر گیا۔ دیکھا تو قبر میں ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ جن کے بال شانوں

تک لہرا رہے ہیں اور لمبی نورانی ریش کے ساتھ بڑا باریک چہرہ ہے۔ مجھ پر کیفیت

طاری ہوگئی۔ میں وہیں کھڑا رہا اور جنازہ کے ہمراہ نہ جاسکا۔ جب وہ سب میت کو

دفن کر واپس لوٹے تو میں ان کے ساتھ ہو لیا۔

تھوڑی دور لوگوں کے ساتھ آنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ پوچھوں تو سہی کہ

کون بزرگ ہیں۔ واپس اس مزار پر آیا تو ان سے عرض کی کہ صاحب بتائیے تو سہی

کہ آپ کون ہیں تو وہ فرمانے لگے۔

”میں جالندھر کا رہنے والا ہوں اور سبیدہ ہوں۔ سہروردی خاندان سے میرا تعلق

ہے۔ میرا سلام حضرت مباحثہ کو پیش کرنا۔“

(انہوں نے اپنا نام بھی بتایا تھا لیکن کافی عرصہ ہو جانے کی وجہ سے بھول گیا ہے۔)

اتنے میں میرے وہ ساتھی جو میت کے ہمراہ آتے تھے بہت ڈر نکل گئے۔ گرمی

کا موسم تھا اور دہر کا وقت، میں راستہ بھول گیا ادھر ادھر بہت جگہ دو کی۔ لیکن راستہ نہ مل سکا۔ چند ساعتوں کے بعد دور ایک مزار نظر آیا جہاں قبلہ شرق پوری رحمتہ اللہ علیہ ایک اور صاحب کی معیت میں نظر آئے یہ دیکھتے ہی وجد ہو گیا اور اسی حالت میں وہاں جا پہنچا۔ ہوش و حواس درست ہونے پر دیکھا کہ مزار پر یہ عبارت کتبہ ہے۔

”حضرت مولانا غلام محمد بگوی رحمتہ اللہ علیہ خطیب شاہی مسجد لاہور،“
 بڑا پڑھو اور فیض رساں مزار تھا۔ جب کچھ دنوں بعد شرق پور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کرا کر فرمانے لگے۔ ”کیوں بھئی! مولانا بگوی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر گتے تھے“ یہ سن کر میری آنکھوں کے سامنے تمام گزشتہ واقعات پھر گئے۔“ یہ تھا صرف آپ کی ذاتِ گرامی کا۔

مولانا بگوی مرحوم کے ایک بھائی (جو ان کے داماد بھی تھے) مولانا محمد ذاکر مرحوم تھے وہ بڑے بزرگ اور صاحبِ دل تھے۔ طبیعت ذکر اذکار میں رچی ہوئی تھی مولانا مذکورہ واقعی اسمِ باہمی تھے وہ اسلامیہ کالج میں عربی کے پروفیسر بھی تھے۔ مولانا غلام محمد صاحب بگوی سے ان کی بیعت تھی اور وہ ان کے خلیفہ تھے۔ والد صاحب محترم سے مولانا کے گہرے مراسم تھے۔ حضرت صاحب قبلہ شرق پور رحمتہ اللہ علیہ کے کمالات اور مدارجِ علیہ کے بڑے مدارج تھے اور آپ کی ذات سے مولانا مذکور کو گہری عقیدت تھی حضرت صاحب قبلہ بھی مولانا بگوی رحمتہ اللہ علیہ کی وجہ سے ان کا خاص طور پر ذکر کیا کرتے۔

لاہور میں جب ان کا انتقال ہوا تو والد صاحب نے حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کی وفات کی خبر دی لیکن آپ بعض مصروفیات کی وجہ سے نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کر سکے۔ شاہی مسجد میں مولانا کی نمازِ جنازہ پڑھا کر دفن کرنے کے لیے



انہیں بھیرے جایا گیا۔ بعد میں آپ نے فرمایا: ”اچھا! ان کی قبریں چلیں گے۔“
 چنانچہ کچھ عرصہ بعد آپ بھیرہ تشریف لے گئے۔ آپ کی عادت تھی کہ اکثر شہر سے
 باہر آبادی سے کچھ دور قیام فرماتے۔ بھیرہ میں بھی آپ نے شہر سے باہر عیدگاہ میں قیام
 فرمایا۔ والد صاحب جو ہمراہ تھے بیان کرتے ہیں ”ہم لوگ حیران و پریشان تھے اور آپس
 میں کہتے تھے کہ عجیب بات ہے جو لوگ ہمیں اچھی طرح جانتے ہیں اور حضرت صاحب قبلہ کے
 عقیدت مند ہیں وہ ہماری طرف توجہ بھی نہیں دیتے جب ہم بازار میں سودا وغیرہ لینے گئے تو باوجود
 واقفیت کے کسی نے پوچھا تک نہیں اور نہ ہی کوئی حضرت صاحب قبلہ کو ملنے آیا۔
 ہم آپس میں چہ میگوئیاں کرتے تھے کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جب شرفیور تشریف جاتے ہیں تو انتہائی
 ادب و احترام سے پیش آتے ہیں اور آج نظر بھی نہیں ملتے۔“

چنانچہ ایک رات اور دن ایسے ہی رہا۔ دوسری رات مغرب کی نماز کے وقت
 اتنے لوگ آئے کہ عیدگاہ بھر گئی، کوئی عرض کرتا کہ حضور رات اس کے ہاں قیام کریں۔
 کوئی منت سماجت کرتا کہ اس کے ہاں چلا جائے لیکن عشا کے بعد حضرت صاحب قبلہ
 رحمۃ اللہ علیہ نے سب کو رخصت کر دیا اور دوستوں سے پوچھا کہ لاہور کی طرف گاڑی کس
 وقت جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ پھلی رات قریباً بجے گاڑی چلتی ہے۔ پس آپ نے اس گاڑی
 سے جانے کا حکم دیا اور صبح گاڑی پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

گاڑی کے جس ڈبہ میں حضرت صاحب قبلہ اپنے احباب کی معیت میں تشریف
 فرماتے تھے اس میں چند افراد تماش کھیلنے میں مصروف تھے انہیں کہا گیا کہ میان صاحب قبلہ
 تشریف فرما ہیں لہذا تماش کھیلنا بند کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا ”دیکھئے
 ہیں کسی ایسے پیر جو تعویذ گنڈے کر کے عورتوں کو لے بھاگتے ہیں۔“
 یہ سن کر آپ نے تماش کھیلنے سے روکنے والے دوست کو فرمایا ”کچھ نہ کہو یہ ٹھیک
 کہتے ہیں۔“

جب گاڑھی شاہدہ اسٹیشن پر ٹھہری تو سب اتر کر ٹم ٹموں کے ذریعے شہر قبور

شریف آگئے۔

دوسرے دن حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ نے والد صاحب بزرگوارم کو بیٹیک
میں بلا بھیجا۔ والد صاحب جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ گاڑی میں تماش کھیلنے والے کھلاڑی
بلٹھے روہے تھے اور آپ کرا کر درماہے تھے ”بھئی! پیرا لیسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ تم کہتے
تھے“ ان کے کہنے پر آپ نے انہیں سلسلہ میں داخل کر لیا اور سرکار کی توجہ سے انہوں نے
گناہوں سے توبہ کر لی اور آپ کی نظر کرم اور تصرف سے وہ نمازی، تہجد گزار اور نیک
ہو گئے۔ سبحان اللہ!

اس واقعہ کے چند دن بعد آپ نے بھیرہ ساتھ جانیرالے چند احباب سے فرمایا۔
”کیا تم آپس میں خیال کرتے تھے کہ وہاں ہمیں کوئی پوچھتا ہی نہیں؟ تمہارے چہرے
دیکھ کر مجھے بھی کچھ خیال آ گیا اور اگر ایک رات اور وہاں قیام رہتا تو شاید تکم
لوگ چلے آتے۔ بین روز سے استغفار پڑھ رہا ہوں کہ مجھے ایسا کیوں خیال آیا۔
اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں۔“

صاحبزادگان حجرہ شریف کا فیصلہ

مولوی فضل حق صاحب ایک عسوفی منش انسان تھے۔ مولانا موصوف مشہور و معروف
پٹھان بزرگ اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اخوند صاحب کی وفات کے
بعد ان کی عنقرابی کیفیت پھر عود کر آئی اور وہ غیر مطمئن سے رہنے لگے۔ سکون کی تلاش
میں کسی جگہ پھرے لیکن کہیں بھی ان کی تسلی نہ ہوئی۔ کسی دوست نے انہیں شہر قبور شریف
حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ سو وہ اسی
دوست کے ہمراہ جناب میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے

نہایت مہربانی اور شفقت سے توجہ فرمائی اور مولانا کی طبیعت سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال ہو گئی۔ مولانا مذکورہ حضرت صاحب قبلہ سے بیعت ہو گئے۔ مولانا حضرت صاحب قبلہ کی محبت میں ہر وقت سرشار رہتے اور آپ بھی کمال مہربانی اور محبت فرمایا کرتے کبھی کبھی آپ ان کے ہاں جایا بھی کرتے تھے۔

مولانا فضل حق صاحب ملازمت پیشہ تھے اور تحصیل داری کے عہد پر فائز تھے۔ انہوں نے حضرت صاحب قبلہ سے اجازت لے کر چھ ماہ کی رخصت لی اور حج کے لیے دیارِ پاک چلے گئے وہاں انہوں نے اس رخصت کے قیل عرصہ کے دوران میں قرآن پاک بھی حفظ کر لیا۔

مولوی فضل حق صاحب دیپالپور ضلع ننکمری (موجودہ ساہیوال) میں تحصیل دار تھے اور ان کی عدالت میں حجرہ شاہ مقیم کے سجادہ نشینان سید عارف علی شاہ صاحب و پیر سید علی شاہ صاحب کا ایک مقدمہ زیر سماعت تھا۔ حجرہ شریف حضرت صاحب قبلہ شرقیوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اجدادِ اعلیٰ کا پسر تھا اور آپ بھی سلسلہ قادریہ کی نسبت کی وجہ سے حجرہ شریف والوں کو احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ مقدمہ کے ایک فریق پیر سید علی شاہ صاحب نے سوچا کہ مولوی فضل حق تحصیل دار میان صاحب شرقیوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ لہذا حضرت صاحب قبلہ سے مولوی صاحب کے نام سفارشی رقعہ لانا چاہیے۔ تاکہ مقدمہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہو۔ چنانچہ پیر سید علی صاحب شرقیوی شریف آئے اور حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں سفارشی رقعہ کے لیے عرض کی۔ آپ نے فرمایا!

”آپ کی عزت و احترام کی وجہ سے کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ لیکن پیر صاحب مجھے بتائیے کہ لڑاکوں کرتے ہیں۔ انسان تو نہیں لڑا کرتے۔ اور آپ ہوئے سید بادشاہ، جنت دوزخ کے مالک، آپ خود ہی کود کود کر دوزخ میں پھلانگیں لگانا شروع کر دیں تو آپ کو رکنے والا کون۔ بادشاہ اور مالک جو ٹھہرے۔“

یہ سن کر پیر سید علی شاہ صاحب حیران رہ گئے اور مایوس ہو گئے لیکن آپ نے



مولوی فضل حق کی طرف ایک چھٹی لکھ دی۔ اس چھٹی میں آپ نے لکھا ”یہ ہمارے پیرخانہ میں سے ہیں اس لیے ان کا فیصلہ از روئے شریعت اور قرآن پاک کے احکام کے مطابق کر دیں۔“ وہ یہ چھٹی لے کر حیران درپیشان واپس چلے گئے اور سوچتے رہے کہ اس چھٹی کا انہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

تاریخ مقررہ پر فریقین عدالت میں پیش ہوئے تو مولوی فضل حق تحصیل دار نے دو نسل صاحبان کو نہایت تعظیم و تکریم سے بٹھایا۔ لیکن پیر سید علی صاحب نے حضرت صاحب والی چھٹی دینا مناسب نہ سمجھا اور اپنی جیب میں ہی رہنے دی۔ کرسی عدالت پر بیٹھے ہوئے مولوی فضل حق صاحب نے پیر سید علی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”شاہ صاحب! میرے حضرت صاحب قبلہ والی وہ چھٹی تو مجھے عنایت فرما دیں۔“ سبحان اللہ۔ مولوی فضل حق صاحب کی یہ بات سن کر فریق ثانی سید عارف علی شاہ بڑے سرا سیمہ ہوئے اور گبھرا گئے کہ مولوی صاحب میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں اور مخالف فریق دا لے آپ کی چھٹی لے آئے ہیں۔ مقدمہ کا فیصلہ لقیناً ان کے خلاف ہوگا۔ ابھی وہ سرا سیمگی و حیرانی کے عالم میں سوچ ہی رہے تھے کہ مولوی فضل حق صاحب کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ تحصیل دار صاحب فرما رہے تھے۔

”پیر صاحب! دیکھئے! یہ سامنے میز پر قرآن پاک رکھا ہوا ہے۔ جب آپ حضرت صاحب قبلہ کے پاس چھٹی لینے گئے تھے میں نے اسی رات میں آپ کا فیصلہ از روئے شریعت اور قرآن پاک کے احکام کے مطابق لکھ دیا تھا۔ یہ ہے آپ کا فیصلہ اور میری سرکار کی چھٹی مجھے دے دیجئے۔“ چھٹی لے کر مولانا صاحب نے چھٹی کو بوسہ دیا آنکھوں پر رکھا اور فرمانے لگے۔

”میں اپنی اولاد کو کہہ دوں گا کہ حضور کا یہ خط بعد از مرگ میرے کفن میں رکھ دینا۔“

یہ تھا تصرف سرکار میان صاحب شرف پوری رحمۃ اللہ علیہ کا کہ جب مولوی فضل حق

تھیں دار نے فیصلہ سنا یا تو دونوں فریق بہت خوش ہوئے اور عدالت سے باہر دونوں فریق یہ کہتے سُننے گئے کہ ”مقدمے کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوا ہے“ دونوں ہی فیصلے کو اپنی اپنی جانب منسوب کرتے تھے۔

زیارتِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تقسیم ہند سے کچھ برس بیشتر انجمن اسلامیہ شریقیہ شریف کے پرائمری سکول میں مولانا شیخ محمد علی صاحب مرحوم و مغفور دینیات کے اُستاد تھے بندہ ناچیز نے بھی ان سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی ہے۔ اُستازی محترم کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بہت شوق تھا اس مقصد میں کامیابی کے حصول کے لیے انہوں نے بہت سے وظائف پر محنت کی لیکن گوہر مراد حاصل نہ کر سکے۔ نیز اس غرض سے اکثر آستانوں اور مزارات پر حاضری دی۔

ایک دن سرکارِ شریقیہ رحمۃ اللہ علیہ بیٹھک میں بہت سے مہانوں کو چائے پلا رہے تھے۔ خوبی قسمت سے مولوی محمد علی صاحب بھی جو سرکار کے ارادتمندوں میں سے تھے حاضری کے لیے آئے جیسے ہی وہ اند آئے حضرت صاحب قبلہ نے چائے کی پیالی اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا ”اے ابو محمد علی چار پی“ مولوی صاحب نے پیالی پکڑ لی اور جیسے کھڑے تھے ویسے ہی چائے کی طرف ٹیکٹکی لگائے کھڑے رہے جب سب مہان چائے پی چکے تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہتے ہوئے پیالی پکڑ لی کہ اگر نہیں پیتے تو لاؤ کسی اور کو دے دوں“ حضرت صاحب قبلہ کا مولوی صاحب کے ہاتھوں سے پیالی پھینکا تھا کہ وہ دھڑم سے زمین پر آ رہے اور ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ آپ کسی کام کی وجہ سے اوپر مکان پر تشریف لے گئے تو لوگوں نے انکو اٹھایا اور وہ ہوش میں آئے۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا۔ ”جب حضرت صاحب قبلہ نے یہ کہہ کر کہ



”لو محمد علی چائے پیو“ پیالی میرے ہاتھوں میں دی تو کیا دیکھتا ہوں کہ چائے

میں سے شکل نورانی نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نظر آرہی ہے؛

مولانا مرحوم و مغفور جب تک جئے اور جہاں کہیں بھی گئے۔ پیالیوں کو اٹھا

اٹھا کر دیکھتے رہے کہ شاید کہیں ایک دفعہ پھر اُس جلالِ جانِ فزار اور حُسنِ سراپا کی

ایک جھلک نصیب ہو سکے، لیکن کہاں.....؟

کوئی میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا منظور و محبوب تعلق والا ہو جو آن واحد میں

اُس رازِ معانی و نازشِ دوراں کی زیارت کرادے۔ دندنہ کہا ہم اور کجا ویدار شہِ خوباں۔

میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصرف کا یہ واقعہ مولانا مرحوم نے خود بھی مکانِ شریف

خواجہ امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میں حضور میانصاحب کی بیچھک میں

بیسوں احباب کی موجودگی میں روتے ہوئے سنا یا۔

اپھرہ (لاہور) میں ایک بزرگ حافظ فتح محمد صاحب (مرحوم) ہوا کرتے تھے۔ بڑے

نیک آدمی تھے اور حکمت بھی کرتے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے

اور دوست بھی۔ ان کے چہلم پر حضرت صاحب قبلہ مع کچھ احباب کے تشریف لے گئے

ہوئے تھے کوئی رات کے گیارہ بجے کے قریب پنتیس چالیس آدمیوں کی معیت

میں آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بوڑھی عورت ادبچی آواز سے السلام علیکم

کہتی ہوئی آپ کے پاس آئی اپنے فرمایا ”مائی جی! کیوں آئی ہو۔ مردوں میں عورتیں

نہیں آیا کرتیں۔“

مائی نے عرض کی ”حضور! میں حافظ صاحب کو پہنچھا کرنے والی ہوں۔“

آپ نے ارشاد فرمایا ”وہ تو بزرگ آدمی تھے میں کوئی بزرگ تو نہیں ہوں۔“

اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ”میں نے ایک عرض کرنی ہے۔“

حضور میانصاحب نے پوچھا۔ ”وہ کیا ہے؟ بات کر۔“



مائی نے کہا ”سرکار! میرا دل چاہتا ہے کہ ایک دفعہ مدینہ شریف جاؤں اور حضور
کے روضہ پاک کی زیارت کروں۔

”کیا کرنا ہے وہاں جا کر؟“ آپ نے فرمایا۔

”حضور! دل چاہتا ہے۔“ مائی جی بولیں۔

آپ نے فرمایا ”عشاء کی نماز کے بعد مُصَلِّتے پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جایا کرنا اور

درویش خضریٰ پڑھنا شروع کر دینا۔ اس کے بعد یہ سمجھنا کہ روضہ شریف

کے سامنے ہی بیٹھی ہوئی ہوں۔“

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ مائی زور زور سے اونچی آواز میں کہنے لگی۔

”خدا کی قسم میں روضہ شریف کے سامنے بیٹھی ہوں۔“ اور حضرت صاحب قبلہ

یہ کہتے ہوئے کہ توڑ کسی کا پردہ بھی نہیں رہنے دیتی۔ اٹھ کر پاس کے ایک حجرہ میں

چلے گئے۔

ساکاں راہنما

ایک دفعہ حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بزرگ صورت سفید

ریش پیر ملاقات کے لیے آئے۔ ان کے ساتھ پانچ سات ان کے مُرید بھی تھے۔ بوقت

ملاقات حضرت صاحب قبلہ نے ان سے پُچھا کہ کونسی چیز آپ کے راہ سلوک پر

گامزن ہونے کا سبب بنی۔ انہوں نے عرض کی،

”میں فوج میں مُلازم تھا کہ دوران جنگ میں مجھے محاذ پر بھیج دیا گیا۔ وہاں ایک دن

میں نے اپنی پیگڑی از سر نو باندھنے کے لیے کھولی تو دیکھا کہ اس کے ہر بل میں ایک ایک

گولی ہے۔ اس طرح سات بلوں میں سے سات گولیاں برآمد ہوئیں۔ یہ دیکھ کر میں

حیران و ششدر رہ گیا۔ اس واقعہ سے میرے قلب پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت و قدرت

نے لرزہ طاری کر دیا اور بے اختیار میری زبان سے نکلا۔ واہ مولاکریم! تو ایسا قدرتوں والا ایسا شفیق اور ایسا کارساز ہے کہ جنگ میں لوگوں کے سینوں سے پار ہو جا نیوالی گولیاں اور وہ بھی سات۔ تو نے میری پگڑی کے نازک بلوں میں چھپا کے رکھ دیں اور میں نے ملازمت چھوڑ دی اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھو گیا۔“

اس کے بعد حضور مینا صاحب نے پوچھا۔ ”تو اب یکم شغل ہے۔“ ان بزرگوں نے عرض کی۔

”میں نے ساتوں کے ساتوں لطائف طے کر لیے ہیں۔“

حضرت صاحب نے فرمایا ”یہ سب کچھ آج تک یہ نہ سمجھ سکا کہ اللہ کا نام بھی طے ہو جانے والا ہے؟“ نیز آپ نے فرمایا ”درخت کے ٹڈ (جرٹ) کو ہلا میں تو سارا درخت جنبش میں آجاتا ہے۔ لطیفہ قلب ”ٹڈ“ ہے یہ جاری ہو جانے تو سب لطائف جاری ہو جاتے ہیں۔“ یہ سننا تھا کہ ان بزرگوں پر رقت طاری ہو گئی اور ان کی منزل طے ہو گئی۔

ادائل عمر میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر قصور ہا کرتے تھے۔ آپ کے ننھیال میں سے بھی کچھ افراد قصور (بگا قلعہ) میں رہتے تھے اور قصور میں مدفون بزرگ ہستیوں خاص کر عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو بڑا خیال تھا۔ عبدالرسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بھی آپ جا بکرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ بازار میں جا رہے تھے تو آپ کا صوفی محمد ابراہیم صاحب جن سے کہ حضور کو بڑی محبت تھی کسی دوکان کے سامنے سے گزر ہوا۔

آپ صوفی صاحب کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔

”صوفی ابراہیم! دیکھ یہ جو اونچے اونچے مکان اور محل فنا ہو جانے والے ہیں نظر آ رہے ہیں۔ اور جو باقی رہنے والا ہے اس طرح نظر نہیں آتا۔“



یہ کہہ کر آپ آگے چل دیئے۔ راہِ سلوک کا زمانہ اولیں تھا۔ آپ اپنے کھبل کے ایک سرے کو پکڑے ہوئے تھے اور باقی سارا کھبل بازار میں زمیں پر گھسرتا ہوا آ رہا تھا اور کچھ تنکے اور کلٹے دار لکڑیاں کھبل سے الجھی آ رہی تھیں اس وقت ایک سفید ریش بزرگ جو کہ عبدالرسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے مسجد کے پاس کھڑے اپنے چند ایک مُردین سے محو گفتگو تھے اور فرماتے تھے کہ تصروف کے رموز و اسرار بڑے دقیق، اسکی راہیں بڑی مُشکل اور اسکی منزل بہت کٹھن ہے۔

پہلے سے گزرتے ہوئے سرکارِ شرقِ قیوسی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت نرم لہجہ سے فرمایا: ”یہ تو بہت آسان ہیں، اور گزرتے چلے گئے۔ چلتے چلتے آپ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا پہنچے دیکھا تو پیچھے پیچھے وہ سفید ریش بزرگ بھی چلے آ رہے ہیں۔ آپ کے پاس آ کر انہوں نے کہا: ”اے بیٹا! اے میرے عزیز! سلوک کی گڑھیں کھولتے ہوئے میرے بال سفید ہو گئے ہیں اور میں نے یہی دیکھا ہے کہ یہ راہ بہت مُشکل اور بڑی کٹھن ہے۔ لیکن تم نے بڑے بھولے پن سے یہ کہہ دیا ہے کہ یہ بڑی آسان ہے۔“ حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے سُن کر یہ فرمایا: ”ہاں! یہ کام تو بہت آسان ہے۔“ بابا جی نے پھر فرمایا: ”نہیں بیٹا! یہ تو بہت مُشکل ہے،“ اور آپ نے اپنی بات کا پتھر کراہ کیا وہ بزرگ فرمانے لگے: ”تمہارے پاس اسکی کوئی دلیل ہے؟“ اور حضورِ میاں صاحبِ قبلہ نے فوراً جواب دیا: ”ہاں! ذَا لِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُعْطِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔“ یہ سننا تھا کہ وہ بزرگ رو دیے اور رقت آمیز لہجہ میں فرمانے لگے: ”بیٹا! تو نے میری مُشکل حل کر دی ہے اور مجھے اس منزل سے نکال کر آگے رواں کر دیا ہے۔“

حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اپنا بیشتر وقت عبدالحق صاحب کے مزار پر گزارا کرتے تھے۔ وہاں ایک حجرہ ہے اس حجرہ میں آپ کثرت سے

نوافل پڑھا کرتے اور فرمایا کرتے اس حجرہ میں ایک دفعہ قداہ ابی دامتی حضور نبی اکرم ﷺ
 علیہ وسلم عبد الخالق صاحب کی عیادت کو تشریف لائے تھے۔ ان دنوں جبکہ حضرت
 صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ قصور میں کافی دن رہا کرتے تھے عبد الخالق رحمۃ اللہ علیہ کے
 مزار والی مسجد کی تیاری ہو رہی تھی۔ وہاں حضرت صاحب قبلہ نے مسجد کے سامنے حصہ پر
 بائیں طرف منار کے نیچے ایک بڑے سے کنکر سے جلی حروف میں یا شیخ سید
 عبد القادر شیباءؒ اپنے دست مبارک سے لکھا جس کے نقوش آج بھی ہا
 نظر آتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک پیر صاحب اپنے چند ایک مریدوں کے ہمراہ سرکار شہر قنوری
 رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے شہر قنور تشریف آئے۔ دوران ملاقات میں پیر صاحب نے کہا۔
 حضور! میں کچھ بیمار ہوں۔ دعا فرمادیں اللہ تعالیٰ صحت دے۔ ”اپنے فرمایا۔
 ”تم پیر ہو کر موت سے ڈرتے ہو، وہ تو آنی ہی ٹھہری۔ ہمیں تو شوق اور وجدان
 ہونا چاہیے کہ ع

اساں جانا ماہی دے دیں۔ مک جا پونے نی

آپ نہایت ذوق و شوق سے پنجابی زبان کا یہ مصرع پڑھتے گئے اور حاضرین
 پر وجد طاری ہوتا گیا۔ سرور انبجہ کیفیات سے احباب کے قلوب بھر پور ہو گئے اسی وجدان
 اسی شوق اور اسی انداز میں اس پنجابی مصرع کے ساتھ جھوم جھوم کر اپنے فارسی کے یہ اشعار
 بھی پڑھنا شروع کر دیے۔

دل م با من ہمیں گوید منم شہباز لا ہوتی
 بہ سیر عالم قدسی پدین آرزو دارم
 دریں غم خانہ کثرت چرا با شتم چرا با شتم
 کہ من در گلشن وحدت چمیدن آرزو دارم



آپ مستی کے علم میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے اور عرفان و تجلیات کی بارشس ہو رہی تھی کیف و نشاط، سرور و مستی کا بحر بیکراں تھا کہ فلورب جوہیاں اس میں غوطہ زن ہو کر گوہر عرفان کی تلاش میں محو ہو رہے تھے۔ اللہ اللہ! کیا ہی کیف آگیا اور سہانا وقت ہو گا۔ مذکورہ پیر صاحب جب وہاں سے واپس ہوئے تو اطمینان و ایقان کی دولت لیے ہوئے تھے۔

والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ لاہور گئے ہوئے تھے اور حافظ حسین بخش (اندرون لوماری منڈی) منٹ والے کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دوست نے ذکر کیا کہ کالا شاہ کا کوکے گرد و نواح میں ریل کی پٹری کے نزدیک ایک ”مست“ دھونی رمائے بیٹھا ہے اکثر لوگ اسے عار سمجھتے ہوئے اس کے پاس جاتے ہیں۔ وہاں کوئی اسٹیشن وغیرہ نہیں ہے کہ جہاں گاڑی کھڑی ہو اور آنے جانے والے سوار ہوں۔ لیکن اس مست کے پاس آنے والے عقیدت مندوں نے جب کبھی سوار ہونا ہوتا ہے تو وہ مست انگلی کے اشارے سے گاڑی کو ٹھہرنے کا حکم دیتا ہے تو گاڑی رُک جاتی ہے اور اس کے عقیدت مند سوار ہو جاتے ہیں۔ والد صاحب کا کہنا ہے کہ رات کو اکیسے میں انہوں نے بھی حضرت صاحب قبلہ سے اس واقعہ کا ذکر کر دیا۔

یہ سننے ہی آپ کو جوش آگیا۔ سر کاہ لیٹے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے اور فرمانے لگے ”جس آدمی نے یہ واقعہ سنا ہے اسے بلاؤ۔ چنانچہ اسے بلایا گیا تو حضور نے ارشاد فرمایا۔ ”جاؤ اس مست فقیر کو کہہ دو۔“ گاڑی کا کھڑا کر لینا کوئی کمال نہیں ہے کمال تو یہ ہے کہ لوگوں کے دل بدل دے اور جتنی روحانی طاقت اُدھر خرچ کرتا ہے اسے لوگوں کے دلوں کی اصلاح پر خرچ کرے۔“

اس آدمی نے عرض کی کہ علی البصیح ہی روانہ ہو جاؤں گا۔“ اس آدمی کی روانگی



کے بعد تین چار مرتبہ حضرت صاحب قبلہ نے پوچھا کہ وہ واپس نہیں آیا؟ اس آدمی کی
 واپسی پر آپ نے پوچھا ”وہ مست کیا کہتا ہے؟“
 اُس نے عرض کی ”سرکار! وہاں پہنچ کر جب میں نے آپ کا فرمان سُنایا۔
 تو اس نے ایک دلدوز چیخ ماری اور اپنا گریباں پھاڑ کر جنگل کی طرف دوڑ گیا۔“ بعد میں
 سنا ہے اس دن کے بعد کسی کو اس کا سراغ نہیں ملا۔

دو قوال

شرقیہ پور شریف سے شمال مشرق کی طرف کوئی ایک میل کے فاصلے پر موضع
 غازی پور ہے وہاں میراثیوں کا ایک خاندان مُقیم تھا اس خاندان کے افراد قوالی کیا
 کرتے تھے اور اُسی پر گزراوقات کرتے تھے۔ اس قانوادے میں دو بھائی شہاب دین
 اور چراغ دین کافی مشہور تھے اُن کی آواز نہایت سُریلی تھی اور وہ اچھے قوال تھے
 شہاب دین کبھی کبھی حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی آیا کرتا تھا۔
 ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے شہاب دین سے کہا۔
 ”تجھے گھوڑیوں کو مختلف چالوں پر چلانا نہیں آتا؟۔ عموماً تمہارے خاندان
 والے (یعنی میراثی) گھڑ سوار ہوتے ہیں اور گھوڑیوں کو مختلف طریقوں پر چلانا سیکھاتے
 ہیں۔“ (بہان بانی) یعنی گھوڑے گھوڑیوں کی چالوں کو بنانے والے) آجکل یہ کام نہیں ہا
 پہلے یہ ایک فن تھا) شہاب دین نے کہا:-!

”حضور! میں تو یہ کسب نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا ”تمہیں بھی سوار بننا چاہیے“
 شہاب دین میراثی تھا اور گانا بجانا اس کا پیشہ۔ گانے بجانے والوں سے ان
 کے تعلقات استوار ہونا ایک یقینی امر تھا۔ لاہور کے گانے بجانے والے
 میراثیوں (آجکل سب کو فاضل صاحب بولتے ہیں) اور طوائفوں کے ہاں بھی اس کا



آنا جانا تھا۔ ایک دن شہاب دین لاہو گیا ہوا تھا کہ ایک طوائف نے کہا۔
 ”شہاب دین! مجھے فلاں راجہ نے گھوڑی دی ہے جو بہت خوبصورت
 اور اچھی نسل سے ہے لیکن چالوں سے بے خبر اور انجان ہے۔ اسے لے جاؤ اور
 اسے چلنا سکھاؤ۔“ معاً شہاب دین کے ذہن میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ
 علیہ کے ارشاد کے نقوش اُبھرے اور اُس نے سوچا حضرت صاحب قبلہ نے جو یہ
 فرمایا تھا کہ تم بھی گھڑسوار بنو پاپیہ صداقت کو پہنچنا نظر آ رہا ہے۔ لہذا مجھے دیکھنا تو چاہیے۔“
 یہ خیال کر کے شہاب دین اس گھوڑی کو سکھانے لگا۔ اس گھوڑی پر اس نے بہت
 محنت کی وہ گھوڑی ایسی نکلی کہ لوگ اسکی چال دیکھ کر عیش عیش کرتے۔ گھڑسواروں میں
 شہاب دین کا شہرہ ہو گیا اور اُس نے گانا بجانا چھوڑ کر ہی پیشہ اختیار کر لیا حضرت
 صاحب قبلہ کی نظر کرم سے شریکو شریف سے لاہو جانے والی سڑک پر اس نے کچھ زمین
 بھی خرید لی۔ اس پر کھواں لگوایا اور محنت کر کے اپنی بسر اوقات کرنے لگا۔
 شہاب دین نے دارِ صی بھی بڑھالی وہ نہ صرف پچا نمازی بن گیا بلکہ تہجد گزار ہو گیا۔
 یہ سب کار شریکو شریفی رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف تھا کہ اس کی یوں کا بابت گئی۔

ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ قبرستان ڈھراں والا جہاں اب
 حضرت صاحب کا مزار شریف ہے) جا رہے تھے جب آپسپنگی کے پاس پہنچے تو سامنے
 سے چراغ دین جو شہاب دین میراثی کا بھائی تھا چلا آ رہا تھا۔ حضرت صاحب
 قبلہ سیدھے اسی کی طرف چلے آئے۔

چراغ دین نے جب آپ کو دیکھا تو اس پر کیکپی طاری ہو گئی۔ آپ نے اس
 سے پوچھا ”کہاں سے چلے آ رہے ہو؟“ اس نے جواب دیا ”حضرت محمود کوٹ سے
 آ رہا ہوں۔“ اس کے کاندھے پر تھیلی میں لپٹی ہوئی سازگی لٹکے ہی تھی۔ آپ نے
 اس کو ہاتھ لگا کر پوچھا۔ ”یہ کیا ہے؟“



یہ سن کر وہ ہاتھ جوڑنے لگا اور کہنے لگا۔ "سرکار! ہمارا پیشہ جو ہوا۔ اسی کے ذریعے ہم کما کر پیٹ پالتے ہیں۔" آپ نے فرمایا۔

"دکھاؤ تو سہی اس سے کیا کرتے ہو۔" اس نے کاندھے سے اُٹار کر سارنگی کو جو چھپڑا تو اس سے "چیں" کی آواز پیدا ہوئی۔ آپ نے جوش سے فرمایا۔

"دیکھیا ہی! ایہہ کی کہندی اے"

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ چراغ دین کو وجد ہو گیا۔ وہ زمین پر لوٹنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے اٹھایا گیا تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دو روپے دیے اور وہ چلا گیا۔ اس دن کے بعد سے چراغ دین نے بھی گانا بجانا چھوڑ دیا۔ داڑھی بڑھالی اور نمازیں پڑھنے لگا۔ غالباً ان دونوں بھائیوں کی اولاد نے بھی یہ پیشہ اختیار نہیں کیا۔

تکمیل آرزو

گر میوں کے دن تھے کوٹہ شریف والی مسجد بن رہی تھی اور آپ بھی وہیں تشریف فرما تھے کہ معماروں اور مزدوروں نے مستری کرم دین مرحوم جو کہ ایسے تمام اُمور کے انچارج ہوا کرتے تھے سے کہا "گر می اور دھوپ شدت کی ہے لسی نہیں ملتی۔ مستری صاحب تو پاس ادب کی وجہ سے خاموش رہے لیکن (مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں) اگلی صبح ارد گرد سے کئی ایک جٹ عورتیں سروں پر چھاچھ کے ٹکے اٹھائے آتی نظر آئیں معلوم ہوا کہ جیسے ہی انہوں نے دودھ دوبا ہے ویسے کا ویسا ہی صبح مکھن چھاچھ کے ٹکے اٹھا کر لے آتی ہیں۔ جب تک عمارت بنتی رہی ایسے ہی ارد گرد چھاچھ آتی رہی کہتے ہیں چھاچھ ڈرمول میں اکٹھی کی جاتی اور راج مزدور مزے لے لے کر چھاچھ پیتے اور مکھن کھاتے۔

ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے تبسم فرماتے ہوئے معماروں سے



پوچھا: ”کیوں بھئی! اب تو کوئی تکلیف نہیں۔ اب تو لوسی وغیرہ آجاتی ہے نا۔“

ہدایت و صلاح میں تصرف

کوٹلہ شریف کے موضع میں زیادہ تر زمین مکان شریف والے حضرت صاحب کی ہے اور جیسا کہ سابقہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے۔ بابا امیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ زمین کے انتظام کے سلسلہ میں خواجہ صاحب قبلہ کے حکم سے تشریف لائے تھے۔

بابا صاحب کی وفات کے بعد ایک دفعہ منتظمین نے یہ زمین سکھ زمینداروں کو ٹھیکہ پر دے دی۔ حضرت صاحب قبلہ شہر چوڑی رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو آپ نے بہت محسوس کیا اور فرمایا۔

”دیکھا کوئی مسلمان زمیندار نہیں تھا جسے زمین ٹھیکہ پوری جاتی؟ جو سکھوں کو دی ہے؟“ آپ سے عرض کیا گیا کہ مسلمانوں میں ٹھیکہ پر لینے کا کوئی خواہشمند ہی نہیں تھا۔ اب تو ہم پٹہ لکھ کر بھی دے چکے ہیں۔ کچھ دنوں بعد وہ سکھ خود بخود ہی مکان شریف والوں کے پاس آئے اور معذرت کرتے ہوئے کہا: ”ہم بعض امور کی بنا پر ٹھیکہ سے دست کش ہوتے ہیں آپ کہیں دوسری جگہ انتظام کر لیں۔ چنانچہ ٹھیکہ منسوخ ہو گیا۔“

ٹھیکہ کی منسوخی کے چند دن بعد ہی میاں فتح اللہ لائل پوری حضرت صاحب کے پاس شہر چوڑی شریف حاضر ہوئے اور عرض کی: ”محضو! ہمارا خیال ہے کہ ہم کوٹلہ شریف والی زمین ٹھیکہ پر لے لیں۔“ آپ خوش بھی ہوئے اور فرمایا کہ بہتر ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہی زمین ٹھیکہ پر لے کر خوب آباد کی۔ انہوں نے کوشش کر کے نہر کا پانی بھی اچھی مقدار میں لے لیا جس سے فصلیں بھی اچھی ہوئیں اور زمین بھی سدھ گئی۔ میاں فتح اللہ غالباً ان دنوں مہتمم نہر تھے اور جب وہ شہر چوڑی شریف زمین کے بارہ میں عرض کرنے حاضر ہوئے تھے ان کا قیام مانگٹا نوالہ بنگلہ میں تھا۔

ایک دن حضرت صاحب قبلہ نے میاں فتح اللہ بی۔ لے کینٹب جو آپ پر دیوانہ وار فدا تھے سے کہا ”تم نوکری چھوڑ دو۔ اب یہ تمہارے لیے بہتر نہیں رہی۔“
 لیکن ان کے ذہن میں یہ بات نہ آئی۔ نھوٹے دن ہی گزرے تھے کہ میاں فتح اللہ پر نوکری کے سلسلہ میں ہی ایک مقدمہ بن گیا۔ وہ حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ آپ نے فرمایا۔ ”میں نے تو کہا تھا کہ نوکری چھوڑ دو لیکن تم نے خیال نہ کیا۔“ کہنے لگے۔ ”سرکار! اب مقدمہ سے جان خلاصی ہو جائے تو استغفار دے دوں گا۔“
 آپ نے فرمایا۔ ”اللہ بہتر کریں گے۔“ بعد ان کے خلاف جو مقدمہ تھا واپس لے لیا گیا اور انہوں نے نوکری چھوڑ دی۔

راقم الحروف کے والد صاحب لاہور ہوا کرتے تھے کہ ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ایک چٹھی تحریر فرمائی۔ آپ کا نوازش نامہ جب انہیں ملا تو وہ یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ لفافہ میں تو کوئی کاغذ وغیرہ نہیں صرف باہر یہ پتا تحریر ہے ”عزیزی فضل الہی کشمیری بازار لاہور۔“

کئی دن والد صاحب پریشان رہے اور بار بار لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے لیکن وہاں کوئی تحریر دکھائی نہ دی۔

قریباً آٹھ دن بعد جب کہ وہ چٹھی کے تجسس میں لفافہ دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظر لفافہ کے جوڑ پر پڑی جو نھوٹا سا اکھڑا ہوا تھا۔ والد صاحب نے لفافہ اکھیر کر دیکھا تو وہاں یہ فقرہ رقم تھا۔ ”ردانہ کی طرح خاک میں مل جائے تو آگے صبر و قناعت بہتر۔“

بس پھر کیا تھا۔ یہ فقرہ پڑھ کر ان پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور کئی روز تک یہی حالت رہی۔ حضرت صاحب قبلہ کا تصرف دیکھنے کہ بظاہر ایک چھوٹے سے فقرہ نے انہیں کیفیت سرور سے مرثا کر دیا اور ان پر ایسے ایسے اسرار و رموز ظاہر ہوئے کہ اگر بیان کیے جائیں تو کئی اوراق درکار ہوں گے۔



اولیٰ پٹارامی شناسند اولیٰ پٹا

دُزدِ راہم دُزدِ داندِ بے ریاہ

غیر جنسیت نم پیداند کسے پٹا

می شناسد جنس خود را ہر یکے پٹا

الْجِنْسُ يَمِيلُ إِلَى الْجِنْسِ ۰



ولی راوی می شناسد

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”ولی رحمت الہی کی دلہن ہے اس کا سمجھنا بڑا مشکل ہے۔“ سرکار حضرت میا نصاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے:-

”ولیوں کی مختلف اقسام ہیں۔ ایک ولی وہ ہوتے ہیں جو منصبِ ولایت پر فائز ہوتے ہیں لیکن انہیں خود پتا نہیں ہوتا کہ وہ اس منصب پر فائز ہیں۔ لیکن عوام الناس انہیں ولی سمجھتے ہیں۔ دوسری قسم ان ولیوں کی ہے جو منصبِ ولایت پر فائز تو ہوتے ہیں اور انہیں اس بات کا پتا بھی ہوتا ہے لیکن عوام الناس انہیں جانتے۔ تیسری قسم کے ولی وہ ہوتے ہیں جنہیں نہ تو خود پتا ہوتا ہے اور نہ عوام کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ منصبِ ولایت پر فائز ہیں اور ہوتے وہ ولی ہی ہیں۔ چوتھی قسم ان اولیاء اللہ کی ہے جو اس منصب پر فائز ہوتے ہیں اور اس منصب کا انہیں خود بھی پتا ہوتا ہے اور عوام کو بھی خلق اللہ کو ایسے اولیاء سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔“

میا نصاحب شریقی پوری رحمۃ اللہ علیہ لفضل تعالیٰ ولایت کے تمام اوصاف سے متصف تھے۔ جہاں ایک طرف آپ کو قبولیتِ تامہ حاصل تھی تو دوسری طرف مقنذ اور بلند پایہ مستبیلوں نے بھی آپ کا لوہا مانا۔ آپ کی پیدائش سے پیشتر کئی ایک اولیاء اللہ نے آپ کے متعلق پیش گوئیاں کیں اور آپ کے ہم عصر اولیاء کرام نے آپ کے کمالات اور درجاتِ عالیہ کا اعتراف کیا۔



ذیل میں چند ایک باکمال، عارفانِ باللہ اور بزرگ شخصیتوں کے ایسے واقعات درج کیے جاتے ہیں جن کا تعلق سرکارِ میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہے اور جن کے پڑھنے سے قاری پر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی اور شخصیت کے ایسے گوشے ظاہر ہوں گے جن سے آپ کی عظمت، فیوضاتِ کمال اور کمالاتِ خصوصی سے متعلق وہ مواد ملتا ہے جس سے کہ حضرت صاحب قبلہ بشرِ پوری رحمۃ اللہ علیہ کو دورِ حاضرہ میں منفرد اور بجا نہ حیثیت حاصل ہے۔ (واقعات کی تفصیل آئندہ صفحہ پر دیکھیں)



آغا سکندر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آغا سکندر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ
لاہوری اور ان کے جد امجد حضرت سید حسن پشادری رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین
تھے۔ آغا صاحب تباری سلسلہ کے صاحب نسبت کامل بزرگ تھے ان کے متعلق
حضرت صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے۔

”سوفی اللہ جمع کیے جائیں تو آغا سکندر شاہ صاحب انکی امامت کے

لائق ہیں۔“

آغا صاحب کو حضرت صاحب قبلہ سے والہانہ محبت تھی اور حضرت صاحب
قبلہ بھی ان کو بہت چاہتے تھے۔ آغا صاحب کئی دفعہ حضور کو ملنے شرفیور تشریف بھی
تشریف لائے میا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزار
پر گیا رہیں تشریف میں شرکت کے لیے لاہور جایا کرتے تھے اور جب آغا صاحب
وہاں تشریف لائے ہوتے تو حضرت صاحب قبلہ خاص طور پر ملاقات کے لیے
تشریف لے جاتے۔ آغا صاحب کی ملاقات کے لیے حضرت صاحب قبلہ
پشاور بھی گئے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ پشاور سے واپسی پر ہی آپ مہر ولایت حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب
رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے گورنہ تشریف تشریف لے گئے۔ جب آپ پر صاحب کے ہاں پہنچے تو
وہ پلنگ پر دراز تھے آپ نیچے ہی فرش پر دوڑا نوٹھیے گئے اس وقت پیر مہر علی شاہ صاحب
رحمۃ اللہ علیہ حاضرین کے سامنے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ کی تفسیر
بیان فرما رہے تھے۔ چند ساعتوں کے بعد حضرت میاں صاحب شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ نے
فرمایا ”حضرت! اس سے آگے تُوَادَّدْتَهُ أُسْفَلَ سَافِلِيَّتٍ پر بھی غور فرمائیے۔“
یہ سن کر قبلہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سامعین سے مخاطب ہو کر پنجابی زبان میں فرمایا۔

” دیکھو بھئی! جتنے ایہہ جنال جا اُڑا یا اوتھے مانھ نہ اُڑ سکیا۔“ یعنی جہاں یہ مرد خدا
 جا پہنچا ہے وہاں میں نہ پہنچ سکا۔“ اس کے بعد سرکار شہر قیوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت
 پیر صاحبؒ کے کچھ بات کہی تو وہ خاموش ہے۔ تھوڑی دیر بعد جب آپ نے خصنت
 کی اجازت لی تو پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا جواب دیا۔ آپ
 شہر قیور شریف آکر اپنے فرمایا ” علم تو یوں تھا جیسے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو لیکن میری بات
 کا جواب تو دیر سے دیا تھا۔“ بعد ازاں پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے
 مریدین کو یہاں شہر قیور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا کرتے
 تھے۔ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے بتایا کہ پیر صاحب فرماتے تھے۔
 ” میں حیران ہوں کہ میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا عروج کیسے پایا۔ میں جب بھی
 مولائے کل فخر رسل سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کچھری میں حاضر ہوتا ہوں تو میان صاحب
 شہر قیوری رحمۃ اللہ علیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داہنی طرف ہی بیٹھے ہوتے ہیں۔“
 ایک دفعہ آغا سکند شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہر قیور شریف شریف لائے
 تو حضرت صاحب قبلہ سے کہنے لگے ” چلو! یہاں کے مزارات پر چلیں“ چنانچہ حضرت
 صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اور آغا صاحب سخی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ محمد سعید
 صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ مراد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ہاشم شاہ سنگی
 رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر تشریف لے گئے۔ ہر ایک مزار پر صاحب مزار کے مقامات
 پر گفتگو ہوئی۔ بالآخر یہ دو صاحبان نے اس بات پر اتفاق فرمایا کہ حافظ ہاشم شاہ سنگی
 رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت شاہ امیر بالا پیر فرزند ارجمند حضرت محمد شاہ مقیم حجروی رحمۃ اللہ
 علیہ کے خلیفہ ہیں کا مقام بہت بلند ہے۔

حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے سرٹانے کی طرف ایک برآمدہ ہے
 جس میں گیارہویں شریف کی محفل ہوا کرتی تھی اور حتم شریف کے بعد دروازہ بند کر دیا

جاتا اور آغا صاحب کے مریدین کی ایک خاص مجلس ہوتی جس میں محبت آمیز اور عشقیہ اشعار پڑھے جاتے۔ چنانچہ ایک محفل میں جب کہ آغا سکندر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میر مجلس تھے۔ خوب وجدانی کیفیت پیدا ہوئی۔ پڑھنے والا عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی ایک غزل سنار ہاتھ صاحب اس مصرعہ پر پہنچا کہ

عجب جس نے اپنا آپ جلاپتیا اسکو جام شراب کیا چاہیے۔

محفل زڑپ اٹھی۔ رقت طاری ہو گئی اور لوگ وجد میں آگئے۔ والہانہ انداز

میں اس مصرعہ کی تکرار ہونے لگی۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں ایک مصرعہ پر ہی صبح ہو گئی۔

چند خاص مریدین نے آغا صاحب سے عرض کی ”حضور! ہم حیران ہیں کہ ہماری

محفل میں غزلیں اور اشعار پڑھے جاتے ہیں۔ سوزِ عشق سے دلوں کو گر مایا جاتا ہے

تب کہیں خامی محنت سے وجدان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے لیکن میاں صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کے مرید ہیں کہ ادھر گیارہویں شریف میں درود شریف کی چادر بکھی اور وہ دیکھتے ہی

لوٹ پلوٹ ہو جاتے ہیں اور عشق کی نمرستیاں انکو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔“

یہ سن کر آغا صاحب رو دیے اور فرمایا ”کیا تم نہیں جانتے کہ ان کا پیر کس شان کا ہے؟

جس شان کا ان کا پیر ہے اُس شان کے اس پیر کے مرید ہیں۔ نہ میں اس شان کا نہ

تم اس شان کے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہماری محفل کی گرمی میاں صاحب کے آنے

سے کس طرح ٹھنڈی ہو جاتی ہے؟“

شاہ محمد عنوت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بعض ضروریات کے پیش نظر ایک عمارت

بنانے کی تجویز ہوئی۔ لیکن اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے کافی روپیہ کی ضرورت تھی جو بظاہر

ناممکن الحُصول نظر آتا تھا۔ آغا سکندر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب پتا

چلا تو انہوں نے ایک آدمی پر تصرف فرمایا تو اُس اکیلے نے ہی ساری عمارت بنا

دی۔ جب میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو اپنے فرمایا۔

”آغا صاحب کو عمارت کے لیے تصرف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہی کسی انسان پر تصرف کرتے اور اسے بندہ بنا دیتے۔“

ایک دن آغا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ ”میرے بڑے لڑکے کا تصوف کی طرف رجوع کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کہیے کہ اپنے فضل سے ایک ایسا بچہ عطا فرمائیں جو اپنے اجداد کے سلسلہ فیض کو جاری رکھتے ہوئے خلیق خدا کی خدمت کرے،“ آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ”آپ منظور بارگاہ الہی ہیں۔ آپ خود دعا فرماویں۔“ لیکن آغا صاحب نے بہت اصرار کیا اور آپ خاموش رہے۔ کچھ عرصہ بعد آغا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا۔ جب وہ بچہ چار پانچ برس کا ہوا اور آغا صاحب اپنے ہمراہ سے لاہور لائے تو ملاقات کے وقت اس بچے کو انہوں نے حضرت صاحب قبلہ کے حضور پیش کیا۔ لڑکے کا بڑی تعظیم سے پیش آیا۔ آپ نے بڑی محبت فرمائی اور پیار کیا۔ آغا صاحب نے فرمایا ”یہ آپ کا ہی بچہ ہے۔“

آغا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے وہی صاحبزادے سجادہ نشین ہوئے۔ ان کا یہ علم تھا کہ ہر وقت سر مست و بیخود رہتے اور وجدانی کیفیت طاری رہتی۔ کبھی کبھی کھڑے پھاڑ کر جھکل کو چل دیتے۔

ایک دفعہ صاحبزادہ صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے تھے تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ازراہ شفقت انکو ملنے گئے۔

مجھ عاجز کے والد مکرم (حاجی فضل الہی صاحب مونگہ) فرماتے ہیں۔ ”میں کوچہ حکیم شاہ دین میں اپنے (عارضی) مکان پر سویا ہوا تھا کہ اچانک رات کے گیارہ بجے دروازہ پر مستری کرم دین صاحب کی آواز سنائی دی۔ باہر آکر دیکھا تو ان کے ہمراہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ میں جلدی ہی کپڑے پہن کر ساتھ ہولیا۔

آپنے فرمایا: ”افغان سکز شاہ صاحب کے صاحبزادہ صاحب آئے ہوئے ہیں انہیں ملنے آیا ہوں۔ ہم شاہ محمد غوث چلے آئے اور رات وہیں مقیم رہے۔ صبح صاحبزادہ صاحب کے ملاقات ہوئی تو وہ بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آئے اور حضرت صاحب نے بھی بڑی شفقت فرمائی اور بڑے خوش ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب نے آپ سے عرض کی ”آپ میرے والد صاحب کی جگہ ہیں۔ میری طرف خاص توجہ فرمایا کریں۔“ آپ نے کھانا وہیں تناول فرمایا اور مستری کرم دین صاحب کے کہا: ”تم بازار سے اپنا سودا سلف لے آؤ اور لوہاری منڈی آجانا۔“

حضرت صاحب قبلہ حاجی فضل الہی کو ہمراہ لیا اور یہ کہتے ہوئے کہ چلو ذرا ”وٹوانی“ کر لیں وہاں سے چلے آئے۔

والد صاحب کہتے ہیں جب ہم دہلی دروازہ کے چوک میں سے گزرے تو مجھے خیال ہوا کہ کچھ سنگرتے لے لیے جائیں۔ میں سنگرتے لینے کھڑا ہو گیا اور حضرت صاحب قبلہ آگے نکل گئے سنگرتے لے کر پیچھے بھاگا تو دیکھا آپ یکی دروازہ کے باہر میا عبدی مالواڑہ بریٹر کے مکان کے ساتھ والی مسجد میں داخل ہوئے ہیں۔ میں بھی پیچھے ہی مسجد میں چلا گیا۔ آپ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا ”مجھے سنگرتوں کا خیال آیا تھا۔ اب تو گناہ زیادہ ہو گئے ہیں، پہلے تو جس چیز پر نظر پڑتی تھی سارے بدن میں اسی کا ”سواد“ بھر جاتا تھا جسے کہ اگر کوئی آدمی نظر آجاتا تو اس کی ساری زندگی کا عکس میرے سامنے آجاتا“ یہ کہنے کے بعد آپ باہر آگئے اور جوتی کو جھاڑ کر یہ فرماتے ہوئے اندر لے آئے ”بھئی! سنا ہے لاہو میں جوتیاں چوری ہو جاتی ہیں“

۱۔ مشہور و معروف مسلم لیڈر اور پنجاب کے سابق گورنر سردار عبد القاب نشتر مرحوم افغان سکز علی شاہ صاحب کے انہی صاحبزادہ صاحب سے بیعت تھی۔



وہیں مسجد میں بیٹھ کر اپنے چند ایک سنگرتے کھائے اور مصری شاہ کی طرف
 جہاں اُن دنوں جنگل ہوا کرتا تھا چلے آئے۔ کچھ دُور ایک باغ میں اپنے حاجا
 ضروریہ سے فراغت حاصل کی اور نزدیک ہی ایک مسجد میں (جس کے ساتھ ایک تھڑا سا
 بنا ہوا تھا استنجیا کیا اور اپنی عادت کے مطابق اپنے ہاتھوں غسل خانہ میں پانی ڈال کر
 غسل فرمایا) نفل ادا کیے اور فرمایا ”یار! دعا کر ایہ مسجد آباد ہو جائے۔“

حاجی فضل الہی صاحب بیان کرتے ہیں۔ ”ہم واپس شاہ محمد غوث آگئے اور
 صاحبزادہ صاحب کو مل کر اکبری دروازہ سے ہوتے ہوئے سریلوں والے بازار چلے
 آئے۔ وہاں بازار میں خطائیوں (ایک طرح کے بسکٹ) والی ایک دکان پر ایک سفید
 ریش، بھاری بھر کم، خضر صورت، نابینا بزرگ بیٹھے ہوئے تھے آپ اُن کے پاس گئے
 اور زانوؤں پر ہاتھ رکھ کر سلام سنون کہتے ہوئے فرمایا۔ ”بابا حاجی! کیا حال ہے۔“
 بابا حاجی نے کہا ”الحمد للہ“ یہ سن کر آپ آگے نکل گئے اور بابا حاجی اپنی اپنی آواز میں بچارے
 لگے ”میا نصاحب ذرا ٹھہریے۔ ذرا کھڑیے۔“ آپ نے مجھے اشارہ کیا کہ چلے آؤ۔
 قریب ہی محلہ ککے زبیاں میں اپنی مسجد میں آپ تشریف لے گئے اور فرمایا۔

”یہاں بابا محمد حجام، میر جان صاحب سجادہ نشین حضرت ایشاں صاحب
 رحمۃ اللہ علیہ کامرید کہیں رہتا ہے۔“ ابھی آپ یہ فرما ہی رہے تھے کہ بابا محمد آگیا اور
 بڑی عقیدت سے آپ کو ملا اور کہنے لگا۔ ”مجھے مدت سے میا نصاحب بلہ کی زیارت
 کا اشتیاق تھا آج اللہ تعالیٰ نے یہ آرزو پوری کر دی ہے۔“

حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بابا محمد حجام پر کمال مہربانی فرماتے کے بعد پوچھا

بلہ۔ آج کل اس جگہ ایک فراخ اور خوبصورت مسجد آباد ہو چکی ہے اور اس کے ارد گرد بڑی گنجان
 آبادی ہے نمازیوں سے یہ مسجد ہر وقت آباد رہتی ہے۔

”یہاں مسجد میں شہر قبور کے ایک حافظ غلام نبی پیشوا امام ہیں، وہ کہاں ہیں؟“
 بابا جی نے عرض کی: حضور! وہ تو بچی دروازہ رہتے ہیں اور نماز کے وقت ہی آتے ہیں۔“
 ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ حافظ صاحب تشریف لے آئے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور
 کہا: ”اپنی لڑکی کو گھر کیوں بٹھا رکھا ہے اس کو سسرال کیوں نہیں بھجوتے؟“ حافظ صاحب
 نے چند ایک شکایات عرض کیں۔ لیکن آپ نے لڑکی بھیج دینے پر ہی اصرار کیا۔ حافظ
 صاحب کہنے لگے: ”سرکار! کوئی لینے بھی آئے وہ تو آتے ہی نہیں۔“ حافظ صاحب
 ابھی یہ کہہ رہے تھے کہ مہربخش گولی جو اس لڑکی کا سسر تھا آگیا۔ اور آپ حافظ صاحب کو
 مہربخش کے ساتھ لڑکی رخصت کرنے کی ہدایت فرما کر وہاں سے چلے آئے۔ سبحان اللہ
 حضرت صاحب شہر قبور رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا کوئی لمحہ اور کوئی وقت ایسا نہیں تھا
 جس میں اصلاح احوال، فیض رسانی اور تبلیغ کا مشن آپ کے پیش نظر نہ ہو آپ جہاں بھی
 گئے اور جب بھی کوئی موقع ملا آپ نے اس تبلیغی اور اصلاحی پروگرام کو جاری رکھا آپ
 اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی کسی کے ہاں جاؤ تو دو باتیں پیش نظر رکھو وہ یہ کہ یا تو
 دوسرے شخص کو فیض دیا کرو یا اگر وہ تم سے اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے تو اس سے
 فیض حاصل کرو۔ یہ دونوں باتیں تبلیغ میں شامل ہیں۔

حافظ غلام نبی صاحب کو انکی لڑکی کی رخصتی کے متعلق ہدایت فرمانے کے بعد
 جب حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے چلے آئے تو آپ نے سوہا بازار سے
 لنگر کے لیے کچھ والیں خرید فرمائیں اور کیرے بازار سے کچھ برتن خریدے لیکن اس خریداری
 کے دوران میں کسی آدمی نے بھی آپ سے عینک سیکٹ کی حالانکہ وہاں کافی تعداد میں آپ
 کے عقیدتمند رہتے تھے۔ میں حیران تھا (حاجی فضل الہی) کہ جاننے والے بہت ملتے ہیں
 لیکن کسی نے بلا باہمی نہیں چلنے چلنے آپ لوہاری منڈی اونچی مسجد میں تشریف لے آئے
 وہاں آپ کو ملنے کے لیے اتنے لوگ آئے کہ مسجد تمام کی تمام بھر گئی اور گلی میں کھوٹے کھوا

چھلنے لگا۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ اس دھکم پیل اور ہجوم میں میں پچھلے چھپ رہ گیا اور دروازہ پر کھڑا تھا کہ حضرت صاحب نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور مسکرا کر فرمایا "اسے آگے آنے دو" اس واقعہ سے میری ذہن میں فرمایا یہ حکایت ابھرائی کہ مترجم الاولیاء حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں جمعہ کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو متتاقان غوث کا ایک ہجوم ہوتا جو قد مبوسی کے لیے دارنتگی میں سرکار کے پائے اقدس پر گرتا تھا۔ ایک ضعیف العمر انسان اکثر یہ نظارہ دیکھتا اور ناطقتی کی وجہ سے اپنی محرومی پر کفِ فسوس ملتا اور بڑی ہی حسرت سے کہتا۔ "کیا یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ کبھی اکیلے میں مجھے بھی شرفِ باریابی حاصل ہو۔"

چنانچہ ایک دن حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکیلے ہی اسکی دکان پر تشریف لے آئے وہ فوراً نیچے اتر آقا قد مبوسی کے آپ کے ساتھ ہو لیا جامع مسجد تک وہ بوڑھا آدمی سرکار کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور حیرانی کے عالم میں یہ دیکھتا رہا کہ سارے راستے میں ایک آدمی نے بھی حضور کو سلام نہ کیا اس بات سے اس بوڑھے کو گمان ہوا کہ کہیں یہ سرکار غوث کے حلیہ کا کوئی اور آدمی ہی نہ ہو۔ ابھی اس خیال کا اس کے دل میں گزر ہی ہوا تھا کہ خلقت ہر طرف سے آپکی قد مبوسی کے لیے آنے لگی اور اتنی بھیڑ ہو گئی کہ اس کو پیچھے بہٹ کر ایک طرف کھڑا ہونے ہی بنی حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور مسکرا کر فرمائے لگے۔

"یہ تو بیری اپنی قسمت کہ تجھے یہ خیال ہوا ورنہ میں نے آج سارا دن تیرے لیے وقف کر دیا تھا یہ تو ہمارے اختیار میں ہے کہ کسی کو پاس آنے دیں یا نہ آنے دیں" سبحان اللہ!

شاہ ابوالخیر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
 نثر فقیر شریف سے کچھ ناصلے
 پر ایک چھوٹا سا گاؤں "ڈھاناہٹے"

دہاں کا ایک باشندہ محمد معصوم حضرت صاحب قبلہ شریقی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدتمندوں میں سے تھا۔ اس کا باپ بھی آپسے ہی بیعت تھا۔

محمد معصوم لاہور میں اینٹیں پکانے والے ایک بھٹے پر ملازم تھا۔ ایک دفعہ وہ کسی کاروباری سلسلہ میں دہلی گیا۔ اہل نسبت حضرات جن کا تعلق کسی مردِ کامل سے ہو کے دلوں میں ہر وقت یہ جذبہ موجود رہتا ہے کہ کسی بزرگ ہستی سے فیض حاصل کیا جائے حضرت صاحب قبلہ سے تعلق کی وجہ سے محمد معصوم کا دل بھی جستجو و آرزو سے ہمکنار تھا جب وہ دہلی پہنچا تو اس نے کسی سے پوچھا ”یہاں دہلی میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ حضرت شاہ ابوالخیر صاحب ہستے ہیں۔ وہ کہاں مل سکیں گے“ اور پتا معلوم کر کے محمد معصوم ان کے آستانہ پر جا پہنچا۔

وہاں یہ دستور تھا کہ جب شاہ ابوالخیر صاحب مجلس میں تشریف لاکر بیٹھے تو چھٹا مقررین آپ کے سامنے ملاقاتیوں کی درخواستیں پیش کرتے اگر شاہ صاحب خاموش رہتے تو ملاقاتی کو ملنے کی اجازت دے دی جاتی اور اگر شاہ صاحب انکار فرمادیتے تو پھر ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حسب دستور جب شاہ ابوالخیر صاحب تشریف لائے تو محمد معصوم کی درخواست بھی پیش کر دی گئی لیکن ملاقات کی اجازت نہ مل سکی اور بے نسیل مرام واپس لوٹ آیا۔

کچھ دنوں بعد محمد معصوم شریقی پور شریف حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنے مسکرا کر پوچھا ”کہیں باہر گئے ہوئے تھے؟“

”جی! ایک کام کے سلسلہ میں دہلی گیا تھا“ محمد معصوم نے جواب دیا۔ وہاں شاہ ابوالخیر صاحب ہیں۔ ان کے پاس بھی گیا تھا۔“ آپ نے پوچھا کہنے لگا ”محضو! کیا تو تھا لیکن ملاقات نہ ہو سکی، اور سلا واقعہ کہہ سنایا۔“ آپ نے فرمایا۔ اب کے دہلی جانا ہونو ضرور انکی خدمت میں حاضر ہونا۔“

یہاں سے واپس لاہور جاتے ہی ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ اسے پھر دہلی جانا پڑا۔

محمد معصوم کے بیان کے مطابق جب وہ ریل گاڑی میں سوار دہلی پہنچا تو ریوے اسٹیشن پر چند ایک پٹھان اس کا نام، اس کے والد کا نام اس کے گاؤں کے نام کے ساتھ اونچی آواز سے پکار رہے تھے۔ پٹھان گاڑی کے ایک سرے سے چلتے اور دوسرے سرے تک ہر ڈبہ کے سامنے کھڑے ہو کر پکارتے کہ محمد معصوم فلاں کا بیٹا ”ڈھانا“ پنجاب کا رہنے والا کوئی ہے؟

محمد معصوم یہ سوچتے ہوئے کہ اس کا تو یہاں کوئی ایسا واقف یا جان پہچان رکھنے والا نہیں ہے جو اس کے باپ اور گاؤں کے نام بھی جانتا ہو، حیرانی کے عالم میں خاموش بیٹھا رہا۔ آخر جب تمام مسافر پلیٹ فارم سے چلے گئے تو محمد معصوم نے پٹھانوں سے پوچھا۔
”بھئی! تم نے محمد معصوم کو کیا کہنا ہے؟“ ان پٹھانوں نے پوچھا ”کیا تم ہی محمد معصوم مرفوع ”ڈھانا“ پنجاب کے رہنے والے ہو؟“ اور یہ معلوم ہو جانے پر کہ یہی مطلوبہ شخص ہے انہوں نے کہا۔
”اے میاں! شاہ ابوالخیر صاحب نے ہمیں تم کو لینے بھیجا ہے۔ اسٹیشن سے باہر کار کھڑی ہے ہمارے ساتھ چلو! تم ان کے یہاں ہو“ اور محمد معصوم ان کے ہمراہ کار میں سوار ہو کر شاہ ابوالخیر صاحب کے ہاں جا پہنچا۔

جب وہاں شاہ ابوالخیر صاحب سے اس کا سامنا ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا۔
”اے میاں! تم ناراض ہو گئے ہو۔ تم تو ہمارے اپنے آدمی ہو“ محمد معصوم کافی دن دہلی مقیم رہا اور جب تک رہا انہی کے ہاں ہی رہا۔ شاہ صاحب اس سے بڑی محبت اور شفقت کا بڑاؤ کرتے اور شاہ صاحب کے ہمراہ کھانا کھانے کا شرف بڑے سے بڑے نوابوں کو بھی حاصل نہیں ہوا تھا لیکن محمد معصوم جب تک وہاں رہا شاہ صاحب کے ہمراہ کھانا کھانے کی سعادت سے بہرہ ور رہا۔

حضرت شاہ ابوالخیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب لاہور تشریف لائے تو عبدالعزیز

بیرسٹر کے مکان پر رہائش پذیر ہوئے۔ لاہور کی اقامت کے دوران ایک دن شاہ صاحب
 شالا ماربل دیکھنے جا رہے تھے کہ راستہ میں باغبانپورہ سے گزر رہا اور آپ فرماتے لگے
 ”ارے میاں! یہاں کہیں پاس ہی کسی بھٹے پر محمد معصوم رہتا ہے اسے تو بلاؤ۔“ چنانچہ
 ایک آدمی گیا اور محمد معصوم کو بلا لایا۔ آپ نے اس سے بہت پیار کیا اور اپنے ساتھ
 موٹر میں بٹھا کر ہمراہ لے گئے۔ راستہ میں شاہ صاحب نے محمد معصوم سے کہا ”ارے میاں!
 کیا تم تھوڑی دیر کے لیے اپنے سپر کو یہاں لا سکتے ہو؟“ اس نے جواب دیا۔

”جناب! لا تو نہیں سکتا۔ عرض کر سکتا ہوں۔“

یہ سن کر شاہ صاحب نے فرمایا ”ہاں بھئی! میرا تاں گالے جاؤ اور میری طرف سے بھی
 عرض کرو کہ یہ بوڑھا کہتا ہے کمزور ہوں، آنے میں دقت ہے اگر آپ تشریف لے
 آئیں تو مہربانی ہوگی۔“

سو محمد معصوم ان کا تاں گالے کہ تشریف اور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی
 خدمت میں حاضر ہوا اور تشریف لے چلنے کے لیے عرض کی۔ حضرت میاں صاحب قبلہ
 اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ تاں گالے پر شاہ صاحب کی ملاقات کے لیے عبدالعزیز بیرسٹر
 کے مکان پر پہنچے۔ حضرت صاحب قبلہ شاہ ابوالخیر صاحب کے فاصلہ پر ہی دو زانو بیٹھ
 گئے۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد شاہ ابوالخیر صاحب نے میاں صاحب قبلہ کو بازو
 سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا اور اپنے خلفاء اور مریدین کو مخاطب کرتے ہوئے
 فرمایا۔ ”دیکھو! تمہیں میرے پاس رہتے ہوئے چالیس چالیس برس ہو گئے ہیں۔ یہ عزیز
 آیا ہے اور اس نے آتے ہی مجھے لوٹ لیا ہے۔“ یہ کہنے کے بعد شاہ صاحب آپ سے
 پیار بھری باتیں کرنے لگے۔

شاہ صاحب گنجینۂ اسرار تھے تو سرکار میاں صاحب منبع فیوضات۔ دونوں
 باکمال اہل نسبت صاحبان کا ہم ملکر بیٹھنا عجیب کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ انوار تجلیات کی

بارش ہو رہی تھی پیشانیوں سے ٹور پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا تھا۔ حاضرین کے قلوب یادِ الہی میں محو تھے۔ ان عارفانِ الہی کے قلوب پر تجلیوں کی ضیا باریاں ہو رہی تھیں اور کہیں پھوٹ پھوٹ کر حاضرین کے دلوں کو منور کیے جا رہی تھیں۔

اللہ اللہ کیا رُ لطف منظر ہو گا اور کیسے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ایسی نیک مجلسوں میں رُوح کی بالیدگی کے لیے غذا حاصل کرتے ہیں۔

کچھ دیر یہ کیفیت طاری رہی اس کے بعد حضرت صاحبِ بلہ نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا اور شاہ ابوالخیر صاحب الوداع کہتے ہوئے مکان پر اوپر جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حاجی منتری کرم دین صاحب اور حاجی فضل الہی صاحب اور دیگر احباب آپ کے ہمراہ تھے انہوں نے شاہ صاحب جو کہ بہت بوڑھے ہونے کی وجہ سے آسانی سے بیٹھ سکتے تھے کو دو طرف سے کندھوں کا سہارا دیا جب شاہ صاحب بیٹھ ہی چڑھ لیتے تو سہارا دینے والے اپنا گھٹنا نیچے زمین پر ٹیک دیتے تھے اور شاہ صاحب ساتھ ساتھ فرماتے جاتے تھے۔ ”ارے میاں صاحب کے مرید کیا کوئی آدمی ہیں؟ ارے نہیں! یہ تو کوئی فرشتے ہیں۔ فرشتے“

ایک دفعہ قبلہ سید عبداللہ شاہ صاحب سابق پیشِ امم مسجد میان صاحب شرفپور شریف سے دہلی گئے اور ان کے دل میں بھی شاہ ابوالخیر کی ملاقات کا شوق چڑھ گیا۔ چنانچہ عبداللہ شاہ صاحب ان کے ہاں جا پہنچے۔ وہاں حسبِ دستور ملاقاتی درخواستیں لے رہے تھے انہوں نے بھی ملاقات کے لیے درخواست دی اور انہیں اندر بلا لیا گیا یہ بھی اور لوگوں کے ساتھ حلقہ میں بیٹھ گئے۔ حلقہ میں حکیم اجل خاں جیسے بڑے بڑے رُو سا اور عمادین شہر بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ ابوالخیر صاحب ہر ایک سے پوچھتے ”ارے! کیا لایا ہے۔“ جو کچھ بھی وہ کہتا سن کر آپ فرماتے۔ ”بہت تھوڑا لایا ہے۔“ کوئی پانصد کہتا کوئی ہزار لیکن آپ یہی فرماتے کہ نذر تھوڑی لایا ہے

حکیم اجل خاں سے بھی پوچھا۔ ”حکیم صاحب کمال لائے ہو؟ وہ خاصا امیر آدمی تھا اور اچھی خاصی مقدار میں نذر لایا تھا لیکن آپ نے یہی فرمایا ”ارے! بہت تھوڑی لایا ہے“ حکیم اجل خاں کے بعد ہمارے عبداللہ شاہ صاحب کی باری تھی۔ شاہ ابوالخیر صاحب نے عبداللہ شاہ صاحب سے پوچھا۔

”ارے میاں! کمال لائے ہو۔“ ؟

عبداللہ شاہ صاحب نے فی البدیہہ کہہ دیا۔ ”حضور! میں اپنا آپ لایا ہوں“ یہ سنا تھا کہ شاہ ابوالخیر صاحب نے اونچی آواز سے سب لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”ارے دیکھو! یہ بات صرف میاں صاحب شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین میں ہی ہو سکتی ہے“ اور عبداللہ شاہ صاحب سے بڑی شفقت فرمائی۔ اپنے ہاں مہمان رکھا اور اپنے ساتھ کھانا کھلاتے رہے۔ شاہ ابوالخیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر ملنے والی سے آپ کے مناصبِ جلیبہ کے متعلق باتیں کرتے تھے۔

مولانا سراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سرکار شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ کو غوث علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے وہانی محبت تھی آپ دو تین بار ان کے مزار پر پانی پت بھی تشریف لے گئے تھے ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ حاجی شیخ کریم بخش کو ہمراہ لے کر پانی پت گئے غوث علی شاہ صاحب کے مزار پر فاتحہ کے بعد اپنے فرمایا۔

”ان کے سجادہ نشین سے بھی ملاقات کریں“ پتہ لینے پر معلوم ہوا کہ وہ کہیں

لے۔ شاہ صاحب کے ہاں ہر وقت یہی کھاتے لیے ایک منشی بیٹھا رہتا تھا۔ جو نذریں آئیں اسی کے

سپردہ کو دی جاتیں وہ محفوظ کر لیتا۔ شاہ صاحب فرماتے ان دنیا والوں نے کیا سمجھ رکھا ہے یہاں کوئی آئے تو پیش سے آئے۔

(یہ شاہ لہور استمان تھا)



باہر تشریف لے گئے ہوئے ہیں اور دو ماہ باہر رہنے کا پروگرام ہے۔ آپ نے فرمایا۔
 ”مسجد میں ہی چل کر کچھ دیر قیام کر لیا جائے،“ مسجد میں آئے ہوئے ابھی کچھ دیر ہی
 گزری تھی کہ آپ نے فرمایا۔ ”کریم بخش! دیکھو تو سجادہ نشین صاحب! تو نہیں گئے
 کریم بخش نے جواب دیا ”حضور! وہ تو دو ماہ کے لیے باہر گئے ہوئے ہیں۔“ آپ نے فرمایا
 ”دیکھو تو سہی!“ میاں کریم بخش صاحب کی دلچسپی پر آپ نے مسکرا کر فرمایا ”چلو، ذرا
 ان سے مل لیں۔“

جب آپ ان کے ہاں تشریف لائے تو سجادہ نشین صاحب پنگ پر بیٹھے
 ہوئے تھے۔ آپ نیچے زمین پر ہی دو زانو بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد آپ نے اجازت
 لی اور کچھ نذر کرنے کے بعد واپس چلے آئے۔ راستے میں آپ نے فرمایا۔ ”جو چیز میں چاہتا
 تھا وہ نہیں ہے۔“

وہاں سے آپ کرمنا چلے آئے اور جب کرمنا اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر بیٹھے
 ہوئے تھے تو ایک بزرگ صورت انسان چند ساعتوں کی معیت میں وہاں آئے
 اور سلام مسنون کہا۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ ”آپ
 مولانا سراج الحق ہیں۔“ اور مولانا نے بھی جواباً فرمایا۔ ”آپ میاں صاحب شرتپوری ہیں۔“
 اور یہ کہتے ہوئے دونوں بغل گیر ہو گئے۔ آپ نے مولانا صاحب سے پوچھا۔ ”کہہ
 تشریف لے جا رہے ہیں۔“ مولانا نے کہا۔ ”یہاں نزدیک ہی زمین ہے وہاں جا رہا
 ہوں۔“

کچھ دیر دونوں حضرات مصروف گفتگو رہے اور بعد ازاں مولانا سراج الحق صاحب
 بعد علیک ایک اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے مولانا کی روانگی کے بعد حضرت صاحب
 قبلہ نے فرمایا۔ ”سجادہ نشین غوث علی شاہ صاحب کا تو محض بہانہ تھا۔ اصل بات
 مولانا مذکور کی ملاقات تھی۔ مولانا بڑے بزرگ آدمی ہیں۔“ مولانا نے بھی اپنے



ساتھیوں سے کہا۔ ”میا نصاحب کو ملکر روحانی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ بڑی مدت سے ملاقات کی خواہش تھی۔“

ساندہ میں ایک شاہ صاحب

اعلیٰ حضرت سرکار میا نصاحب رقبوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک شاہ صاحب (جو اپنا نام نہیں بتایا کرتے تھے) ساندہ کلال لاہو میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ کو عالموں اور بزرگوں سے ملاقات کا بہت شوق تھا۔ پھر شاہ صاحب کا پتا چلا تو آپ ساندہ میں انکی ملاقات کو تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب بلہ نے سرکار ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شاہ صاحب کے پاس بھیجا اور فرمایا۔ ”ذرا مسجد میں قیام کر لینا۔“ چنانچہ بارشاد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سرکار ثانی صاحب ساندہ گئے تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب محترم ساندہ گئے ہوئے ہیں اور دو ماہ کے بعد واپس تشریف لائیں گے۔ ثانی صاحب نے یہ سکر واپسی کی بجائے بحکم اعلیٰ حضرت شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ تھوڑے سے قیام کا ارادہ کیا اور مسجد میں چلے گئے۔

ابھی کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ شاہ صاحب بلہ مسجد میں تشریف لے آئے ثانی صاحب انکو دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ شاہ صاحب تو ساندہ میں تھے ابھی یہاں نظر آ رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے ثانی صاحب کی حیرانی و تعجب دیکھ کر فرمایا ”میں ساندہ میں ہی تھا تمہارے لیے آیا ہوں ابھی واپس چلا جاؤنگا۔ ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاہ صاحب قبلہ کو ملکر واپس آ گئے۔“

چند ماہ گزرنے کے بعد راقم الحروف کے والد صاحب کو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”ساندہ کلال جانا اور فلاں شاہ صاحب کو ملنا۔“ چنانچہ



والد صاحب جب ساندہ پہنچے تو دیکھا کہ وہ ابھی دور ہی تھے کہ شاہ صاحب قبلہ
 خیر مقدم کے لیے چلے آ رہے ہیں اور ان کا بازو تھام کر تھامے گئے اور فرمایا۔
 ”صبح سے راہ دیکھ رہا تھا اور شرفیور شریف سے کسی فرد کی آمد کا انتظار کر رہا
 تھا۔ شاہ صاحب انہیں بازو سے پکڑ کر ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں مزدور اور مہار
 بیٹھے ہوئے تھے اور ایک کمرہ کی بنیادیں کھدی پڑی تھیں۔ شاہ صاحب نے والد صاحب
 سے فرمایا۔ ”لو عزیز اس کی بنیاد رکھو۔“ والد صاحب یہ سن کر بڑے گھبرائے اور عرض
 کی۔ ”جناب! میں تو اس کا اہل ہی نہیں ہوں۔ شاہ صاحب فرمانے لگے۔ ”میں نے
 حضرت صاحب قبلہ سے عرض کی تھی۔ آپ نے اسی لیے تمہیں بھیجا ہے۔“ چنانچہ والد
 صاحب (حاجی فضل الہی) کے ہاتھوں شاہ صاحب نے اس کمرہ کی بنیاد رکھوائی۔
 بعد ازاں شاہ صاحب، والد صاحب کو ایک مزار پر لے گئے جو کچھ ہی فاصلہ
 پر ایک باغ میں تھا اور فرمانے لگے۔ ”حضرت میان صاحب شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ یہاں
 تشریف لائے تھے اور آپ نے اس جگہ اپنی جوتیاں اُناری تھیں۔ اب میں اس جگہ کمرہ
 بنا رہا ہوں۔ یہ میرا عبادت خانہ ہوگا۔“

شاہ صاحب نے سرکار میان صاحب قبلہ کی تعریف اس انداز اور ایسے الفاظ
 میں کی کہ کوئی دوسرا کیا کر سکے گا۔ نیز شاہ صاحب نے فرمایا۔ ”میرا بیس بائیس ہزار
 کے لگ بھگ مرید ہے میں عنقریب انکو حضور میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے
 سپرد کر کے خود چلا جاؤں گا۔“ چنانچہ اس کے بعد ان حضرت کا کوئی پتہ نہ چل سکا
 کہ کہاں ہیں۔

مندرجہ بالا واقعہ کو ایک مدت ہو چکی تھی جبکہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ
 کا وصال ہوا۔ آپ کا جنازہ باہر قبرستان کے نزدیک سڑک پر رکھا ہوا تھا کہ ایک
 نقاب پوش نے والد صاحب کو بلایا۔ والد صاحب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ تو

شاہ صاحب مذکور تھے۔ انہوں نے فرمایا ”مجھے آپ کی آخری آرام گاہ بننے والی جگہ بتاؤ۔“ جب شاہ صاحب اس جگہ پہنچے تو کہا۔ ”آج اہالیان قبرستان بڑے خوش ہیں۔ اتنے خوش کہ مسرت و شادمانی سے محور قص ہیں کہ ان میں ایک قطبِ وقت اور بے نظیر ہستی کا ورود ہونے والا ہے۔ شاہ صاحب نے مزار شریفِ والی جگہ دیکھی اور کہا ”میں نے ابھی چلے جانا ہے۔“ والد صاحب نے کہا۔ ”جنازہ پڑھ کر جاتے گا۔“ انہوں نے فرمایا۔ ”میں سندھ میں تھا کہ آپ کا وصال ہوا۔ حضور کے دیدار کی تمنا پوری کر لی ہے۔ میں نے ابھی واپس جانا ہے۔“ چنانچہ باتیں کرتے کرتے ہی وہ گم ہو گئے۔

میرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

لاہور شہر سے باغبان پورہ جاتے ہوئے پنجاب انجینئرنگ کالج کے عقب میں سڑک پر بسنے ہی ایک گنبد پر نظر پڑتی ہے۔ یہ گنبد حضرت ایشاں رحمۃ اللہ علیہ کے روضے کا ہے جو اپنے زمانہ کے مانے ہوئے صاحبِ علم و عرفاں و بزرگ تھے۔ آپ کی ذات بڑے کمالات کی حامل تھی۔ اس روضہ مبارک سے کچھ ہی فاصلہ پر ایک قدیمی مسجد ہے جس کا ماحول بڑا بابرکت اور گداز ہے ان دنوں یہ غیر آباد سی مسجد جو ”بیگم مسجد“ کے نام سے مشہور تھی آبادی سے دور ہونے کی وجہ سے ریاضت و عبادت کرنے والے صوفی نش سالیکن اور صاحبِ فذوق حضرات جو آبادی سے دور، دنیا و مافیہا سے بے خبر ذاتِ باری سے لو لگائے۔ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتے تھے کامسکن تھی۔ حضرت میا صاحب قبلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی اوائل عمر میں بیگم مسجد، بڑے میاں درس اور حضرت ایشاں رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر اکثر جایا کرتے تھے اور وہاں جا کر کافی دیر خیال میں بیٹھا کرتے تھے۔

اس زمانہ میں ایشاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین ایک کابلی سید

میر جان صاحب تھے وہ ایک بلند پایہ بزرگ اور اوصاف حمید کے مالک تھے۔ حضرت صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے۔ ”میر جان صاحب کی آنکھیں بتاتی ہیں کہ وہ ہر وقت اللہ کے حضور میں ہیں۔“

میر جان صاحب کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی محبت تھی۔ عشق رسول کا ان پر غلبہ تھا۔ وہ ضعیف العمر اور کمزور ہونے کی وجہ سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت اپنے گھٹنے کھڑے کر کے کمر اور زانوؤں کے گرد کپڑا لپیٹ لیتے تھے اور گھٹنوں پر قرآن شریف رکھ کر تلاوت فرماتے تھے لیکن جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درودِ پاک پڑھا ہوتا تو کمال ادب اور محبت کی وجہ سے دو زانو بیٹھ کر پڑھتے۔ سبحان اللہ۔ میر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نماز میں جماعت کی اہمیت عموماً خود کیا کرتے تھے اور جب قرأت پڑھتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کاسم گرامی آجاتا تو نماز کی حالت میں ہی بیباختہ اونچی آواز میں پکار اٹھتے صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی وہاں جاتے میر جان صاحب آپ سے بڑی محبت کرتے۔ اپنے خود فرمایا کہ آپ ایک دن ایشاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے گئے میر جان صاحب مسجد کے صحن میں حوض کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ بھی ان کے پاس بیٹھے گئے اس وقت وہاں کا ماحول کچھ عجیب سا تھا۔ ایک آدمی کو دھبہ ہو رہا تھا ایک پاس بیٹھا تلاوت کر رہا تھا ایک مراقبہ میں مشغول تھا اور ایک آدمی آکر حوض میں نہانے لگا۔ آپ فرماتے ہیں۔

”مجھے بڑی غیرت آئی اور میں اٹھ کر ایشاں صاحب کے روضہ کے اندر چلا گیا۔ وہاں سے آواز آئی۔

”اندر کیا لینے آئے ہو ایشاں صاحب تو باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔“



آپ فرماتے ہیں۔ ”میں باہر آگیا لیکن برواشت نہ کر سکا اور اٹھ کر چلا آیا اور اندر سے پھر وہی آواز آئی اور میں باہر آگیا۔“ تین بار ایسے ہی ہوا۔ آخر میر جان صاحب نے مسکرا کر کہا۔ ”اے میرے عزیز! وہ اپنا کام کر رہے ہیں تم اپنے خیال میں مگن رہو۔“ اور پھر مجھے تسکین ہو گئی۔“

میر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک رشتہ دار تھے وہ بیان کرتے ہیں۔ ایک دفعہ میر جان صاحب کا ایک خادم خاص غلام محمد انہیں دبار ہاتھا اور میر صاحب لیٹے ہوئے تھے کہ سرکار میا نصاب شرف پوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور غلام محمد کے پاس چپ چاپ بیٹھ گئے۔ آپ نے غلام محمد کو اشارہ سے فرمایا کہ وہ دبانا چھوڑے اور آپ میر صاحب کو مٹھیاں بھرے۔ چنانچہ غلام محمد نے اپنا ایک ہاتھ اٹھایا تو آپ نے اپنا ایک ہاتھ میر صاحب کی ران پر رکھ دیا اور غلام محمد نے دوسرا ہاتھ اٹھایا تو حضور نے دوسرے ہاتھ سے دبانا شروع کر دیا اسی طریقے سے آپ نے غلام محمد کی جگہ لے لی اور غلام محمد اٹھ کر کسی دوسرے کام کو چلا گیا۔ حضرت صاحب قبلہ کافی وقت میر جان صاحب کو مٹھیاں بھرتے رہے جب غلام محمد واپس آیا تو میر صاحب نے اس سے کہا۔ ”غلام محمد دیکھو! یہ شخص بڑا باکمال ہے اس کی شہرت سارے ملک میں پھیلے گی۔ یہ ستم ہدایت بن کر چلے گا اور ان کی عنیا پاشیاں تاریک لوں کی سیاہی دور کر کے لوگوں کو نور اور روشنی عطا فرماوے گی۔ لوگ چار دانگ علم سے کچھ کچھ کر آئیں گے اور اس چشمہ ہدایت سے فیض یاب ہو کر جائیں گے۔ یہ شخص اس دور الحاد میں سنت رسول اللہ کو از سر نو اجاگر کریں گے۔“

پاکستان میں ایک بزرگ (نور شاہ صاحب)

والد مکرم کو بزرگ مستیوں سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ اکثر اسی ٹوہ میں رہتے کہ



کہ دنیا سے الگ تھگ رہنے والے بزرگوں کا کہیں سے پتہ معلوم کیا جائے اور ان سے ملاقات کر کے ان کی روحانیت سے اخذ فیض کیا جائے۔

انہیں دنوں پتا چلا کہ ایک بزرگ ہستی لاہور کے پاگل خانہ میں دنیا کی نظروں سے اوجھل یاد الہی میں مصروف ہے۔ والد صاحب وہاں گئے لیکن ان کا سرخ منا مشکل ہو گیا آخر وہاں کے ایک ٹھیکیدار قائم دین سے واقفیت پیدا کر کے اس کی وساطت سے ان بزرگوں کو ڈھونڈ نکالا۔ بڑی تک دو کے بعد انکی ملاقات کی اجازت ہوئی اور سپاہی انہیں باہر بیرک میں لے آئے۔ ان کے بیرک میں آتے ہی پاگل خانہ کا سپرنٹنڈنٹ جو معائنہ پر جا رہا تھا انہیں دیکھ کر پہنچا اور اس نے ہیٹ اتار کر سلام کیا لیکن انہوں نے منہ دوسری طرف پھیر لیا اس پر وہ ہنس کر چلتا بنا اور ان بزرگوں نے کھانس کر بغم کا بڑا سا گولہ اس کے کوٹ پر پھینک دیا اس نے پھر بھی بڑا نہ مانا۔ معلوم ہوتا ہے وہ سپرنٹنڈنٹ بھی ان کے اہل عرفان ہونے سے واقف تھا۔ اس کے بعد والد صاحب نے سلام عرض کیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ انہوں نے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”میاں صاحب شہر قیومی تو بخیریت اور رہنی خوشی ہیں“ اور یہ کہہ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر وہ اسی طرف منہ کیے ہوئے ہی دیوانوں جیسی باتیں کرنے لگے والد صاحب مترم کی معیت میں دو افراد اور بھی تھے۔ انہوں نے اشارہ سے کہا کہ ان کے متعلق بھی عرض کی جائے والد صاحب ان کے متعلق کہنے کی سوچ ہی ہے تھے کہ وہ بزرگ فرمانے لگے۔ ”پہلا آدمی سورہ اخلاص ۱۰ بار پڑھا کرے دوسرا کلمہ شریف ۳۳ بار اور والد صاحب کی طرف اشارہ کرتے فرمایا۔ تم و ما محمد الا رسول پڑھا کر“ اس کے بعد ملاقات کا وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے سپاہی انہیں اندر لے چلے تو انہوں نے چلتے چلتے فرمایا ”حضرت میاں صاحب کو میرا سلام کہنا اور ان سے کتاب لے کر مجھے دے جاؤ“ والد صاحب ابھی حیران ہی تھے اور سوچ رہے تھے کہ کون سی

کتاب سے تو انہوں نے جاتے ہوئے دُور سے ہی کہا۔ ”وہ کتاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی اور اب میاں صاحب کو ملی ہے اور دوبار اس بات کا تکرار کیا۔

والد صاحب کا کہنا ہے کہ وہ چند دن کے بعد شریقیہ پور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اپنے گھر کے دروازے سے باہر نزدیک ہی کسی آدمی سے مصروف گفتگو تھے۔ یہ سلام کر کے آپ ہی ادب سے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے گفتگو کے دوران میں ہی اسی شخص کی طرف مٹہ کیے اور اسی کو ہی مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ”لوگ پاگل ہیں جو ایسے ہی پاگل خانہ میں لوگوں کے پیچھے پیچھے دوڑتے پھرتے ہیں“ یہ سن کر والد صاحب نے عرض کی ”حضرت! یہ تو ٹھیک ہے لیکن جو وہ کتاب مانگتے تھے وہ تو دے دیجئے۔“

آپ نے جوش سے فرمایا۔ ”مجھے نہیں معلوم وہ کونسی کتاب مانگتے ہیں تمہیں پتا ہوگا یا ان کو۔“ اور پھر اپنی گفتگو میں مصروف ہو گئے۔

والد صاحب کچھ دنوں کے بعد پھر ان بزرگوں کی ملاقات کے لیے پاگل خانہ گئے۔ لیکن ملاقات کی کوئی صورت نکلتی نظر نہ آئی۔ وہ ابھی اسی ادھیڑ بن میں ہی کھڑے سوچ رہے تھے کہ چند آدمی ان بزرگوں کے متعلق ہی گفتگو کرتے نظر آئے۔ پتا کرنے پر معلوم ہوا کہ مذکورہ بزرگ چورہ شریف والوں میں سے ہیں اور ان کا نام نور شاہ صاحب ہے وہ آدمی چورہ شریف سے ان کے کپڑے لے کر آئے تھے۔ والد صاحب نے نور شاہ صاحب کی پاگل خانہ میں آمد کے متعلق سوال کیا تو ان حضرات نے بتایا۔

”نور شاہ صاحب بڑے کامل بزرگ ہیں اور ان کے مریدین خاصی تعداد میں ہیں۔ نور شاہ صاحب ان سب کو چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں کنارہ کش ہو کر یادِ الہی

لے : والد صاحب بزرگوں میں ان دنوں لاہور میں ہی کاروبار کرتے تھے اور وہیں مقیم تھے۔



میں غم ہو گئے۔ مُریدین وہاں بھی آنے جانے لگے تو انہوں نے سب کو منع کر دیا کہ مت آیا کرو اور سب لوگوں نے تو آنا جانا ترک کر دیا لیکن ان کے ایک مُرید نے پیچھا نہ چھوڑا۔ شاہ صاحب نے بہت کوشش کی کہ اس کا آنا جانا بند ہو جائے لیکن وہ بھی عاشق صادق تھا اس نے بھی سردھڑ کی بازی لگا دی اور ٹس سے مس نہ ہوا۔ ایک دن شاہ صاحب نے فرمایا۔ ”مت آیا کرو۔ کہہ رہا ہوں ورنہ جان سے مار ڈالوں گا۔“ وہ یہ سن کر بھی اپنی بات پر اڑا رہا۔ آخر ایک دن انکو جوش آ گیا۔ وہ چھری پکڑ کر لائے اور اسکو نیچے گرا کر ذبح کر ڈالا۔ پولیس کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے شاہ صاحب کو پکڑ کر چالان کر دیا اور کس عدالت میں چلا گیا۔ وکیلوں نے بڑی کوشش کی ایک دفعہ شاہ صاحب کہہ دیں کہ میں نے قتل نہیں کیا۔ لیکن شاہ صاحب تھکے کہ استفسار پر ہر دفعہ یہی کہتے۔

”مارا تو اسے اللہ تعالیٰ نے ہے اور چھری میں نے چلائی ہے۔“

آخر عدالت نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس آدمی کا دماغ درست نہیں۔ اسے پاگل خانہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ نور شاہ کو پاگل خانہ لے آیا گیا۔

جب چورہ سرتلیف سے آمدہ لوگوں کی ملاقات اور کپڑوں کی وصولی کے لیے شاہ صاحب کو لایا گیا تو والد صاحب نے بھی شرفِ ملاقات حاصل کر لیا اور وہ دیکھتے ہی منہ دوسری طرف پھیر کر مہنجی آواز میں کہنے لگے۔

”اسی رات ہی مجھے وہ کتاب مل گئی تھی وہ کتاب اسی رات ہی میا صاحب

قبلہ نے مجھے بھیج دی تھی۔“

سائیں کرم الہی کا لواں والے (گجرات)

والد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ اور حاجی مستری کرم دین صاحب مرحوم کسی کاروباری سلسلہ میں گجرات گئے۔ انہیں خیال آیا کہ نزدیک آئے ہوئے ہیں سائیں کرم الہی صاحب



سے مل آئیں۔ جب یہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو دیکھا۔ وہاں ان کے ارد گرد کھڑے ہی کھڑے بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ جو چیز ان کے پاس آتی تھی وہ کھڑوں کے آگے پھینک دیتے۔ وہ خود تو اکیلے ہی بیٹھے ہوئے تھے لیکن ان سے کچھ فاصلہ پر چند ایک درویش ڈیرہ جائے ہوئے تھے۔ وہ درویش آنے جانے والوں کو ان کے پاس نہیں جانے دیتے تھے۔ کیونکہ سائیں صاحب آنے جانے والوں کو مارتے تھے۔ والد صاحب اور حاجی مستری کرم دین صاحب کو بھی ان لوگوں نے روکا اور کہا ”وہ مارتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک مت جاؤ۔“ لیکن یہ تو ان کے پاس پہنچ ہی گئے اور اپنے ”خیال“ میں بیٹھے رہے۔ کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہاں سے چلے آئے کوئی ایک فرلانگ کے قریب واپس آئے ہوں گے انہیں محسوس ہوا کہ قدم نہیں اٹھتے انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سائیں صاحب انکی طرف ٹھٹھکی لگائے دیکھتے نظر آئے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ ابھی واپسی کی اجازت نہیں ہوئی۔ یہ واپس آ کر پھر بیٹھے گئے۔

سائیں صاحب بڑی بتقراری کے علم میں تھے۔ کبھی بیٹھے اور کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتے۔ کبھی کسی کڑوٹ لیٹتے اور کبھی کسی پہلو دراز ہوتے۔ ان کے پاس سرکنڈے رکھنے پڑے ہوئے تھے انہیں اُلٹ پلٹ کرتے رہتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ گن رہے ہیں۔ والد صاحب اور حاجی صاحب جب دوبارہ پاس جا کر بیٹھے تو سائیں صاحب اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان والی جگہ اور تھیلی کے مقام والی جگہ کو ملتے تھے یا یوں محسوس ہوتا کھجائے ہیں۔ دونوں حضرات کو خیال پیدا ہوا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔؟ ابھی یہ سوچ ہی ہے تھے کہ سائیں صاحب فرمانے لگے ”ارے! اپنوں سے پوچھ لینا۔“ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد یہ دونوں اٹھ کر واپس چلے آئے۔ درویش حیران تھے کہ سائیں صاحب تو لوگوں سے اجتناب کرتے ہیں اور مارتے ہیں لیکن ان سے تعرض کرنا تو کجا اپنے پاس بٹھا کر باتیں کرتے رہے۔



ان بچاروں کو کیا معلوم تھا کہ یہ لوگ ”اللہ کے شیر“ کی کچھار سے آئے ہیں۔
ان کی گردن میں کس کا ڈورا ہے وہ جو کہتے ہیں۔

ع۔ تیرا منہ ناہیں، تیرے سائیں دامنہ اے

واپسی پر جب یہ دونوں حضرات شریقیہ شریف حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ گجرات گئے تھے تو آپ نے فرمایا۔ ”سائیں صاحب کو بھی ملے ہو گے۔“ عرض کی ”حضور ملے تھے وہ انگلیاں کھچاتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنوں سے پوچھ لینا۔ آپ نے فرمایا ”وہ کہتے تھے کہ ”میں عشق الہی میں جل چکا ہوں“

روحانی تعلق

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ملتان تشریف لے گئے۔ وہاں ایک آدمی نے عرض کی ”سرکار نزدیک ہی ایک مسجد میں ایک مولوی صاحب ہیں جو اچھے قابل آدمی ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”چلو ان سے ملاقات کرتے ہیں“ چنانچہ آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس مسجد میں تشریف لے گئے اور ان مولوی صاحب سے ملاقات کی جب آپ واپس لوٹے تو فرمایا ”جو چیز میں ڈھونڈتا تھا وہ نہیں ہے۔“ یہ سن کر ایک آدمی نے عرض کی ”حضور ان کا ایک بھائی ہے جو حال مست ہے اور جنگل میں رہتا ہے۔“ آپ فرمانے لگے۔ ”وہ تو کچھ اچھا آدمی ہو گا۔“ یہ کہہ کر جب سیڑھیاں اترنے لگے تو دیکھا، سامنے ہی وہ مست کھڑا ہے۔ آپ وہیں بیٹھ گئے اور وہ مست بھی سامنے بیٹھ گیا۔ کوئی پانچ سات منٹ کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مست کے کپڑوں میں سے ڈھواں نکل رہا ہے مست اٹھ کر باہر آیا اور قے کر دی پھر چیخ کر جنگل کی طرف بھاگ نکلا اور حضرت صاحب قبلہ بھی بہاول حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں جو تیاں اُتار کر جب آپ بہاول حق زکریا

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ کے اندر داخل ہوئے تو فوراً ہی اندر سے باہر بھاگ آئے اور جوتیاں پہن کر واپس آگئے۔ اس وقت تو کسی کو کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی تاہم رات کو والد صاحب نے عرض کی ”حضور! اتنی دُور سے آئے ہیں۔ بڑا ذوق اور اشتیاق تھا۔ لیکن معلوم نہیں کیا بات ہوئی کہ بہارالحق صاحب کے مزار پر چند منٹ بیٹھنا بھی نصیبوں میں نہ ہوا۔“ یہ سن کر آپ فرمانے لگے ”ارے! کیا اندر مزار ہیں؟ مجھے تو یوں معلوم ہوا کہ سب سفید سفید چادریں اوڑھے آرام فرما رہے ہیں اور جب میں اندر پہنچا تو سب اٹھ اٹھ کر مجھے گلے ملنے دوڑے اور میں یہ کہہ کر پیچھے دوڑا کہ گھر آنے پر ہی سب گلے ملتے ہو۔ میں تو تب جانوں کہ کبھی شرف پور بھی آکر ملو۔“

اعلیٰ حضرت سرکار میا نصاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معتقد اور عقیدت کیش حافظ عبد اللہ تھاجو شرف پور شریف سے دس میل دُور سے لاہور جانے والی سڑک پر واقع ایک گاؤں بُرج اٹاری کا باشندہ تھا وہ اکثر آپ کے ہمراہ مکان شریف جایا کرتا۔ شہباز توحید حاجی شاہ حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ المشہور بھورے والی سرکار کے مزار شریف پر اسکی طبیعت بڑی لگتی تھی۔ وہ کئی کئی گھنٹے وہاں جا کر بیٹھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف تشریف لائے تھے اور وہ بھی ہمراہ تھا۔ اپنے احباب سے حافظ صاحب کہتے تھے۔ ”میں آج رات بھورے شریف میں ہی رہوں گا۔“ چنانچہ بعد نماز عشاء حافظ صاحب بھورے شریف چلے گئے۔

آدھی رات کا وقت تھا کہ بابا عبد اللہ دُہائی مچانا لرزتا کانپتا بھورے شریف سے دوڑتا آ رہا تھا۔ احباب نے پوچھا۔ ”کیا ہو گیا ہے کیوں شور مچاتے بھاگتے آ رہے ہو؟“ کہنے لگا۔ ”وہاں تو ایک بڑا ہیبت ناک ناک ہے جو بھین پھیلانے پھینکارتا میری طرف دوڑا آیا۔ میرے تو حواس جلتے رہے، پگڑی اور جوتی وہیں چھوڑ بھاگ آیا ہوں۔“

صبح حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تک بات پہنچی تو آپ کرائے اور فرمایا۔
اگر اُس نے وہاں رات رہنا تھا تو مجھ سے پوچھ کر جانا۔ اچھا! آج وہاں جا کر رات
بسر کرے۔“

چنانچہ بابا عبداللہ آپ کے حکم کے مطابق رات کو وہاں پہنچے اور ساری رات وہیں
رہے۔ اس رات نہ تو وہاں کوئی ناگ تھا اور نہ ہی انہیں کوئی ڈر محسوس ہوا بلکہ بقول حافظ
عبداللہ انہیں اس رات وہاں سے بڑا فیض حاصل ہوا۔ تعلق کے بغیر تو کہیں بھی بات
نہیں بنتی۔

والد صاحب (حاجی فضل الہی موزنگہ) رقمطراز ہیں کہ جن دنوں وہ قصور ہوا کرتے
تھے۔ سردیوں کے دن تھے ایک دن طبیعت چاہی کہ عبدالرسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے
مزار کی زیارت کو جائیں۔ جب گئے تو سکون آیا اسی حالت پر سکون میں غنودگی نے آیا
اچانک محسوس ہوا کہ کوئی جگا رہا ہے آنکھیں جو کھلیں تو دیکھا ایک پوند چہرہ ہے بڑی
خوبصورت سفید ریش ہے کہیں کہیں سیاہ بال کی جھلک بھی نظر پڑی۔ کھڑے ہیں۔
میں بھی پیاس ادب کھڑا ہو گیا انہوں دفعتاً گلے لگا لیا اور خوب زور سے بھینچا۔ اس عمل
سے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے بدن میں آگ لگ گئی۔ جب علیحدہ ہوا تو کچھ ہوش نہ رہا
اسی نیم بے ہوشی کے عالم میں بھاگ کھڑا، جوتی کپڑوں کی ہوش کس کو ہوتی۔ قصور میں
تختیل کے دفاتر سے ملحقہ ایک تالاب تھا اس میں چھلانگ لگا دی۔ وہاں تالاب پر ایک
آدمی (سید محمد شاہ) مچھلی کے لیے کانٹا لگائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے تالاب سے نکالا
رات تو اسی کیفیت میں گزری۔ صبح جب اوسان بحال ہوئے تو پھر عبدالرسول رحمۃ اللہ
علیہ کے مزار پر گیا دیکھا پگڑی وغیرہ پڑی تھی اسے اٹھا لایا۔

کچھ دنوں بعد دل چاہا کہ حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضری دوں سو قصد
شرقیہ کاکیا پہنچنے پر حضرت صاحب قبلہ کو ملنے آیا دیکھا کہ آپ اپنے مکان کے

باہر گلی میں کھڑے ہیں۔ مجھ پر نظر پڑی تو خوب ہنسے اور فرمایا۔
 ”عشتے ای اوے“ تم تو گبھرا ہی گئے تھے۔ ارے وہ تو عبدالرسول صگا جب
 ہی تھے۔“

میں نے یہ سن کر دل میں کہا۔ ولی را ولی می شناسد۔ ولی کو تو ولی ہی پہچان
 سکتا ہے۔ میری کیا مجال۔

جن دنوں کو ٹلہ شریف والی مسجد زیر تعمیر تھی حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کثر
 وہیں قیام فرماتے۔ دس پندرہ روز کے بعد واپسی ہوتی کچھ دن قیام کرتے پھر واپس کو ٹلہ
 چلے جاتے۔ اکثر ملنے والے بھی وہاں پہنچ جاتے۔ کسی کسی کاریں اور تانگے وہاں کھڑے
 رہتے۔ مسجد کے ساتھ محلہ حجرہ زیر تعمیر تھا اور چھت کے لیے لکڑیوں میں کمی واقع ہو گئی
 مستر لویں نے مزید شہتیر مانگے۔ آپ نے فرمایا ”ادھر کہیں سے لکڑی دستیاب ہوگی؟“
 لیکن جواب دیا گیا اس علاقہ میں مطلوبہ لکڑی نہیں ہے۔“

مستر لویں میں سے کسی ایک نے کہا۔ ”جب گل میں ایک مزار کے پاس کارآمد لکڑی کے
 درخت موجود ہیں۔ لیکن مقامی باشندوں کا یہ کہنا ہے کہ جب کوئی وہاں سے لکڑی
 کاٹتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی نقصان ہو جاتا ہے۔ کسی کا بازو ٹوٹتا ہے یا کسی کی ٹانگ
 یہ سن کر سب کے ساتھ آپ بھی خاموش ہو گئے۔“

اگلے روز علی الصبح ہی آپ نے فرمایا ”چلو! وہاں سے لکڑی کاٹ لائیں۔
 چنانچہ حسب حکم جب مستری اور ترکھان وغیرہ روانہ ہوئے تو ان کے ہمراہ ایک ہجوم
 تھا جو کہ یہ دیکھنے کے لیے ساتھ ہو گیا تھا کہ دیکھیں وہاں کیا بنتا ہے؟
 جب وہاں پہنچے تو آپ مزار کے پاس آٹھ دس منٹ خاموش کھڑے رہے اور
 بعد فرمایا کہ لکڑی کاٹ لو۔ مگر لوگ ڈرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اب ڈرنے کی
 ضرورت نہیں۔ میں نے صاحب مزار سے پوچھ لیا ہے۔ تمہیں جتنی لکڑی درکار ہے



کاٹ لو۔ اور اس سے بالے شہتیر بنا لو اور جو کبارٹہ بچے یہیں چھوڑ دینا۔ چنانچہ مطلوبہ لکڑی کاٹ لی گئی اس بالے وغیرہ بنالیے گئے اور آج تک وہی بالے اس حجرہ کی چھت پر پڑے ہوئے ہیں اور وہاں سے لکڑی کاٹنے پر کسی کا بھی نقصان نہیں ہوا

قاضی سلطان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شاہ پور (کابجرا) کا ایک نمبر دار حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدتمند و بیس سے تھا۔ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ آپکی اس پر خصوصی توجہ تھی۔ آپکے اس توجہ فرمانے سے وہ سرعت کے ساتھ سلوک کی منزلیں طے کرنے لگا۔ اسے اپنے مقصد میں اچھی خاصی کامیابی بھی حاصل ہو گئی۔

ایک دن اس نے بد قسمتی سے باتوں باتوں میں کسی سے یہ کہہ دیا کہ وہ رات کو اڑتا ہے۔ جس آدمی سے یہ بات ہوئی وہ بھی حضرت صاحب قبلہ کے پاس آنے جانے والا تھا وہ اس بات کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے کسی حاضری پر آپ کی خدمت میں یہ بات عرض کر دی کہ فلاں نمبر دار جو کہ شاہ پور کا رہنے والا ہے کی طبیعت پر اس وقت بڑی رنگت ہے وہ کہتا ہے کہ ”میں راتوں کو اڑتا ہوں“

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سنا تھا کہ آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا ”اب وہ اڑنے بھی لگا ہے۔ اچھا! اسے اڑنے دو اب“ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اسے قبض ہو گئی (یعنی نعمت چھین گئی) بہت زور مارا لیکن طبیعت جمرد ہو گئی تھی۔ بحال نہ ہوئی۔ جو کچھ حاصل ہوا تھا۔ سب جاتا رہا اور وہ خالی ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد نمبر دار اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ لیکن وہ بات کہاں؟ آپ نارہن تھے اور اسکی طرف التفات ہی نہ فرماتے۔ آخر اس نے



اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کے لیے دوسرے بزرگوں کے پاس جانا شروع
کر دیا لیکن کسی کے ہاں سے بھی اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

اُن دنوں ضلع گجرات ”اعوان شریف“ گاؤں میں قادری سلسلہ کے ایک بزرگ
قاضی سلطان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقیم تھے۔ وہ بلند پایہ بزرگ اور ولی کامل
تھے۔ کشف میں انہیں بڑی دسترس حاصل تھی۔ اچھے اچھے پارسا اور نیک بندوں
نے اُن سے فیض حاصل کیا ہے۔ شاہ پور کے نمبردار نے بھی قاضی صاحب کا نام سنا
تو اپنی قبض کو لسط سے بدبُلنے وہاں جا پہنچا۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس مکان
میں رہتے تھے اس کے ارد گرد اونچی اونچی ڈنڈے تھوڑے (ایک کانٹے دار پودا) اُگی
گھڑی تھی۔ یہ نمبردار شام کے وقت وہاں پہنچا تو اسے اندر جانے کے لیے راستہ
منا مشکل ہو گیا۔ بہتیرا ڈھونڈا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ قاضی صاحب جو کہ صاحب
کشف و کرامات تھے اندر تشریف فرما تھے۔ اپنے مُردین سے کہنے لگے ”دُور
سے کوئی آدمی آیا ہے لیکن اسے راستہ نہیں ملتا۔ جاؤ اور اسے اندر لے آؤ“
چنانچہ اُن کے مُردوں میں سے ایک باہر گیا اور اسے اپنے ساتھ اندر لے آیا۔
قاضی صاحب نے اسے بٹھایا اور فرمایا۔

”ہاں بھئی! بتاؤ کیسے آنا ہوا۔“

اُس نے عرض کی ”حُضُور! اللہ اللہ سیکھنے آیا ہوں۔“

قاضی صاحب بڑے خوش ہوئے کہنے لگے۔ ”رب کریم کا شکر ہے
کہ تم اللہ اللہ سیکھنے آئے ہو ورنہ جو بھی آتا ہے کسی دُنیاوی کام کے لیے ہی آتا ہے
کوئی اولاد کی غرض سے آتا ہے تو کوئی کاروبار کی وجہ سے۔ سب لوگ دُنیاوی مطلب
لے کر ہی آتے ہیں۔“

یہ باتیں کرنے کے بعد قاضی صاحب نے فرمایا ”اچھا! ادھر میرے سامنے



آکر بیٹھو۔“ چنانچہ وہ آپ کے سامنے دو زانو بیٹھ گیا اور قاضی صاحب توجہ فرمانے لگے۔ کافی دیر کے بعد انہوں نے سر اٹھایا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

”تم نے جھوٹ بولا ہے۔ تم پہلے ہی کسی صاحب کے مرید ہو۔ تمہارا پیر بڑا صاحب کمال ہے تمہارے پیر نے تمہارے گرداگرد ایک فولادی قلعہ کھڑا کر دیا ہے میں نے بڑی ہی کوشش کی ہے لیکن اس کے اندر نہیں جا سکا۔ اب تم ان کے پاس ہی جاؤ۔ وہاں سے ہی تم فیضیاب ہو سکتے ہو۔“

وہ نمبر دار کہنے لگا۔ ”حضور میرے پیر تو مجھ سے ناراض ہیں۔ وہ راضی نہیں ہوتے۔“ قاضی صاحب کہنے لگے۔ ”تم ان کے پاس جاؤ اور جیسے بھی ہو سکتا ہے ان کو راضی کر دو۔ ورنہ کسی کے ہاں سے بھی فیض نہیں ملے گا۔ تمہارا شیخ صاحب کمال ہے مجھ سے ہو سکا تو میں تمہاری سفارش کروں گا۔“

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے بعد وہ نمبر دار شرفیور شریف میان صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے فرمایا۔ ”تم وہاں جو گئے تھے تو قاضی صاحب کو کیوں تنگ کیا۔“

وہ خاموش بیٹھا۔ اور اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ نمبر دار پہلی عمر میں جلوہ ہائے پنہانی کی تابانیاں دیکھ چکا تھا۔ بقایا پھلی عمر میں ان سے محروم رہا۔ اُس نے بہت کوشش بھی نہیں کی اور نہ شاید میاں صاحب کبھی راضی ہو ہی جاتے۔ اسرار پنہانی کو افشاء کر کے پھر ساری عمر بچھتا تا رہا۔





سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ اگر مُرید کے
دل میں خیال گُڑے کہ میرے پیر کے سوا
کوئی اور بھی ایسا ہے جو خدا تک پہنچا دیتا
ہے تو جان لیوے کہ شیطان ملعون اس کے
اعتقاد میں تصرف کرتا ہے،





بندگان خاص علام العیوب
در جهان جاں جو ایس القلوب



لوح محفوظ است پیش اولیا
آنچه محفوظ است محفوظ از خطا



عارف رومی



مکاشفات

کشف ۶
 سلطان العارفين حضرت سلطان باہو اپنی تصنیف
 "عین الفقر" میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وہ جو ابابٹلوب، صاحب مکاشفہ ہوتے ہیں کبھی تو انہیں سرسار ملکوتی رویائے
 صالحہ کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں جو نبوت کا چالیسواں حصہ ہیں اور کبھی بذریعہ مشاہدہ
 پر مرتبہ پہلے رتبہ سے عالی ہے۔ نیز جس شخص کے دل میں اسم اللہ کے الف سے
 روشنی پیدا ہو جاتی ہے اس کا دل جام جہاں نما اور آئینہ سکندری بن جاتا ہے اور صفائی
 پکڑ جاتا ہے اور اٹھارہ ہزار عالم اسے نظر آتے ہیں۔

مَنْ عَرَفَ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ
 یعنی عارف پر کسی چیز کی حقیقت پوشیدہ نہیں۔

اولیاء اللہ کے نور بھرے دل انوار الہی اور تجلیات ذات کا مخزن ہوتے ہیں
 جب وہ یتَقَرَّبُ إِلَيْهِ کے مقام پر پہنچتے ہیں اور لَبَّ يَسْمَعُ وَيَلْبَسُ صَبْرًا
 مصداق بنتے ہیں اور مولائے کائنات انہیں نور معرفت عطا فرماتا ہے تو دنیا کی کوئی
 ایسی چیز ہے جو ان سے مخفی رہتی ہے۔ جب وہ اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں تو دلوں
 کے عمیق ترین گوشے بھی ان کی نظروں میں بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ عارف رومی فرماتے ہیں
 بندگانِ خاص علام الغیوب در جہانِ جاں جو اسیس القلوب

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ شہر قیوڑی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مولوی صاحب ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ عالموں کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ باہر سے کوئی مولانا، حافظ یا قاری آجاتے تو آپ انکو جماعت کروانے کے لیے کہتے۔ اس وقت عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ آپ نے مولانا مذکور کو جماعت کی امامت کے لیے آگے کھڑا کر دیا۔ جب نماز باجماعت ادا کر لی گئی تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مولانا صاحب کو ایک طرف لے گئے اور علیحدگی میں فرمایا۔

”مولانا! بھینس تو گھر جا کر بھی دوہی جاکتی تھی کیا التجبات میں ہی بھینس کا دوہنا ضروری تھا؟“ مولانا نے شرم سے سر جھکالیا اور کہا۔ ”خدا کی قسم! میں التجبات میں بٹھیا اپنے خیالوں میں بھینس دوہ رہا تھا۔“

قصو شہر میں ایک حکیم نور حسن صاحب پہرا کرتے تھے وہ حضرت صاحب قبلہ کے عقیدتمندوں میں سے تھے۔ وہ جب کبھی حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عرض کرتے۔

”حضور! مجھے کوئی ایسی چیز بتائیے جس سے مجھے آئندہ کے حالات کا پتہ چل جائے۔“ آپ ہمیشہ ہی انعام بڑا کرتے اور ٹال جاتے لیکن ان کے بار بار عرض کرنے سے آپ تنگ آ گئے۔

ایک دن آپ نے ”کچھ“ فرما دیا۔ دوسرے تیسرے دن ہی حکیم صاحب دورے دوڑے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور گزارش کی۔ ”سرکار! جو چیز آپ نے عطا فرمائی ہے وہ واپس لے لیں۔“

آپ نے تبسم فرمایا اور پوچھا۔ ”کیوں! کیا ہوا ہے؟“ حکیم نور حسن نے عرض کی۔ حضور! میں نے دیکھا ہے کہ میں چھ ماہ بعد بیماری میں مبتلا ہو جاؤں گا اور وہ بیماری بڑی شدت کی ہوگی اور چھ ماہ ہی بیمار رہوں گا

قریب المرگ ہو جانے کے بعد مجھے صحت ہوگی۔ حضور! میں تو بیماری کی آمد سے
 چھ ماہ پیشتر ہی فکر سے اپنے آپ کو بیمار محسوس کرنے لگا ہوں۔“
 آپ کراتے رہے اور اسکی بات ختم ہونے کے بعد فرمایا: ”بہنے دو اب اپنے
 پاس“ اور کہنے لگے کہ جن کو اللہ تعالیٰ یہ علم عطا فرماتا ہے انکو ہی زیبا ہے، ”سچ ہے
 ذرا سی پی کے بہک جانا۔ کم ظروں کا شیوہ ہے۔“

ملا دی دوڑ مسیت تک۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اور
 شاہ محمد غوث کی خانقاہ میں مقیم تھے رات بسر کرنے کے بعد صبح آپ نے فرمایا۔
 ”چھاؤنی جانے کے لیے ایک تانگہ لاؤ“، بابا مستری کرم دین مرحوم دوڑ کر ایک
 تانگہ لے آئے آپ اس میں سوار ہو کر چھاؤنی پہنچے۔

وہاں پہنچ کر آپ نے فرمایا۔ ”کسی سے مستری کرم دین سکھریا شتر پوری انجن ڈرائیور
 کے مکان کا پتہ پوچھو“ اور خود ایک گلی میں چلے گئے والد صاحب بیان کرتے ہیں
 لوگوں سے پوچھ کر جب ہم مطلوبہ مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ حضرت صاحب قبلہ پہلے ہی
 وہاں کھڑے ہیں۔ جاتے ہی اپنے مستری کرم دین کو آواز دینے کے لیے فرمایا۔ حضرت
 صاحب قبلہ سے عرض کیا گیا کہ جب آپ کو جگہ معلوم تھی تو آپ نے مکان کا پتہ پوچھنے
 کے لیے ہمیں روانہ کر دیا؟“ آپ فرماتے لگے ”پہلے اپنا کام کرو اور کرم دین کو آواز
 دو“ دروازے پر آواز دینے سے ایک لڑکی باہر نکلی جس نے جواب دیا کہ وہ کام
 پر گئے ہوئے ہیں مستری کرم دین صاحب نے لڑکی سے کہا ”اندرا اطلاع دو کہ میاں
 صاحب تشریف لائے ہیں لڑکی اندر گئی اور واپس آ کر دروازہ کھولتے ہوئے
 حضرت صاحب قبلہ کو اندر چلنے کو کہا۔ جب آپ اندر تشریف لے گئے تو کرم دین

سکھریا کی بیوی بختاور جو سخت بیماری کی حالت میں چار پائی پر پڑی ہوئی تھی سے آپ نے فرمایا۔ ” بختاور! رات کو کیا بات تھی؟“

وہ رونے لگی اور روتے روتے ہاتھ جوڑ کر اُس نے عرض کی ”حضور! ملاں دی دوڑ مسیت تک۔ میں نے آپ کو یاد کیا تھا۔ رات میرے خاوند کرم دین نے جواب ہی دے دیا تھا اور کہتا تھا کہ نہ تم مرتی ہو اور نہ میری خلاصی ہوتی ہے۔ معلوم نہیں میری جان کب چھوڑو گی؟“

یہ سن کر حضرت صاحبِ قبلہ نے ایک بھر جھڑکی لی اور باہستری کرم دین کی طرف مٹہ کر کے فرمایا۔ ”جوان! مرضِ وڈھی کہ رب وڈھا۔“ آؤ چلیں۔ یہ کہتے ہوئے آپ وہاں سے چلے آئے۔

آتی دفعہ راستہ میں مستری کرم دین سکھریا جو کہ سائیکل پر سوار کام سے واپس آ رہا تھا سیکل پر ملا اس نے گھر چلنے کے لیے بہت منت سماجت کی لیکن آپ شرفیوڑ واپس تشریف لے آئے۔

اسی دن سے بختاور کی صحت اچھی ہونے لگی اور تھوڑے عرصہ کے بعد وہ کلیتہً صحت یاب ہو گئی۔ بعد ازاں اس کے ہاں اللہ کے فضل سے کافی نیچے ہوئے اور حضرت صاحبِ قبلہ کے وصال سے تقریباً بیس برس بعد تک زندہ رہی۔ والد صاحب بیان کرتے تھے کہ جب کبھی بختاور ملتی تو میں کہا کرتا تھا۔ ”بختاور! حضرت صاحب کو پردہ پوش ہوئے کافی برس ہو گئے ہیں تو ابھی تک موٹی تازی چل پھر رہی ہے؟“ یہ سن کر وہ کہتی ”یہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت ہے کہ جب سے آپ نے یہ فرمایا تھا ”مرضِ وڈھی کہ رب وڈھا“ اس دن سے میں کسی بیماری میں مبتلا نہیں ہوئی اور جسمانی صحت ہر دم بحال ہی رہی۔“



حاجی فضل الہی صاحب بیان کرتے ہیں - میری نشادی کو ابھی چند ماہ ہوئے کہ اچانک موسمی بخار کی وبا پھوٹ نکلی سارا پنجاب اس کی لپیٹ میں آ گیا شہر قنوج میں میرا کنبہ بھی اس کی زد میں آ گیا۔ میں لاہور مُقیم تھا۔ مجھے اطلاع دی کہ تم میاں بیوی واپس شہر قنوج آ جاؤ تاکہ کوئی دوا لانے والا تو ہو کیونکہ سب بخار میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ ہم دونوں والدین کے پاس شہر قنوج چلے آئے۔

راقم (حاجی فضل احمد) کے والد بیان کرتے ہیں کہ وہ ہر روز مغرب کی نماز کے بعد پانی دم کروانے حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ ابھی چار روز ہی گزرے ہوں گے کہ اہلیہ بھی بخار کی زد میں آ گئیں۔

میں معمول کے مطابق دم کروانے کے لیے پانی لے کر حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچا۔ قبلہ میاں صاحب اقا بن پڑھنے کے بعد سر بسجود تھے۔ میں پاس بیٹھ گیا۔ حضرت قبلہ نے بعد فراغت فرمایا۔

”لا لویا! پانی دم کر دوں۔“ میں خاموش رہا۔ حضرت صاحب قبلہ نے پیار بھرے انداز میں فرمایا۔ ”لا لویا! پانی دم کر دوں۔“ یہ کہہ کر پانی کا گلاس میرے ہاتھوں سے لے لیا اور دم کرنا شروع کیا۔ دم یہ کیا۔

”اٹھ پیرے سُتھے مینہ آیا ای۔ چھو“ تین بار یہ فقرہ کہا اور پانی دم کر دیا اور سکر کر فرمایا۔ ”لو جی! لے جاؤ پانی۔“

میں پہلے تو نہ سمجھا لیکن حضرت صاحب کے مُسکرانے سے سمجھا کہ شاید حضرت صاحب سمجھ گئے ہیں کہ آج اس کی اپنی بیوی بھی بیمار ہو گئی ہے اور مذاقاً تکرار فرما رہے ہیں۔

میں جب دم کیا ہوا پانی لے کر گھر پہنچا تو دیکھا اہلیہ چپتیاں پکانے میں مصروف ہے۔ سخت حیران ہوا اور پوچھا ”تمہیں سخت بخار کی حالت میں بے ہوش چھوڑ گیا تھا“



وہ کہنے لگی۔ ”مجھے نہیں معلوم! مجھے تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میں ابھی ابھی
سوئی ہوئی جاگی ہوں۔“

جو ایس القلوب

اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ مال و
زراپنے پاس نہیں رہنے دیتے تھے جو کچھ آتا تھا خرچ کر دیا کرتے۔ بلکہ جب کبھی کہیں سے
کچھ آتا تو پاں ٹیٹھے ہوئے مقررین میں سے کسی ایک کو دے دیتے اور اسی کے ذریعے خرچ
کروانے۔ بعض اوقات باہر جاتے وقت کسی ایک کو کہہ دیتے ”کہ کچھ لے لو“ تو وہ اپنی جگہ
سے کچھ رقم لے لیتا اور خرچ کرتا رہتا۔ جب کہیں سے رقم آتی تو اس کو دے دیتے۔ باہر
جاتے وقت عموماً چالیس چالیس پچاس پچاس آدمی آپ کے ہمراہ ہوتے اور ان کا کرایہ و
خرچ وغیرہ آپ ہی ادا کرتے۔ انہیں خرچ نہ کرنے دیتے۔

ایک مرتبہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف خواجہ ام علی شاہ
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر تشریف لے گئے ہوئے تھے آپ کے ننھا بیسیوں
معتقدین بھی تھے۔

بابا جی مستری کرم دین مرحوم ہمیشہ کی طرح بھاگ بھاگ کر انتظام میں مصروف تھے
خرچ بھی انہی کے ذریعہ ہوتا تھا مکان شریف سے واپسی پر قصو کے چند ایک
حضرات نے آپ کی خدمت میں کچھ رقم نذر کی تو آپ نے روپے ہاتھوں میں لے
کر دوڑ پھینک دیے اور چلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے کسی کو کچھ کہنے کی مجال نہیں
تھی سب خاموش تھے۔ مستری کرم دین کے پاس جتنی رقم تھی خرچ ہو چکی تھی۔ وہ بڑے
حیران تھے کہ حضرت صاحب قبلہ نے نذر کی گئی رقم تو واپس کر دی ہے لیکن میرے
ٹکیٹس لینے کے لیے ایک روپیہ بھی نہیں ہے۔ کیا بنے گا اور خرچ کہاں سے



آئے گا۔ اس وقت تو حضرت صاحب قبلہ کو نذر لے لینا چاہیے تھی۔
 اس ادھیڑ بون میں رتڑ چھتر کے اسٹیشن پر جو مکان شریف سے قریباً ڈیڑھ
 میل کے فاصلہ پر ہے پہنچ گئے گاڑی آنے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ حضرت صاحب
 قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ ٹھہر گئے۔ مستری کرم دین صاحب، والد صاحب
 و دیگر چند احباب پریشانی کے عالم میں کھڑے تھے کہ ایک نامعلوم اور ناقص
 آدمی آیا اور اس نے سو روپے کا نوٹ دے کر کہا ”یہ سو روپیہ ہے اسے لے لو اور
 خرچ کرو لیکن حضرت صاحب قبلہ کو پتہ نہ چلے۔“

خرچ کے لیے پہلے ہی کچھ موجود نہ تھا لہذا مستری کرم دین صاحب نے سو روپے لیا
 اور ٹکیٹیں وغیرہ خرید لیں۔ گاڑی ابھی نہیں آئی تھی کہ پلیٹ فارم پر ایک اور نامعلوم شخص
 ملا اور اس نے بھی ایک سو روپیہ دے کر کہا کہ حضرت صاحب تک خبر نہ پہنچے۔ چنانچہ
 اسی طرح غیبی امداد سے نامعلوم اور انجانے آدمیوں کے ذریعے چار صد روپیہ حاصل ہو گیا۔
 گاڑی آئی سوار ہوئے اور امر تسرہنیچے تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے
 قسم فرمایا اور کہا ”اجکل تو خدا پر ذرہ بھر بھی کسی کو بھروسہ نہیں۔ اتنا تو کل بھی خدا کی ذات
 پر نہیں رہا جتنا کسی کی جیب میں ”ادھنی“ یعنی دوپے ہونے پر ہوتا ہے۔“

ایسے ہی ایک اور موقع پر شر قیور شریف میں حضرت صاحب قبلہ کے پاس رقم
 کے والد بیٹھے تھے کہ ڈاکے نے آکر ٹاک دی۔ آپ چٹھیوں کا ملاحظہ فرماتے رہے۔
 خطوط اور دیگر لفافوں میں سے ایک لفافہ حضرت صاحب قبلہ نے والد صاحب کے
 ہاتھوں میں دیا کہ ”یہ لفافہ تم کھولو۔“

والد صاحب نے جب لفافہ کھولا تو اس میں سے ایک ہزار روپے کے کرنسی
 نوٹ برآمد ہوئے۔ والد صاحب نے حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کی۔
 یہ حضور اس لفافے میں سے ہزار روپیہ نکلا ہے۔“

سرکار فرمانے لگے ” ہم نے اسے کیا کرنا ہے کیا یہ ہمیں پل صراط سے پار کر
 دیں گے۔ اچھا اس میں سے تین صد روپیہ فلاں شخص کو دے دو۔ دو صد فلاں کو
 ایک صد فلاں کو۔ پچاس فلاں کو۔ پچیس فلاں کو غرضیکہ آپ نے سارے کا سارا روپیہ
 ضرورت مند اشخاص تک پہنچانے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ وہ روپیہ حضرت صاحب
 قبلہ کے ہاتھوں میں آئے بغیر مستحقین تک پہنچ گیا۔ والد صاحب نے عرض کی۔ ”حضور!
 یہ دس روپے باقی بچ رہے ہیں۔“ یہ سن کر آپ نے فرمایا ”یہ دس روپے ”احلط“ میں
 ایک بڑھیا رہتی ہے اسے دے آؤ۔“ والد صاحب جب دس روپے دینے
 کے لیے اس ضعیفہ کے پاس پہنچے تو وہ بڑی خوش ہوئی اور کہنے لگی ”میرے ہاں
 آٹا بالکل ختم ہے۔ میں بڑی متفکر تھی۔ شاید آج رمضان شریف کا چاند ہو جائے
 اور کل روزہ ہو۔ حضرت صاحب نے بڑی مہربانی فرمائی ہے اب میں بے فکر ہو کر روزے
 رکھوں گی۔“

والد صاحب جب مائی کو روپے دے کر واپس مسجد میں حضرت صاحب قبلہ
 کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ بڑے خوش و خرم نظر آئے اور مسکرا کر فرمانے لگے
 ” بھئی رمضان شریف کا چاند ہو گیا ہے۔ کل سے یہ بابرکت مہینہ شروع ہو رہا ہے
 (آپ کی خوشی بھی اسی بابرکت مہینہ کی وجہ سے تھی) نیز آپ نے فرمایا ”رگھر میں
 گھسی نہیں ہے کہیں سے گھی لاؤ۔“

والد صاحب نے عرض کی ”حضور! پانچ سیر گھی لے آؤں؟“

۱۔ رمضان شریف کی آمد پر حضرت صاحب قبلہ بڑی مسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے اور اکثر
 یہ بھی ہوتا کہ حضور روتے لگتے اور فرماتے ”آہ! سال بھر سے جس کا انتظار تھا وہ آیا
 اور جلد ہی چلا جائے گا۔ یہ کہہ کر آپ روتے لگتے اور بہت مغموم ہوتے۔



آپ نہیں دیے اور والد صاحب کے گھٹنوں پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا: ”مار یا ہو یا! پانچ سیر کیا ہوتا ہے، گھی کا ٹین لاؤ۔ مہمان وغیرہ آنے ہیں۔ رمضان شریف ہوا۔ خود جو چپاتیوں میں گھی لگا کر کھاتے ہیں آخر مہمان کیوں پیچھے رہیں۔“ چنانچہ والد صاحب شیخ احمد دین نارگ کے ہاں گئے اور وہاں سے ایک کنستری گھی ادھار لے آئے۔ والد صاحب کو خیال گزرا کہ ہزار روپیہ لوگوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس میں سے گھی کے لیے ہی رکھ لیتے۔ دوسرے دن علی الصبح والد صاحب حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ملکاں والی مسجد میں تشریف فرما تھے اور ایک آدمی آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ اس کے ساتھ تصروف سے متعلق باتیں کر رہے تھے والد صاحب بھی پاس بیٹھ گئے دوران گفتگو میں ہی اسی آدمی کی طرف روئے سخن کیے ہوئے آپ فرمانے لگے۔

”ایک دن مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کہیں سے اتنا مال آیا کہ آپ کے سامنے ڈھیر لگ گیا۔ آپ اس مال کو فقرا اور مستحقین میں تقسیم فرمانے لگیں۔ حتیٰ کہ تمام کا تمام مال تقسیم ہو گیا۔ جب رات کا وقت آیا تو مائی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی خادمہ سے فرمایا: ”کچھ کھانے کے لیے لاؤ۔“

خادمہ نے عرض کی: ”سرکار! گھر میں کھانے کے لیے تو کچھ بھی نہیں صرف ماسی روٹی کے کچھ ٹکڑے اور زیتون کا تیل موجود ہے۔“ مائی صاحبہ نے فرمایا: ”یہی سہی“ چنانچہ خادمہ وہی کچھ لے آئی اور مائی صاحبہ کھانے لگیں۔ لونڈی نے عرض کی:

”سرکار! اتنا مال لوگوں میں تقسیم کیا ہے کچھ اپنے لیے بھی رکھ لیں“ مائی صاحبہ نے ارشاد فرمایا: ”تم نے مجھے یاد کرا دینا تھا۔“ یہ واقعہ بیان فرمانے کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے والد صاحب کی طرف منہ کر کے فرمایا: ”کوئی مال کالال ایسا بھی ہے جسے اپنا آپ بھول جائے۔“



والدہ صاحب اپنے دل میں لائے ہوئے خیال کا اتنا مسکت اور اعلیٰ جواب
سن کر حیران رہ گئے اور سر جھجکا لیا۔

شاہ عالمی دروازہ (بازار) جلے گا۔

ہندو پاکستان کے باشندوں کی اکثریت جانتی ہے کہ لاہور میں شاہ عالمی بازار
لاہور کا سب سے بڑا تجارتی مرکز اور ہندو مہاجروں کا ”گڑھ“ تھا۔ نہ صرف لاہور بلکہ پنجاب
کی تمام ہندو آبادی کو شاہ عالمی بازار پر بڑا ناز تھا۔ اس بازار کی تنانوے فیصد آبادی
اور تجارت ہندوؤں کی تھی اس علاقہ میں مسلمانوں کی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر
تھی۔ جیسے پنجاب کا دل لاہور ہے اسی طرح ہندوؤں کا دل شاہ عالمی دروازہ
اور شاہ عالمی دروازہ کا دل ”مجھی ہٹہ“ تھا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ شاہ عالمی بازار سے گزر رہے
تھے بازار میں بہت بھڑکتی تھی۔ چلتے چلتے جب آپ مجھی تنہ پھنچے تو آپ کو
جوش آگیا آپ کے ہاتھ میں عصا تھا آپ نے اسے تین بار زمین پر دے مارا اور
کہا۔ ”یہ کب جلے گی۔ یہ کب جلے گی۔ یہ جلنی چاہیے۔“
ہماریوں نے عرض کی ”حضرت! یہ ہندو کیا کہیں گے۔“ آپ فرماتے
لگے۔ ”بازار کھلے ہو جانے چاہیے۔“

اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ شاہ عالمی اور مجھی ہٹہ جیسے مضبوط قلعے جن کا
جل جانا دہم و گمان میں نہیں آسکتا تھا کیسے جلے اور کس بڑی طرح جلے اور ہم نے
حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیشگوئی کو حرف بہ حرف پورا ہوتے
اس طرح بھی دیکھا کہ سابقہ شاہ عالمی اور مجھی ہٹہ نہ ہے اور اب اس کی
جگہ ایک خوبصورت اور کشادہ بازار ہے۔

از ہمہ اوست، ہمہ اوست

ایک دفعہ راقم الحروف کے والد عسکے ذہن پر ہمہ اوست اور از ہمہ اوست کا مسئلہ بڑی طرح مسلط ہو گیا اور ایسی پچیدگی اختیار کر گیا کہ وہ ہر وقت اسی میں الجھے رہتے۔ ایک دن والد صاحب، حضرت صاحب قبلہ کو ملنے گئے تو معلوم ہوا کہ آپ لوہاراں والی مسجد جو آپ کی گلی کے بالکل سامنے ہے میں تشریف فرما ہیں والد صاحب دہاں پہنچے تو اپنے والد صاحب کی ناک کو ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا: ”یہ ناک کس کی ہے؟“ والد صاحب خاموش ہے اور اپنے خود ہی جواب دیا: ”خدا ہی کی تو ہے ناں! اور کیا تمہاری ماں کی ہے؟“ اس کے فوراً بعد فرمایا: ”کیا خدا کی بھی ناک ہے؟ خدا تو جسم سے پاک ہے،“ اور والد صاحب کا مسئلہ حل ہو گیا۔ واہ واہ سبحان اللہ۔ سرکار میانصا حب نے کیسے خدا کی دی ہوئی طاقت سے والد صاحب کے دل کی بات کی بلکہ جان گئے کہ اس کے دل میں یہ بات مسلط ہو گئی ہے۔ اس کا مختصر اور سادے لفظوں میں عمدہ اور ٹھوس جواب دیا۔ جس سے نہ صرف ان کی تسلی ہوئی بلکہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔

ایسے ہی ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف جاتے ہوئے بٹالہ جلنے کے لیے لاہور اسٹیشن پر تشریف لائے گاڑی میں بڑی بھڑکتی آپ ابھی سوار نہیں ہوئے تھے کہ روانگی کی وصل ہو گئی اور سواروں میں بھگڑ مچ گئی اس افراتفری میں سب اتھی ایک دوسرے سے بھڑکے اور جس کو جہاں جگہ ملی بٹھو گیا۔ ہر ایک کو تشویش ہوئی کہ معلوم نہیں آپ کہاں بیٹھے ہیں اور سوار بھی ہوئے ہیں یا نہیں آخر جب گاڑی امرسر پہنچی تو کچھ ننھی اتر کر آپ کو ڈھونڈنے نکلے اور دیکھا کہ آپ گاڑی کے کمرے سے اتر کر مہرایموں کی طرف آرہے تھے۔ آپ نے مسکرا

فرمایا۔ ”فکر کی کوئی بات نہیں تھی مجھے تو گارڈ لاء ہو اسٹیشن سے ہی بھیسٹر میں سے نکال کر تھلے گیا تھا۔ وہ بیچارہ بھی ہمہ اوسٹ اور از ہمہ اوسٹ کے چکر میں پھنسا ہوا تھا اب اس کی تسلی ہو گئی ہے۔“

تین ذکر

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ایک دن حاجی فضل الہی صاحب دہلی کے چند ایک ہمراہیوں کے ساتھ ٹم ٹم پر سوار لاہور تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے موضع اٹاری پہنچنے پر سڑک کے کنارے ایک چھوٹے سے باغیچہ اور چوکھنڈی کی طرف اشارہ کر کے ایک واقعہ سناتے ہوئے فرمایا۔ ”کہ یہاں سامنے ہی چوکھنڈی میں ایک ضعیف العمر ملاح بیٹھا ہوتا ہے۔ یہ ملاح بابا دریائے راوی پر کشتی رانی کرتا تھا۔“

”آپ فرماتے ہیں۔ میں ان دنوں چھوٹی عمر میں ہی تھا کہ ان کے پاس دریا پر پہنچا۔ میں نے ملاح بابا سے کہا ”بابا جی! جب آپ کو خضر علیہ السلام ملے تھے تو انہوں نے آپ کو کونسا وظیفہ بتایا تھا۔“

ملاح بابا نے کہا ”بیٹا تمہیں کس نے بتایا کہ مجھے خضر علیہ السلام ملے تھے اور انہوں نے ایک وظیفہ بتایا تھا۔“ آپ بولے۔ وہ بات تو رہنے دیں اور یہ بتائیں کہ انہوں نے آپ کو کونسا وظیفہ بتایا تھا۔ ملاح بابا نے جواب دیا۔ ”میں ایک وقت میں تین ذکر کرتا ہوں۔ وہ اس طرح کہ ایک دل سے، ایک زبان سے اور ایک خیال سے، دل سے نفی اثبات، خیال سے اسم ذات اور زبان سے یا جی یا قبوتم۔“

کچھ عرصہ بعد اچانک ہی ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”ٹم ٹم تو لاؤ اور اٹاری چلیں۔“ چنانچہ ٹم ٹم آئی اور آپ مع چند ہمراہیوں

کے اٹاری آگئے۔ وہاں پہنچنے پر دیکھا کہ ایک جنازہ پڑا ہوا ہے اور لوگوں کا ایک ہجوم ہے کہ جنازے کے پاس اکٹھا ہو رہا ہے۔ وہ جنازہ مذکورہ بالا ملاح بابا کا تھا۔ لوگ آپ کو دیکھ کر خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔ حیران اس لیے کہ آپ کو اطلاع تو تھی نہیں۔ پھر آپ آ کیسے گئے؟ سب لوگ نمازِ جنازہ کے لیے اکٹھے کھڑے ہوئے، جیسے کہ آپ کا ہی انتظار تھا۔ آپ نے نمازِ جنازہ کی امامت فرمائی اور واپس چلے آئے۔

دوسرے ہی دن آپ نے پھر فرمایا ”ذرا اٹاری تو چلیں“ چنانچہ جب اٹاری پہنچے تو وہاں علاقہ کے بہت سے لوگ ملاح بابا کے فاتحہ کے لیے اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے آپ نے پہلے تو بابا جی کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے فاتحہ پڑھی اور بعد میں سب لوگوں کے سامنے اپنی جیب میں سے ایک قینچی نکالی اور ایک شخص (جس کی مونچھیں گھنی اور بہت لمبی تھیں) کی مونچھیں کاٹنی شروع کر دیں۔ جب اس کی مونچھیں شرع کے مطابق ہو گئیں تو آپ نے شہادت کی انگلی اٹھاتے ہوئے فرمایا۔

”بس! اب انکو نہیں بڑھانا“

چنانچہ اس نے ساری بقیہ عمر اپنی مونچھیں شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہی رکھیں بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مونچھوں والا آدمی ان ملاح بابا کا لوط کا تھا۔ اس سے پہلے ملاح بابا خود اور بہت سے لوگوں نے کوشش کی تھی کہ کسی طرح یہ اپنی مونچھیں چھوٹی کر دالے لیکن کسی کو کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

ایسے واقعات بسیوں نہیں، سیکڑوں کی تعداد میں ہیں جن کو نہ صرف عقیدت کیشوں نے دیکھا بلکہ ہزاروں عام لوگوں، غیر مذاہب کے پیروکاروں اور فاسد عقائد رکھنے والوں نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں رہی کہ سرکارِ میانصاحب شریقی رحمۃ اللہ علیہ کو ذاتِ باری تعالیٰ نے کمالِ مہربانی اور



نفقت سے مکاشفہ اور قوتِ باطنیہ کے وافر حصے عطا فرمائے تھے اور آپ کا سینہ
کتنا پُر نور اور آپ کا آئینہ دل کیسا صاف اور شفاف تھا کہ دنیا بھر کی باریکیاں بھی
اپنے اصلی رنگِ روپ میں ان کے پیشِ نظر تھیں۔

والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ انہیں خیال رہنے لگا کہ حضرت صاحبِ قبلہ
رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ اس خیال سے وہ اکثر پریشان
رہنے لگے۔ ایک دفعہ تو انہیں ساری رات اسی خیال سے بے چینی رہی۔ علی الصبح
جب وہ حضرت صاحبِ قبلہ کو ملنے گئے تو آپ مکانِ والی مسجد میں نارائن سنگھ
حوالدار سے محو گفتگو تھے۔ والد صاحب وہاں پہنچے تو آپ کے چہرہ مبارک اٹھا کر
ان کی طرف ایک نگاہ ڈالی اور پھر اسی طرف حوالدار سے محو کلام ہو گئے اور
پہلے سے شروع بات چیت کو ادھورا چھوڑ کر اسی طرف منہ کیے ہوئے فرمانے لگے
”کہ ایک دفعہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خیال گزرا کہ اگر میرا
رسالتاً بصلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی دنیا سے پردہ فرما گئے تو ہمارا کیل بنے گا!“
حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دلی خدشات کو دیکھتے ہوئے
فرمایا۔ ”اے صدیق! اگر تمہیں میرے جسم سے پیار ہے تو بیشک رنج و فکر میں
ڈوبے رہو اور اگر تمہیں میری روح سے محبت ہے تو میں ہر وقت تمہارے پاس
ہوں۔ فکر کی کیا ضرورت ہے۔“

یہ فرما کر حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے والد صاحب کی طرف دیکھ کر
تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ”کیا ہم چونسٹھ پینٹھ سال سے زیادہ بڑھ جائیں
گے۔“؟ اس طریقے سے آپ نے والد صاحب کو مطمئن کر دیا۔

شرقیہ پور شریف کے مولانا
خاندان میں میاں محمد امین صاحب

روح محفوظ است پیش اولیاء



علی حضرت سرکار میاں صاحب سے بیعت تھی۔ آپ کو ان سے از حد محبت تھی
 میاں محمد امین کے سسرال والوں نے ان سے کہا ”تمہارے برادر نسبتی منشی حافظ
 بخش کی شادی کا دن نزدیک آرہا ہے لاہور سے وری وغیرہ خرید لائیں۔
 ” زمانہ بڑا اچھا تھا۔ لوگوں کی عادتیں نیک تھیں اور صاحب نسبت حضرات
 جان و دل سے قدرائے پیر و مرشد ہوتے تھے۔ جب بھی کوئی وقت طلب مسئلہ درپا
 کرنا ہوتا یا کوئی مشکل آتی تو عقدہ کشائی کے لیے اپنے شیخ کی طرف رجوع کرتے
 بلکہ کسی کام کا ارادہ کرتے وقت یا سفر پر روانہ ہونے سے پیشتر اپنے پیر لقیقت
 کی بارگاہ میں طلب دعا اور رخصت کے لیے حاضر ہوتے۔ چنانچہ اپنی عادت کے
 مطابق میاں محمد امین بھی حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور
 تمام ماجرا کہہ کر لایا۔ اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت مرحمت فرماتے ہوئے کہا۔
 لاہور جاؤ لیکن تین دن متواتر تہجد کی ادائیگی میں تاغذ نہ کرنا۔ یہ ناعہ تمہارے لیے
 بہتر نہیں ہوگا۔ اور میاں محمد امین حسب پروگرام سسرال والوں کے ہمراہ روانہ
 ہو گئے۔

لاہور سارا دن سامان کی خریداری رہی اور رات کو اپنی جائے قیام پر آکر سوئے۔
 میاں محمد امین پابندی اور باقاعدگی سے تہجد گزار تھے لیکن اس رات تہجد کی نماز کے لیے
 نیند سے نہ جاگ سکے تو کسی سفید پوش نے جگا کر بٹھا دیا۔
 یہ سوچ کر کہ ان کا سسرال نہیں تہجد پڑھتے دیکھ کر کیا کہے گا۔ شرم کے مارے
 وہ پھر سو گئے اور تہجد کی نماز نہ گئی۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا اور نماز فوت
 ہو گئی۔ تیسرے دن بھی بقیہ حالات کے مطابق تہجد گزار میں ناعہ ہو گیا۔

راقم الحروف کے نانا جان



وقت گزرتا گیا تین چار سال کے بعد میاں محمد امین کو معلوم ہوا کہ ان کی طبیعت پہلے سی نہیں رہی۔ فیض کے راستے بند ہوتے نظر آئے اور انہیں ”قبض“ کا پتہ چل گیا۔ وہ حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”حضور امیری طبیعت تو یکسر خالی ہو گئی ہے۔ وہ بات ہی نہیں رہی۔“ آپ نے فرمایا یاد کرو۔ میں نے کہا تھا کہ نماز تہجد میں مسلسل تین روز نمانہ نہ کرنا۔ آخر ہی ہوا۔“ اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ ”اب تمہیں اس کا شدت سے احساس ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ کام بن جائے گا۔“ آپ نے توجہ فرمائی اور آپ کی نگاہ لطف و کرم سے انکی وہی حالت پھر عود کر آئی جو پہلے تھی۔

شرف پو شریف میں حبیب عون کی ویا پھیلی تو میاں محمد امین صاحب پر بھی بیماری کا حملہ ہو گیا اور وہ چار پائی سے جا لگے۔ والد صاحب ان دنوں لاہور ہوا کرتے تھے انہیں وہاں سے بلا لیا گیا۔ شرف پو شریف آتے پر حبیب والد صاحب حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا ”تم محمد امین کے پاس ہی بیٹھا کرو۔“ کچھ دن علیل رہنے کے بعد میاں محمد امین صاحب انتقال ہو گیا اور والد صاحب حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دینے آئے آپ کے ہاں پہنچے۔ آپ اس وقت رفع حاجت کے لیے بیت الحرام گئے تھے۔ فراغت کے بعد آئے تو والد صاحب کو دیکھ کر فرمایا۔ مجھے لہو کا پاخانہ ہوا ہے۔ آج کوئی انہونی بات ہو گئی ہے۔ ”مجھے معلوم تھا کہ محمد امین مرد خدا تھا۔ لیکن خدا کو جتنی دیر منظور تھا اتنی دیر ہی رہنا تھا۔ تم واپس جاؤ اور جب جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے اطلاع کرنا۔“ چنانچہ والد صاحب واپس آ گئے۔

جب غسل سے فارغ ہوئے اور جنازہ قبرستان لے جانے کے لیے تیار ہوا تو والد صاحب حضرت قبلہ کو اطلاع دینے آئے تو آپ نے پوچھا ”فضل الہی !



نم نے محمد امین کو کیا پایا ہے“ والد صاحب نے عرض کی۔ اور تو مجھے معلوم نہیں
 جب غسل دے رہے تھے تو میں نے دیکھا میاں محمد امین کا سلطان الاذکار
 جاری تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ”تم نے درست کہا۔ ایسا ہی ہے۔“

والد صاحب کا کہنا ہے کہ حکیم راجھازگر کی نماز جنازہ کے بعد جب میت
 کو اٹھایا گیا تو وہ بھی ہمراہ تھے۔ اعلیٰ حضرت سرکار میں صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی
 جنازہ کے ہمراہ جا رہے تھے۔ والد صاحب جوان دنوں جوان عمر تھے۔ بڑھ بڑھ کر
 جنازہ کو کندھا دے رہے تھے۔ آپ بلہ نے ان کو بلایا اور علیحدہ کھلی قبرستان میں لے آئے
 اور کہا لوگوں کو دکھا ہے تھے کہ میں بڑھ چڑھ کر کندھا دے رہا ہوں۔ پھر آپ نے پوچھا
 محمد امین کی قبر کہاں ہے۔ معلوم ہے تجھے؟ پھر خود ہی ایک قبر کی پائنتی میں کھڑے
 ہو گئے اور فرمایا۔ ”یہی تو نہیں“۔ وہ قبر میاں محمد امین ہی کی تھی۔ چند دقیقے قبر
 پر خاموش کھڑے ہے۔ بعد فرمایا۔ ”اکھ لہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بعد از
 وفات اپنے گھروں کی خبر بھی لے آتے ہیں اور لوگوں کی امداد بھی کرتے ہیں۔“

قبرستان سے جب واپس لوٹے تو ایک آدمی جانا ہوا نظر پڑا۔ آپ نے والد صاحب
 سے فرمایا کہ اسے بلاؤ۔ جب اسے بلایا گیا تو آپ نے اس کا نام وغیرہ پوچھ کر تفتین
 کی اور کچھ پڑھنے کے لیے بتایا۔ تھوڑی دُور جا کر پھر اور شخص ملا آپ نے اسے بھی توجہ
 سے نوانا اور کچھ ورد و طائف بتانے کے بعد کچھ نصیحتیں فرمائیں۔

والد صاحب کے دل میں خیال گزرا کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ آج مَوج

۱۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب قبلہ کے فرمائے ہوئے کی تصدیق کسی دفعہ ہوئی۔
 خواب میں آئے اور مشکل کا حل بتایا۔ کئی گھریلی معاملات میں رہنمائی ہوئی۔ جب بھی کبھی
 وقت طلب معاملہ رونما ہوا اپنے خواب میں آکر مدد کی۔ (طوالت کی وجہ سے تفصیل نہیں دی جا رہی)

میں معلوم ہوتے ہیں اور دریائے کرم جوش میں ہے جو آپ ایسے ہی راہ چلیتوں کو بل
بلا کر توجہ سے نوازتے چلے جا رہے ہیں۔

والد صاحب کے دل میں اس خیال کا ابھی گزرا ہی ہوا تھا کہ میاں صاحب نے
فرمایا (انکی طرف متوجہ ہو کر) آج میرا جی چاہتا ہے کہ ہر ایک کو تلقین کروں۔ اور
شجر و حجر ذکر کرنے لگیں۔

ہر طرف مولائے ذوالجلال کے نام کا ورد ہو اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے
ذکر میں محو نظر آئے۔

آج سے ستر پچتر سال پشیر سعودی عرب کی مالی حالت بہت خراب تھی۔
سعودی عرب کے باشندے غربت کی وجہ سے بڑے تنگ دست تھے ان کی زندگی بڑی
عسرت میں گزرتی تھی۔ وہ نہ صرف حجاج کرام اور زائرین عربین الشریفین کی خیرات و
صدقات کے منتظر رہتے بلکہ کئی عربی باشندے مختلف خوشحال ملکوں خاص طور پر
ہندوستان کی طرف رجوع کرتے جہاں عربی ہونے کے ناطے انکی امداد اور خدمت
کی جاتی۔ عرب شریف کا کوئی باشندہ شرفیور شریف آجاتا تو حضرت میاں صاحب
رحمۃ اللہ علیہ ان سے بہت پیار کرتے اور دل و جان سے ان کی عزت و تکریم کرتے
ہوئے مالی امداد بھی فرماتے۔

انہی دنوں ایک مفلس و غریب آدمی حضرت شرفیور می رحمۃ اللہ علیہ سے مالی
امداد کی آس لگائے شرفیور شریف کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں اس کے دل
میں خیال گزرا۔ حضرت میاں صاحب عرب باشندوں کی بڑی عزت اور خدمت کرتے
ہیں کیوں نہ عربی لب و لہجہ اختیار کر کے عرب ہونے کا تاثر دیا جائے تاکہ سرکار میاں صاحب
اچھی خاصی مالی معاونت حاصل کی جائے لہذا شرفیور شریف آگیا اور اپنے آپ کو عرب ظاہر کیا۔
اپنے بڑی تکریم کی اور اسے عزت و احترام سے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ ایک دو روز کے بعد

اس نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ نے واپسی پر اسے اچھی خاصی رقم دی اور رخصت کرنے اس کے ساتھ ہو لیے۔ کافی فاصلے پر پہنچ کر آپ نے اسے فرمایا۔
 ”دوست! اب وہ جگہ آگئی ہے جہاں تم نے ایک عربی کا بہروپ بھرنے کا قصد کیا تھا اور پھر ایک عربی کی شکل میں میرے پاس پہنچے۔ اب تم اپنی اصلی حالت میں واپس اپنے گھر جاؤ۔ تمہارا مقصد تو پورا ہو چکا ہے۔ ہم بھی واپس لوٹتے ہیں۔“

جیسا کہ اس باب کے شروع میں عرض کر چکا ہوں اولیاء کرام کے نور بھرے دل انوار الہی اور تجلیات ذات کا محزن ہوتے ہیں اور رب ذوالجلال انہیں نور معرفت عطا فرماتے ہیں تو کونسی ایسی چیز ہے جو ان سے مخفی ہوتی ہے جب وہ اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں تو دلوں کے عمیق ترین گوشے بھی ان کی نظروں میں بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ بھلا عربی بہروپ بھرنے والے کا حال کیسے حضور میانصاحب شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ کی نظروں سے اوجھل رہتا۔



نہ پوچھیں غرق پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھیں کو
پیدا کیے بیٹھے ہیں اپنی استیتوں میں
تمنا درود کی ہے تو کز حدت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزنوں میں

(علامہ اقبال)



کرامات

مُعْجَزَہ کرامت اور استدراج : مُعْجَزَہ کا ظہور پیغمبر سے اور کرامت کا ظہور ولی سے ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ محذوم، عجمی سرکار دانا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”مُعْجَزَہ کی شرط یہ ہے کہ وہ ظاہر کیے جائیں اور کرامت کی شرط یہ ہے کہ حتی الامکان ظاہر نہ کی جائے۔ صاحبِ معجزہ شرع میں تصرف پیدا کر سکتا ہے کیونکہ وہ خدا کا نبی، پیغمبر اور رسول ہوتا ہے اور صاحبِ کرامت کو سولے شرعی احکام کے تسلیم اور قبول کر لینے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ ولی کی کرامت شرع کے خلاف کبھی نہیں چل سکتی۔ و اما صاحبِ رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو مرشد شیخ ابوالفضل بن حسن حتی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ولی ولایت اور کرامت کو ظاہر کرے تو یہ حالت کی صحت کو زیبا نہیں پہنچاتا نیز و اما صاحبِ رحمۃ اللہ علیہ اثباتِ کرامت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ ولی پر کرامت کا ظہور جائز ہے کیونکہ وہ اس کے صدق کی علامت ہے اور ولی کی کرامت نبی کی نبوت کا ثبوت ہے اور مومن کے لیے بھی ولی کی کرامت رویت نبی کے صدق پر زیادہ اعتماد پیدا کرتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کرامت کا ظہور تکلف اور رعونت سے نہ ہو اور فرمایا آپ نے کہ ولایت اور کرامت خدا کی بخششوں میں سے ہے اور یہ کسب کے ذریعے حاصل نہیں ہوتی۔

اسی طرح کرامت اور استدراج میں بڑا فرق ہے۔ کرامت اویبار اللہ سے



صادر ہوتی ہے اور استدراج کافر یا فاسق سے سرزد ہوتی ہے ولی اللہ سے شریعت
 مطہرہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کچھ بھی ظاہر نہیں
 ہوتا۔ کیونکہ ولی جو کچھ حاصل کرتا ہے فیضانِ نبوت سے حاصل کرتا ہے اس لیے ولی سے
 کوئی فعل خلاف شریعت سرزد ہونا ممکن ہی نہیں۔ برخلاف اس کے کافر یا فاسق سے
 خلاف شرع باتیں ظہور میں آتی ہیں اور وہ صرف شیطانی شعبہ بازیوں کی مرہون بنتا
 ہوتی ہیں۔ سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس شخص پر جذب طاری ہو
 اور وہ شریعت سے دور ہو جائے تو یہ جذب شیطانی ہے اور وہ شخص جس پر جذب طاری ہو
 اور وہ کتاب و سنت کا تابع ہو جائے تو یہ جذب رحمانی ہے۔ نیز سلطان باہو صاحب نے
 ”عین الفقہ“ صفحہ ۲۸ پر ایک حدیث پاک نقل فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ فرمایا حضرت
 نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اگر تو کسی شخص کو ہوا میں اڑاتا ہوا یا پانی پر چلتا ہوا دیکھے اور
 تجھے معلوم ہو کہ میری سنت پر عمل نہیں کرتا تو اسے جو تے مار یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک
 اسکی کوئی عزت نہیں ہے شیطان کو خدا تعالیٰ نے اس سے زیادہ قدرت دی ہے

خلاف پیغمبر کے رہ گزید

کہ ہرگز بمنزل نہ خواہ رسید

کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک اضطراری اور دوسری اختیاری۔ اضطراری یہ کہ
 ظاہری وجود سے کوئی کام ولی کی ذات کے لیے باعثِ اضطرار ہو جاتا ہے اور اس
 اضطرار میں کرامت کا ظہور محض من جانب اللہ ہو جاتا ہے۔ اختیاری کہ ولی کی
 ذات خود بخود ایک ایسے کام کی خواہش پر اتر آتی ہے۔ جو ناممکن الوجود ہو۔
 اور اسکی حقیقت جامعہ اس نہ ہو سکنے والے کام کے وقوع میں منہمک ہو جاتی ہے
 یہاں تک کہ ذات باری تعالیٰ اسکو وقوع کا جامہ پہنا کر خلق اللہ پر اولیا کی حجت
 قائم کر دیتی ہے۔ تاہم اولیا کا مدین اور عارفین الہی کا مقصود کرامات نہیں ہوتا اور



نہ ہی بقول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ظہورِ کرامت و ولایت کی دلیل ہے اور نہ ہی خارقِ عادت کا ظہور و ولایت یا افضلیت کا معیار ہے۔

حضرت میا صاحب رقبوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی تمام تر کرامت تھی۔ آپ کی زندگی کے قریباً ہر واقعہ میں کوئی نہ کوئی صورتِ کرامت موجود ہے آپ کی ذاتِ گرامی سے خوارق اور کرامات بجزت ظہور میں آئیں جن کا مقصد جاہِ طلبی، شہرت یا نمود نہ تھا۔ آپ کا جو قدم بھی اٹھا اعلیٰ کلمۃ الحق اور دینِ مبین کی خاطر، اور آپ کی ذاتِ گرامی سے جو کام سرزد ہوا محض حق کی رضا جوئی کے لیے۔ آپ کا مقصد مطلقاً بالذات تھا۔ آپ کی تمام تر روحانی قوتیں تبلیغِ دین اصلاحِ احوال اور قلوب کی صفائی کے لیے ہی خرچ ہوئیں۔ غرضیکہ حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے اکثر ایسی کرامات ظہور میں آئیں جن سے خلق اللہ کو بہت فائدہ ہوا۔

کوٹلہ پنجویگ آستانہ عالیہ خواجہ امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ فاصلہ پر ایک گاؤں "گیجانہ" ہے وہاں کا نمبردار پیر محمد تھا جو سرکارِ شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدتمندوں میں سے تھا۔ ایک دن نمبردار مذکور کوٹلہ شریف حاضری کے لیے آیا۔ حاضری کے بعد جب وہ اپنی گھوڑی پر سوار واپس ہوا تو اندھیری رات میں راستہ بھول گیا ہر طرف گھپانہ پیرا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ اس زمانے میں ہر طرف اجاڑ اور جنگل ہوا کرتا تھا۔ دُور دُور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ ویسے بھی برساتی نالوں سے نکلا ہوا پانی ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ ایسے میں راستہ بھول جانا یقینی امر تھا۔ پیر محمد نمبردار کا کہنا ہے کہ ایسے جنگل میں اکثر چوڑا کوکا بھی خطرہ رہتا تھا۔ بس پریشان تھا۔ ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہتا تھا کہ معلوم ہوا کہ جیسے کوئی نہر پر کھڑا مجھے بلا رہا ہے۔ میں اس آواز کی طرف روانہ ہوا کہ دیکھوں کیا ماجرا ہے۔ نزدیک پہنچا تو معلوم ہوا سفید گھوڑی پر



سُفید لباس میں کوئی سوار ہے۔ سوار نے کہا ”تم راستہ ٹھول گئے ہو میرے پیچھے آؤ۔“ چنانچہ پیر محمد نبردار سوار کے پیچھے ہو لیا۔ نبردار نے گھوڑی دوڑا کر بہت کوشش کی کہ سوار تک پہنچ جائے لیکن سوار تکتا پہنچ سکا۔

کچھ میل کا فاصلہ طے کر لینے کے بعد سُفید لباس میں تلبیس سُفید گھوڑی کے سوار نے نبردار سے کہا ”دیکھو! یہ سامنے تمہارا گاؤں ہی تو نہیں؟“ پیر محمد نے دیکھا تو اس کا اپنا گاؤں ہی تھا۔ اُس نے کہا ”جناب! واقعی یہ میرا گاؤں ہے۔“ ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ سوار غائب ہو گیا۔ نبردار حیرانی کے عالم میں اپنے گھر چلا گیا۔ وہ اکثر سوچتا کہ الہی! کیا ماجرا ہے یہ کون ہو سکتا ہے جسے تو نے میری رہبری کے لیے ایسی اندھیری رات میں اور ایسے جھگڑے بیابان میں بھیج دیا۔ جس نے بخیر و عافیت مجھے اپنی منزل مقصود پر پہنچا دیا۔ اس بیچارے کی سمجھ میں نہ آیا کہ راہبر ہمیشہ تاریکیوں میں ہی آتے ہیں اور اندھیرے سے نکال کر نور و روشنی اور اُجلے میں لے جاتے ہیں۔ جب ہر طرف یاس و ناامیدی کے اندھیرے ہوں آنکھوں کو کچھ سجائی نہ دیتا ہو۔ انسان راستہ بھٹک چکا ہو۔ منزل آنکھوں سے اوجھل ہو اور کوئی دستگیری کرے تو لانا ہو تو ایسے ہی وقت میں فضلِ نبی سے راستہ دکھانے والا راہبر راستہ دکھاتا ہے۔ بلکہ ہر شکل سے ہر چور اور ڈاکو سے بچا کر منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد پیر محمد نبردار شریف شریف حاضر ہوا اور ابھی آکر بیٹھا ہی تھا کہ حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”جبران ہونے کی کیا ضرورت ہے تمہیں کسی نے تو راستہ دکھا ہی دیا تھا۔“ یہ سننے پر اُس نے سمجھ لیا کہ وہ سرکارِ مہیا صاحبِ رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ جنہوں نے اس کے بھٹکنے پر راہبری کی۔

ایک دفعہ ایک مولوی صاحب نے حضرت صاحبِ شریف پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے انہیں فرمایا۔ ”قرآنِ پاک کا ترجمہ دیکھا کرو۔“ مولوی صاحب نے

عرض کی ”حضور! وہ تو میں ہر روز دیکھا کرتا ہوں۔ کچھ اور بتائیے۔“ آپ فرمانے لگے۔ ”قرآن سے بڑھ کر اور کیا بتاؤں۔“

یہ سننے کے بعد وہ مولوی صاحب واپس چلے گئے اور آٹھ دن کے بعد پھر صخر ہوئے اور کہنے لگے ”خدا کی قسم! وہ یہ قرآن مجید نہیں جو میں پہلے دیکھا کرتا تھا۔ اب تو کچھ اور ہی ہے۔“

دوبارہ، سہ بارہ بلکہ کئی بار وہ مولوی صاحب آئے اور ہر بار ہی کہتے کہ اب کی بار قرآن پاک اور طرح نظر آیا۔ اپنے ارشاد فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ کا کلام کوئی ایسا ویسا تو نہیں جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں۔ لطن در لطن ستر لطن ہیں“ نیز آپ نے فرمایا ”تفسیر وہ دیکھنی چاہیے جو آج سے سو سال پیشتر کی لکھی ہوئی ہو۔ کیونکہ کئی آدمیوں نے معانی میں رد و بدل کر دیا ہے۔“

میاں فتح الدین

باغبان پورہ کے مشہور رئیس میاں تاج الدین مرحوم سے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی قرابت داری تھی۔ میاں تاج الدین کی وفات کے بعد انکی اہلیہ اپنے لڑکے میاں افتخار الدین کو جو ابھی چھوٹے سے ہی تھے ساتھ لے کر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا کرتی۔ میاں افتخار الدین جب جوان ہوئے تب بھی آپ کے پاس آیا کرتے۔

ایک دن میاں افتخار الدین اور مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری مرحوم اکٹھے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ دورانِ ملاقات سرکار شریف پوری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ابوالحسنات کو علیحدہ لے جا کر فرمایا۔ ”تم اس لڑکے (میاں افتخار الدین) کے ساتھ پھرتے مجھے اچھے نہیں لگتے۔“

مولانا ابوالحسنات نے عرض کی۔ ”سرکار! یہ لڑکا بڑا نیک اور پارہ سا ہے۔“



بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ولی ہے۔“ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ ”ہے تو ولی ہی لیکن مجھے خدشہ ہے کہ یہ کہیں ”ولا“ نہ بن جائے۔“

چنانچہ پاکستان میں کون پڑھا لکھا یا اخبار بن شخص ایسا ہے جو نہیں جانتا کہ میاں افتخار الدین کے خیالات اور حالات کیسے ہو گئے تھے۔ سال کا بیشتر حصہ لندن اور غیر مالک میں عیش و عشرت سے گزارنے والا یہ رئیس نہ صرف منصفی خیالات کا مالک بن گیا بلکہ اس شخص کے اعمال حضرت صاحب قبلہ شہر قیومی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش گوئی اور ارشاد کے عین مطابق ہوئے اور لوگوں نے آپ کے فرمان کو پورا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

دل صاف کر دیے

لاہور باغبانپورہ کی مشہور میاں فیملی میں میاں شاہنواز بڑے معروف اور بارسوخ آدمی تھے۔ وہ ہمیشہ پنجاب اسمبلی میں اپنے حلقہ سے ممبر ہوا کرتے تھے۔ میاں صاحب موصوف اتنے بااثر اور ملنسار تھے کہ عموماً الیکشن میں کوئی ان کا مد مقابل نہ ہوتا اور وہ بلا مقابلہ ممبر منتخب ہو جاتے۔

دنیا میں اکثر ایسا ہوتا آیا ہے کہ جیسے اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے ”آپس کی چھوٹ خانمانی وقار اور عزت کو خاک میں ملانے کا موجب بن جاتی ہے۔ مذکورہ بالا میاں فیملی کا یہ باعزت اور شریف گھرانہ بھی اس لعنت کا شکار ہو گیا تھا گھر بھونچا پھرتا اور آپس کی چپقلش نے اس خاندان کے دو حقیقی بھائیوں میاں شاہنواز اور میاں حق نواز کو میدان سیاست میں بھی ایک دوسرے کے مد مقابل لاکھڑا کیا۔ دونوں بھائیوں نے ممبری کے لیے تگ و دو شروع کر دی۔ آخر الیکشن شروع ہو گیا۔ ان دنوں دوڑوں کا حلقہ بڑا وسیع ہوا کرتا تھا۔ ہمارا شہر قیومی شریف بھی



اسی حلقہ میں تھا۔ ایک دو تھانوں کے بعد شہر قبور شریف پورنگ ہوا اور وودٹ
 ڈالے گئے۔ مذکورہ میاں قبیلہ سے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی رشتہ داری
 تھی۔ جب آپ نے سنا کہ دونوں بھائی اور ان کے رشتہ دار ایکشن کے سلسلہ
 میں یہاں آئے ہوئے ہیں تو حضرت صاحب قبلہ نے ازراہ قرابت ان کی دعوت
 کی اور بس بچپن افراد کو اپنے ہاں کھانا کھلایا۔

ابھی ایکشن ختم ہونے میں کچھ دن بقایا تھے کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ
 باغبانپورہ میں میاں شہنواز کی کوٹھی آئے۔ آپ بھی ان کے ہاں تشریف نہیں
 لے گئے تھے آپ کی اچانک تشریف فرمائی کی وجہ سے میاں شہنواز اور ان کے
 گھر والوں کو مسرت و شادمانی کے ساتھ حیرت بھی ہوئی سلام مسنون کے بعد حضرت
 صاحب قبلہ نے میاں شہنواز سے فرمایا۔ ”مجھے یہ تو بتاؤ کہ لڑتے کون ہیں؟ وہ
 حیران و ششدر خاموش بیٹھا رہا۔ آپ نے خود ہی فرمایا۔ ”ارے میاں! لڑتے تو کتنے
 ہیں۔ بھائیوں کو تو آپس میں پیار و محبت سے رہنا چاہیے نہ کہ بول جیسا کہ تم نے شروع
 کر دیا ہے۔ تم بڑے ہو۔ وہ تمہارا چھوٹا بھائی ہے اور چھوٹے بھائی اولاد کی مانند ہوتے
 ہیں۔ تمہیں اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا چاہیے تھا۔ تم اتنے برس سے اسمبلی
 کے ممبر ہوتے چلے آئے ہو۔ اب کی دفعہ اگر تمہارا چھوٹا بھائی ممبر منتخب ہو جاتا تو پھر کیا
 تھا۔ آخر تمہارا ہی چھوٹا بھائی تو ہے۔“

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں کا اس پر بڑا اثر ہوا۔ آپ کا تصرف
 تھا کہ اس پر رقت سی طاری ہوگئی وہ اپنے کیے پر بڑے پشیمان ہوئے اور عرض
 کی ”حضور! جیسے آپ ارشاد فرمادیں میں حاضر ہوں۔“ آپ نے فرمایا ”تو بس دستبردار
 ہو جاؤ اور اپنے چھوٹے بھائی کے حق میں دستبرداری لکھ دو۔“
 چنانچہ انہوں نے فوراً دستبرداری لکھ دی۔



اس کے بعد سرکار شریف پوری رحمۃ اللہ علیہ میاں حق نواز کی کوٹھی پہنچے وہ بھی بڑے خوش ہوئے اور حیران بھی کہ حضور کیے تشریف لے آئے۔ آپ نے میاں حق نواز سے بھی یہی فرمایا کہ معلوم ہے لڑتے کون ہیں؟ ارے کتے لڑتے ہیں۔ تم دونوں بھائیوں نے یہ کیا اکھاڑا بنا دیا ہے۔ وہ تمہارا بڑا بھائی ہے اور بڑے باپ کی مانند ہوتے ہیں۔ تمہیں اس کی فرما برداری کرنا چاہیے تھی اس کی عزت تمہاری عزت ہی تو ہے، اس پر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو اور آپ کے تصرف نے بڑا اثر کیا انہوں نے عرض کی ”حضور! میں اپنے کیے پر بڑا شرمندہ ہوں اور اب ہر طرح حاضر ہوں۔“ آپ نے فرمایا۔ ”تو بس اپنے بڑے بھائی کے حق میں دست بردار ہو جاؤ اور دست برداری لکھ دو۔“ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کر دیا۔

دونوں بھائیوں سے دست برداری لے لینے کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مشہور زمانہ میاں افتخار الدین کے والد میاں تاج دین کے ہاں پہنچے۔ وہاں بیٹھ کر دونوں بھائیوں کو بلایا۔ میاں تاج دین کے ہاں ایک بھینس کھڑی تھی آپ نے پوچھا۔ ”یہ بھینس کتنی قیمت سے خریدی ہے؟“ انہوں نے کہا ”یکصد روپیہ سے۔“ آپ نے ذرا بلند آواز سے فرمایا ”مجھ سے دو سو روپیہ لے لو اور ایک بھائی تو لا دو؟“ معلوم نہیں اس بات میں کیا حادو بھرا تھا کہ دونوں بھائی دھاڑیں مار کر رونے لگے اور ایک دوسرے کے گلے لپیٹ گئے رونے سے ان کی طبیعتیں ہلکی ہو گئیں اور سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصرف اور نظر عنایت سے دل صاف ہو گئے کہ وہیں دھل گئیں اور رنجش دور ہو گئیں۔ جب طبیعتوں میں کچھ سکون ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ”اب بتاؤ ممبر کسے ہونا چاہیے؟“ میاں شاہنواز نے کہا۔ ”جناب! میں تو دست بردار ہو چکا ہوں۔“ اور میاں حق نواز جھٹ سے بول اٹھے۔ ”سرکار! میں تو پہلے ہی دست برداری لکھ کر آپ کو دے چکا ہوں۔“



ایک بھائی کہتا کہ چھوٹا بھائی ممبر بنے اور دوسرا اصرار کرتا کہ بڑا بھائی۔ آخر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی فیصلہ دیا کہ چلو! شاہنواز پہلے سے ممبر ہوتا چلا آیا ہے اسے ہی منے دو۔ چنانچہ میاں شاہنواز ممبر ہو گئے اور مرتے دم تک دونوں بھائیوں میں صلح رہی۔

سیحانی

بعد از نماز مغرب نوافل کی ادائیگی کے بعد مراقبہ میں بیٹھنا حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات میں سے تھا۔ یارانِ طریقت حلقہ باندھ کر بیٹھتے اور آپ توجہ فرماتے۔ مجلس میں اکثر لوگوں پر وجد طاری ہو جاتا۔ مگر میوں کے دن تھے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ چھوٹی مسجد جو اب قصبہ بھر میں سب سے بڑی عالی شان مسجد ہے کی چھت پر تشریف فرما تھے۔ معتقدین کی ایک تعداد سر جھکائے مصروفِ اخذِ فیض تھی۔ کیفِ سرور سے متلاشیان کے دل سرشار تھے۔ محویت اور استغراق کا عالم تھا اور طبیعتوں میں خاصہ لگاؤ تھا۔ اہالیانِ مجلس میں سے ایک کو اس شدت سے وجد ہوا کہ وہ مسجد کی چھت پر سے نیچے سخن میں آگرا۔ جھگڑا مچ گئی۔ لوگوں نے اسے سنبھالنا نہ دیکھا کہ اس کا سر پھٹ گیا ہے اور خون بہہ رہا ہے۔ اسے اٹھا کر اوپر حضرت صاحب قبلہ کے پاس لے آئے اور عرض کی ”مُحْضَرُ اس کا سر پھٹ گیا ہے“ آپ نے فرمایا لاؤ تو میں بھی دیکھوں کہاں ہے یہ؟ آپ نے اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔

”کوئی بھی نہیں اس کا سر تو صحیح سلامت ہے کہیں سے بھی نہیں پھٹا۔“ یارانِ طریقت کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بیسیوں افراد نے سر کی صحت کا اقرار کیا۔ اس کی خون سے بھری ہوئی قمیص کے ہوتے ہوئے بھی ”پھٹا“ کا مفقود ہو جانا سرکارِ شرفِ قدوسی رحمۃ اللہ علیہ کی سیحانی کا ہی تو کرم تھا۔ سبحان اللہ!



ناہینا، بینا ہو گیا۔

ادکارہ کے نزدیک ایک گاؤں میں ایک ناہینا شخص رہتا تھا۔ اسے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا بہت شوق تھا۔ اس زمانے ذوالحجہ آمدورفت اتنے آسان نہیں تھے جتنے کہ اس وقت ہیں۔ ایک دن وہ بیچارہ نانگہ و دیگر سوار پوں پر سفر کرتا ہوا مولین وال کے تین پر پہنچا۔ اس وقت شام ہو رہی تھی اور کشتی والا سوار پوں کا آخری پھیرا پار پہنچا کر اسی وقت واپس پہنچا ہی تھا اور اپنی کشتی باندھ کر گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس ناہینا مسافر نے نہایت لجاجت اور آنددگی کے لہجے میں ملاح سے کہا۔ ”بھائی! بڑی دور سے آیا ہوں منزل قریب تر ہے مہربانی کرو اور پار پہنچا دو۔“ ملاح نے جواب دیا۔ ”میاں دیر ہو گئی ہے بس نے بھی گھر جانا ہے اور پھر اور کوئی مسافر بھی تو نہیں۔ تم اکیلے کے لیے کشتی کو کیسے پار لیجاؤں اور ادھر سے بھی تو خالی کشتی لے کر اکیلے ہی آنا پڑے گا۔“ ناہینا مسافر نے انتہائی منت سماجت اور انکاری سے ملاح کو اسے دریا کے پار اتارنے پر رضا مند کر ہی لیا۔ چنانچہ ملاح نے اسے پار پہنچا دیا۔

دن چھپ چکا تھا۔ رات ہو گئی تھی۔ لیکن ناہینا مسافر لکڑی کے سہارے تھوڑے شریف کا تین میل کا فاصلہ طے کر کے منزل کے قریب پہنچا۔

رات زیادہ ہو جانے کی وجہ سے شہر کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ اس نے کسی سے پوچھا کہ یہاں کہیں نزدیک ہی کوئی مسجد ہو تو رات بسر کر لوں صبح سرکار میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ چنانچہ کسی شخص کے بتانے پر بیرون مکانہ گیٹ مولوی محمد شفیع والی مسجد میں وہ فروکش ہو گیا اور رات وہیں بسر کی!



حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی کبھی کبھی مسجد مذکورہ میں نماز تہجد ادا کرنے آیا کرتے تھے۔ نابینے کی بلند بختی کہ اس دن بھی آپ سحری کے وقت وہاں تشریف لے آئے اور نماز تہجد کے بعد وظائف میں مشغول ہو گئے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ مسجد کے دروازے بند تھے۔ اپنے کچھ وقت کے بعد آواز دی ”کوئی آدمی ہو تو باہر نکل کر دیکھے کہ نماز فجر کے لیے اذان کہنے کا وقت ہو گیا ہے یا ابھی کچھ دیر ہے۔“ آپ کی آواز کے جواب میں کوئی آدمی بھی گویا نہ ہوا۔ مسجد میں حضرت صاحب قبلہ اور اس نابینا آدمی کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود ہی نہیں تھا۔ آپ نے پھر اسی طرح آواز دی۔ پھر بھی کوئی آدمی نہ بولا۔ آپ نے تیسری بار پھر فرمایا تو وہ نابینا مسافر کہنے لگا۔ ”آپ کسے فرما رہے ہیں اور تو کوئی آدمی موجود نہ ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ میں موجود ہوں اور نابینا ہوں۔“

آپ نے ارشاد فرمایا۔ ”اچھا! تم ہی باہر جا کر دیکھ لو۔“ اس شخص کا کہنا ہے کہ میرے دل میں ایک امنگ اور خواہش پیدا ہوئی اور میں اٹھ کر مسجد سے باہر نکل آیا جو ایسے ہی اپنے سر آسمان کی طرف کیا تو بنیائی آگئی تو دیکھا آسمان پر مدہم مدہم سے سناے ٹمٹماہے تھے اور اذان کا وقت ہو رہا تھا۔ میں نابینا جواب بنیا ہو چکا تھا دوڑ کر نماز مسجد میں آیا اور اس شیریں آواز کے قدموں پر گر پڑا اور کہا میرا دل کہتا ہے کہ آپ ہی سرکار میاں صاحب شرف پوری ہیں پھر مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔“

بعد ازاں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آدمی کو اٹھایا اور کھانے کی کچھ چیزیں جو پہلے سے آپ کے پاس تھیں اور ساتھ کھراہ کے لیے کچھ پیسے دیتے ہوئے کہا۔ ”مسجد میں کھڑے ہو۔ قسم کھاؤ میری زندگی میں کسی شخص سے اس واقعہ کا ذکر نہیں کرو گے۔“ وعدہ لینے کے بعد اسی وقت وہیں کھڑے کھڑے واپس بھیج دیا۔ وہ آدمی جب تین پہنچا تو علی الصبح پار جانے کے لیے پہلے ”پور“ کی سواریاں کشتی پر سوار ہو رہی تھیں۔ ملاح نے جب اسے دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا۔ جی ہی میں کہنے

لگا کہ ”شکل و شبہت سے تو وہ ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔ جسے رات میں نے کشتی پر اکیلے سوار کر کے دریا کے پار پہنچایا تھا لیکن وہ تو نابینا تھا اور اس کی آنکھیں صبحِ صبح اور روشن ہیں۔“ وہ اسی ادھیڑ بن اور حیرانی کے عالم میں کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا۔ آخر نہ رہ سکا۔ اسے علیحدہ ایک طرف لیجا کر پوچھا تو وہ لیت وعل کرنے لگا لیکن ملاح کو پورا یقین ہو چکا تھا کہ یہ وہی رات والا آدمی ہے۔ چنانچہ اس نے بٹا مجبو کیا کہ ”بتاؤ کیا ماجرا ہے کوئی راہ فرار نہ پا کر اس شخص نے ملاح سے کہا۔“ مجھ سے حضرت صاحب قبلہ نے عہد لیا کہ کسی کو نہ بتاؤں۔ لیکن اس واقعہ سے پہلے چونکہ تم میری حالت دیکھ چکے ہو اور اب بھی دیکھ رہے ہو اس لیے تمہیں بتائے دیتا ہوں۔“ چنانچہ اس نے ملاح کو تمام ماجرا من و عن بتا دیا اور حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں کسی ایک کو بھی نہ بتانے کا عہد لیا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے دن جب مذکورہ ملاح جنازے میں شمولیت کے لیے آیا تو اس نے یہ واقعہ تمام احباب کو سنایا۔

حرم بے ریا

شرقیہ شرف سے مغرب کی طرف ایک نالہ ”ڈیک“ بہ رہی ہے یہ نالہ گورنمنٹ برطانیہ نے کھدوایا تھا۔ کھدائی کے وقت اس میں سے نکلنے والی سب مٹی مغربی کنارے پر پھینکی گئی۔ اس مٹی کو ہموار کر کے اس پر گورنمنٹ نے سروس روڈ بنادی نالہ ڈیک سے مشرق کی طرف شرقیہ شرف کا قصبہ ہے۔ قصبہ کی طرف یعنی ڈیک کے مشرقی کنارے پر کوئی بند نہیں اور جب نالہ میں طغیانی آتی ہے تو مشرقی طرف ہی پانی نالے سے باہر نکلتا ہے اور مغربی سمت بند کی وجہ سے محفوظ رہتی ہے۔

نالہ ڈیک ابھی تیار نہیں کمالا گیا تھا کہ سیلاب آ گیا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ہر شخص اپنی اپنی اشیاء محفوظ کرنے لگا اور کتوں پر رہنے والے لوگ اپنے

ڈھو ڈھکر اونچی جگہوں پر پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔ سیلابی پانی فزوں سے فزوں تر ہونے لگا۔ اہلیانِ قصبہ شرف پور شریف کو بھی تشویش لاحق ہو گئی۔ باشندے گھبرا کر حفاظتی تدابیر اختیار کرنے سے سرگرم عمل ہو گئے۔ سیلاب میں کمی کی بجائے زیادتی ہو گئی۔ پانی بڑھتا ہی گیا۔ لوگوں میں گھبراہٹ بڑھتی ہی گئی۔ بہت سے لوگ اکٹھے ہو کر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ اس وقت مکان والی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عشا کی نماز ہو چکی تھی۔ سب نے حضور کی خدمت میں عرض کی ”سرکار! شہر تو ڈوبنے کو ہے۔ دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قصبہ کو اس عذاب سے محفوظ مومن رکھے“ آپ فرمانے لگے۔ ”میں کیا کروں جو اللہ کو منظور ہو وہی ہوتا ہے جو اس کو منظور ہو وہی ہو کر رہیگا۔ سب لوگ حیران و پریشان واپس چلے گئے۔“

رات بڑی مصیبت میں گزری لوگ ساری رات سو نہ سکے۔ ہر وقت سیلابی پانی کے قصبہ میں داخل ہو جانے کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ ایسے میں کس کی آنکھ لگ سکتی تھی۔ علی الصبح لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا کہ مغربی سمت والا بند نور پور والے پتن کے پاس سے ٹوٹ گیا ہے اور پانی نے ادھر کا رخ کر لیا ہے۔ سیلاب کا زور کم ہو گیا اور باشندوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

اب سب لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ بند کیسے ٹوٹا۔ لیکن کوئی آدمی بھی وثوق سے کچھ نہ کہہ سکا۔ اسی دوران میں سکھانوالے پتن کا ملاح ”ملاں“ قصبہ میں آیا۔ لوگ اس سے پوچھنے لگے کہ بند کیسے ٹوٹا؟ اس نے بتایا۔ سحری کا وقت تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک آدمی سفید چادر اوڑھے ہاتھ میں عصا لیے اس جگہ آیا اور جہاں سے بند ٹوٹا ہے وہاں اس نے عصا مالا اور بند ٹوٹ گیا اور پانی مغربی جانب پھیلنے لگا ہم دوڑے تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت صاحب قبلہ شرف پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی تھے۔

رات کے وقت اہلیانِ نصیبہ میں سے آٹھ دس افراد آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکر یہ کہ انداز میں بند توڑ دینے کا ذکر کیا۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا ”بھئی! اسکو ہی معلوم ہوگا جو بتاتا ہے مجھے تو نہیں معلوم“

شر توپور شریف کے زمیندار باشندوں میں سے ایک زمیندار نواب نامی تھا اور وہ لوگوں میں ”نواب شاہ کے دا“ کے نام سے مشہور تھا۔ ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مسجد کی چھت پر بیٹھے وظائف و اذکار میں مشغول تھے کہ نواب مذکور آپ کے پاس آکر بیٹھ گیا بعد از فراغت جب آپ اسکی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے عرض کی۔ حضور! میری فصل بہت کم ہوتی ہے۔ غریب آدمی ہوں۔ پیٹ بھی لوپا نہیں ہوتا آپ دعا فرمائی کہ میری فصل اچھی ہو تو میں اس میں سے اتنا حصہ آپ کے لنگر میں دوں گا۔ یہ سنا تھا کہ آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور فرمایا۔ ”دیکھو! آج کل لوگ ایسے بد ہو گئے ہیں کہ دعا کروانے میں بھی رشوت دیتے ہیں“ آپ غصے کی حالت میں اٹھے اور پاس ہی پانی سے بھر اگھڑا پٹا تھا وہ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ نواب کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور گھر بھاگ آیا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف اور مولائے ذوالجلال کی مہربانی دیکھتے اس واقعہ کے بعد اس کی زمین پر اتنی فصل ہوئی کہ کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ مذکورہ زمیندار مسی نواب ”شاہ کے دا“ کا ایک بڑا بھائی فضل نامی تھا۔ وہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھا۔ اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ پابندِ صوم و صلوة اور مشرع انسان تھا اس کی طبیعت فکر و فکر کی طرف اچھی خاصی راغب تھی اکثر حضرت صاحب قبلہ کے ہمراہ رہتا اور عموماً آپ کے ساتھ قبرستان جا یا کرتا۔ ایک دفعہ آپ قبرستان شریف لائے ہوئے تھے اور وہ بھی ہمراہ تھا تو اس نے عرض کی۔ ”حضور! قبرستان سایہ وارد رختوں سے یکسر محروم ہے اتنا بھی تو نہیں کہ

گر میوں میں کسی میت کو کسی درخت کے سایہ میں رکھ کر چند ساعت ستا ہی لیں۔“
 آپ نے فرمایا۔ ”اچھا! یہاں کہیں ٹاہلی کا بیج نہیں ہے؟“ وہ کہنے لگا۔ ابھی
 لاتا ہوں سرکار۔ چنانچہ تھوڑے ہی وقفے کے بعد وہ ٹاہلی کا بیج لے آیا اور آپ نے
 ایک مٹھی بھر کر قبرستان کی ایک طرف پھینک دیا اور دوسری مٹھی بھر کر دوسری طرف
 حضور میا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا چھٹا دیا ہوا ہوا اور پھر درخت ہوں! یہ کیسے ہو
 سکتا ہے۔ شرقیہ شریف میا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر زیارت پر آنے
 والے احباب جانتے ہیں کہ مزار شریف سے ملحقہ قبرستان میں سایہ دار درختوں
 کے کیسے جھنڈ ہیں۔ ٹاہلی کے درخت اکثر کاٹے بھی جاتے ہیں مگر پھر ہو جاتے
 ہیں ختم ہونے میں نہیں آتے۔ (انہی درختوں کی وجہ سے موجودہ قبرستان انتہائی خوبصورت
 ہے اور بھی کئی قسموں کے پودے ہیں جس سے قبرستان میں سایہ رہتا ہے)

تمہارے مُنہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور اولیاء کا ملین قُرب الہی کی وجہ سے ایسے اعلیٰ
 مراتب پر فائز ہوتے ہیں کہ ایک وقت اُن کے مُنہ سے نکلی ہوئی بات سنا پوری ہوئے
 بغیر نہیں رہتی۔ بمطابق ارشاد ات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ایسے لوگ اگر خدا پر
 قسم کھالیں تو انہی قسم پوری کی جاتی ہے۔ بیشک
 ایک دفعہ حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور سرکار سے
 عرض کی۔ ”سرکار! دعا کیجئے اللہ تعالیٰ اسباب پیدا کر دیں اور میں اپنی لڑکی کی
 شادی کر دوں“ سرکار فرماتے لگے۔ ”اللہ تعالیٰ فضل کریں گے۔ غریب آدمی ہو
 جو کچھ تمہارے پاس ہے اسی سے غریبانہ کام کر لینا اور قرض نہ لینا کیونکہ کہتے ہیں کہ
 قرض اٹھانے سے کمر لوٹ جاتی ہے۔“

یہ سن کر وہ آدمی چلا گیا اور جب اس نے لڑکی کے عقد کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی کہنے لگی ”ہمارے پاس اثاثہ تھوڑا ہے کہیں سے قرض لے لو“ وہ کہنے لگا۔ ”حضرت صاحب قبلہ شرفپوری کا ارشاد ہے کہ قرض نہ لینا لہذا قرض نہیں لوں گا۔“ ہماری برادری ہے ”ناک“ نہیں رہتی، کچھ تو کرنا چاہیے اور پھر میان صاحب کون سے پاس کھڑے دیجھے ہے ہیں۔“ اس کی بیوی نے کہا۔

وہ کہنے لگا۔ ”کچھ بھی ہو قرض نہیں لوں گا۔“ لیکن بیوی کے بار بار بکراہ اور تنگ کرنے پر اس نے کسی سے قرض لے لیا اور لڑکی کی شادی اپنی برادری کے رسم و رواج کے مطابق کر دی۔

کچھ عرصہ بعد وہی شخص رات کو گھر میں چار پانی پر پڑا تھا کہ دفعتاً کڑاک کی آواز آئی اور اس کی کمر ٹوٹ گئی در بید پھرا، بہت سے معالجون اور حکیموں سے علاج کرایا لیکن ٹھیک نہ ہوا۔ کافی عرصہ گزرنے کے بعد ایک دن بیٹھے بیٹھے اسے خیال آیا کہ ہونہ ہو یہ حضرت میان صاحب شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ کا کہا ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ قرض اٹھانے سے کمر ٹوٹ جاتی ہے چنانچہ وہی ہوا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی دوسری صبح وہ شرفپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ”حضور! میری کمر ٹوٹ گئی ہے دعا کیجئے“

آپ نے ارشاد فرمایا ”بس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تمہاری کمر ٹوٹ جائے میں نے تو ویسے ہی یہ کہا تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ قرض لینے سے کمر ٹوٹ جاتی ہے اچھا! جاؤ قرض ادا کرو اللہ تعالیٰ فضل کر دیں گے۔“

کہتے ہیں، اس نے جیسے بھی بن سکا اپنا قرض ادا کر دیا اور ایک دن ویسے ہی پڑے پڑے کڑاک کی آواز آئی اور اس کی کمر درست ہو گئی۔

اعلیٰ حضرت سرکار میان صاحب شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ جب جمعۃ المبارک کے



دن خطبہ میں اپنی سیھی سیھی پیاری پیاری زبان میں سادہ سادہ باتیں بیان فرماتے بلکہ لوگوں کے مافی الضمیر اور دل میں لائے ہوئے خیالات کے عین مطابق مسائل حل فرماتے تو سامعین پر ایک عجیب حالت طاری ہوتی۔ کیف و محبت میں ڈوبے ہوئے دل متوجہ الی اللہ ہو جاتے۔ ایک ایسے ہی موقع پر جمعہ کے خطبہ میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ منازل سلوک اور جادۂ عرفان الہی کی سیدھے سادے انداز میں نشاندہی فرما رہے تھے آپ کی طبیعت جو بن پر تھی اور سننے والوں کے دل بھی سرشار و بخود ہو رہے تھے کہ ایسے میں مسجد میں لگی ہوئی گھڑی نے اونچی آواز میں ٹن ٹن بجنا اور ٹن ٹن بج گئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ ادھر بٹ گئی۔ آپ نے جو شس سے فرمایا۔ ”توں وی ٹن ٹن اسی کر دی رہنی ایں“ (یعنی کلاک کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ”تم بھی ٹن ٹن ہی بجاتے رہتے ہو۔“ بس آپ خطبہ میں مشغول ہو گئے اور گھڑی بند ہو گئی۔

دوسرے تیسرے دن منتظمین حضرات نے جب دیکھا کہ کلاک بند ہو گیا ہے تو انہوں نے حسب واقفیت اسے چلایا لیکن ان سے وہ چالونہ ہوا۔ جب انہیں اپنے مقصد میں کامیابی شکوک نظر آئی تو انہوں نے کلاک اتارا اور لہا ہو کسی واچ مین کے ہاں لے گئے کہ یہ چلتے چلتے بند ہو گیا ہے۔ اسے درست کر دو۔ لیکن واچ مین نے کہا یہ تو بالکل درست حالت میں ہے لیکن بہت کوشش کے باوجود بھی نہ اس نے چلنا تھا نہ وہ چلا۔ بہت سے کاریگروں سے ناکام لوٹنے کے بعد گھڑی کو صوفی عبدالرحمن گھڑی ساز کے پاس لے آئے جو حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدتمندوں میں سے تھے۔ انہوں نے بہت سہارا اور آخر تھک ہار کر یہ کہتے ہوئے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ واپس کر دیا۔ منتظمین گھڑی کو ترقی پور قمر لیلے آئے اور اسے سالفہ جگہ پر لگا کر حضرت صاحب قبلہ عبدالرحمۃ کی خدمت میں عرض کی

” حضور! جمعہ کے روز سے گھڑی بند ہے کاریگر اسے درست نہیں کر کے اور انکا کہنا ہے کہ اس میں کوئی نقص نہیں۔“ آپ نے فرمایا ”موش ہے اور کچھ جواب دیا۔ آئندہ جمعہ جب آپ مسجد میں تشریف لائے اور خطبہ پڑھ کر اٹھنے لگے تو آپ نے وقت دیکھنے کے لیے گھڑی کی طرف تاکا۔ لیکن وہ تو بند تھی۔ آپ نے کہا ”اس طرح تاں نہیں ناں۔“ میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ چلنا ہی بند کر دے۔ بس آپ کا یہ فرمانا تھا کہ گھڑی چلنا شروع ہوگی۔ جیسے وہ آپ کے حکم کی ہی منتظر تھی۔ سرکار مہاراج صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سیف سے نکلے الفاظ کا ایسا اثر ہوتا ہے دیکھ کر کتنے آدمیوں کے ذہنوں میں یہ تاثر نقش ہوا ہوگا کہ

تیرے مومنوں گل چہڑی نکلے او تیرے

قصو جیسے کاروباری شہر میں رالی برادرز کی مشہور فرم میں ایک دلال میرزا صاحب تھے جو نہایت متقی، پرہیزگار اور تشریح تھے۔ وہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور انہیں آپ سے بڑی محبت تھی وہ اکثر شریکوہ شریف آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت میں عرضیہ بھی لکھتے رہے کاروباری معاملات میں ایک آدمی کے ذمہ انکی بہت سی رقم نکلتی تھی اور وہ ادا کرنے سے گریزاں تھا۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح معاملہ درست ہو جائے لیکن وہ نصیبوں جلا کسی بہانے بھی ادائیگی کی طرف مائل نہ ہوا۔

قدرت کی نیزنگیاں ملاحظہ ہوں کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعض ذرائع سے جان لیا کہ فلاں شخص میرا پیسہ کی رقم دبا ہے بٹھا ہے اور دینے کا نام نہیں لیتا۔ ایک دن صوفی ابراہیم صاحب قصوری شریکوہ شریف آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہ دوران گفتگو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی صاحب سے فرمایا ”کہ رقم دینے والے سے کہہ دینا کہ رقم ادا کر دے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔“

صوفی صاحب جب قصور واپس آئے اور میر طیب صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہے تو میر صاحب بڑے پریشان ہوئے اور صوفی صاحب سے عرض کی۔ صوفی صاحب! حضرت صاحب قبلہؒ نے جو فرمایا ہے وہ آپ مذکورہ آدمی کو نہ کہیں۔ ورنہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ ”اچھا نہیں ہوگا“ اس آدمی نے اگر روپیہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو اس کا کچھ نہیں ہے گا اور اسے بہت نقصان ہوگا۔ آپ کا کہا ضرور ہو کر ہے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کو نقصان پہنچے“

سبحان اللہ۔ مولا کریم کے نیک بندوں کی طینت کیسی پاک ہوتی ہے اور انکی نیت کیسی نیک اور صاف کہ انکی وجہ سے کسی بتی نوع انسان کو کوئی آزار نہ پہنچے۔ آج کیا زمانہ آگیا ہے کہ بھائی، بھائی کے درپے آزار ہے۔ ایک دوسرے کا حتی غصب کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتی۔ ظلم سرعام ظلم کرنے میں ذرہ بھر کراحت محسوس نہیں کرتا پھر ان لوگوں کے عقیدے دیکھئے میر صاحب نے کہا ”حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کہا پھر پکیر ہے۔ اگر اس نے رقم نہ دی تو وہ نقصان اٹھائے گا بہتر یہی ہے کہ یہ بات اس تک نہ پہنچے شاید وہ اس زباں سے بچ جائے۔“ میر صاحب کے کہنے پر صوفی صاحب نے اس آدمی تک وہ پیغام نہ پہنچایا لیکن نیر نکل چکا تھا۔ اس نے رقم کی ادائیگی کر بھی دی تاہم لقبول میر طیب صاحب اس کا ”ککھ“ نہ رہا۔ سچ ہے۔

ع۔ تھاکے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
 قصو میں ایک دفعہ بڑی ”اد“ لگی اور موسم ایسا خشک رہا کہ ایک تہ
 تک بارش نہ ہوئی۔ اس خشک سالی سے عوام بڑے پریشان تھے۔ انہی دنوں

لہ : خشک سالی، امساکِ باراں۔ پنجابی زبان کا لفظ ہے



حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ جو اکثر قصور جا یا کرتے تھے بھی وہاں تشریف لے گئے
 آپ قصور پہنچتے ہی سیدھے عید گاہ چلے گئے وہاں ایک دن کا درخت تھا۔
 آپ اسکی چھاؤں تلے بیٹھ گئے اور ایک آدمی بھیجا کہ صوفی ابراہیم صاحب کج بلا لائے
 صوفی صاحب آئے اور آپکے پاس بیٹھ گئے۔ ٹھوڑے سے وقفہ کے بعد صوفی صاحب
 نے کہا۔ ”خشکالی سے لوگ تنگ آ گئے ہیں کل یہاں عید گاہ میں اہالیان شہر نے
 نماز استسقا پڑھی ہے۔“ یہ سن کر آپ خاموش رہے لیکن آپ کا چہرہ کچھ متغیر ہو گیا
 آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور وہی نالہ جو کہ اس وقت خشکالی کی وجہ سے بالکل خشک
 تھا سے گزر کر عبدالمالک صاحب کے مزار پر تشریف لے گئے آپ ابھی اس طرف
 جا ہی ہے تھے کہ بادل اٹھے اور بوند باندی شروع ہو گئی۔ جب آپ عبدالمالک صاحب کے
 مزار سے واپس پھرے تو اتنی بارش ہو چکی تھی کہ وہی نالہ کناروں تک بھر کر بہ رہا تھا
 آپ پل پیہ سے ہو کر گزرے۔

ایسے ہی ایک دفعہ گرمیوں کے موسم میں آپ شہر قنبر شریف بعد نماز مغرب مسجد
 کی چھت پر وظائف میں مشغول تھے اور سخت گرمی تھی۔ آپ نے نظریں اٹھا کر آسمان
 کی طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا ”اللہ جی! بڑی گرمی لے“ بس پھر کیا تھا ٹھوڑی دیر
 کے بعد ہی ہلکی بارش ہونے لگی بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بارش شہر قنبر شریف کے ارد گرد
 ہی ہوئی ہے۔ ایسے ہی واقعات کئی دفعہ دیکھنے میں آئے سبحان اللہ!

اس مرد حق پرست کے مندرجہ بالا واقعات کیسی صحیح تصویر ہیں شہرہ آفاق
 حدیث قدسی لائینال عبدی۔ یتقرب الی بنو اہل الجاؤ کیسی عکاسی کرتے
 ہیں عارفِ رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی

گفتہ او گفتہ اللہ بود
 گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود



اکھی (احسان - نگرانی)

شرق پو شریف کی خواجہ برادری میں ایک نوجوان غلام موسیٰ تھا۔ اسکی عمر کا زیادہ حصہ انجن ڈرا بیوری کے سلسلہ میں اپنے ضلع سے باہر ہی گزرا ہے جیسا کہ کہتے ہیں جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ اس پر بھی وہی بھوت سوار تھا۔ اس کی طبیعت پینے پلانے اور عیاشی کی طرف سذت سے مائل تھی۔ قحبہ خانے میں بھی اس کا آنا جانا تھا۔ معلوم نہیں لوگوں کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ انجن پر ڈیوٹی کے وقت بھی اس کی ایک جیب میں بوتل اور دوسری میں گلاس ہوتا تھا۔ دورانِ ملازمت ضلع ہزارہ میں بھی اس نے خاصہ وقت گزارا ہے۔

ایک دفعہ غلام موسیٰ جب ہاں سے اپنے قصبہ شرق پور شریف میں آیا۔ تو حضرت صاحبِ بلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بلا کر خاصی سرزنش کی اور سمجھا یا کہ ان بُری باتوں سے باز آجائے اس نے آپ کے سامنے توبہ کی کہ آئندہ ایسے کاموں سے پرہیز کرے گا واپس ڈیوٹی پر جاتے ہوئے جب وہ لاہور پہنچا تو اسکی شیطانی قوتیں پھر عود کر آئیں اور شام ہونے کے بعد وہ ایک طوائف کے گھر کی طرف چل نکلا جب وہ بیٹھیاں چڑھنے لگا تو اس نے دیکھا کہ زینے کے اختتام پر دروازہ میں سرکار شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہیں۔ آپ کو یہاں دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور واپس چلا آیا۔ وہ دل میں بڑا حیران تھا کہ آپ یہاں کیسے اور کون سے آگئے۔ کچھ دیر بعد اس نے خیال کیا کہ اب تو آپ چلے گئے ہوں گے۔ پھر چلنا چاہیے۔ چنانچہ دوبارہ جب وہ پھر وہاں آیا تو آپ زینے کے اوپر اسی طرح کھڑے نظر آئے وہ پھر واپس لوٹ آیا۔ رات کے بارہ بجنے کے بعد اس نے سوچا۔ ”اب آدھی رات گزرنے کو ہے اب تو آپ یقیناً واپس لوٹ گئے ہوں گے۔“ یہ سوچ کر سہ بارہ پھر وہ آیا اور

یہ دیکھ کر کہ آپ وہیں کھڑے ہیں بہت شرمندہ ہوا اور واپس لوٹ آیا۔

ایک دو ماہ کے بعد جب وہ پھر شرفِ تپو شریف آیا اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنے مسکرا کر فرمایا۔ ”بھئی! ہر وقت لکھی بڑی مشکل ہے توبہ کرنی ہے تو سچے دل سے کرو۔“ ہر وقت پرہ کیے دیا جاوے گا۔ کہتے ہیں اس دن سے ہی خواجہ غلام موسیٰ کی زندگی میں تغیر آگیا۔

ایفائے عہد

ملک حافظ غلام حسین شرف تپو شریف کے سربراہ اور وہ روسا میں سے تھے اور مسجد میان صاحب سے انکا گھر ملحقہ ہونے کی رعایت سے مسجد کے ہمسایہ بھی تھے آنکومیا چنوں میں من ملی تھی۔ وہاں وہ اکثر جا کر رہا کرتے تھے۔ انہوں نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں متعدد بار عرض کیا کہ آپ ایک دفعہ میا چنوں ان کے ہاں ضرور تشریف لے جائیں۔ آپ ہر بار فرماتے کہ ”اچھا! کبھی چلیں گے“ ایک دفعہ انہوں نے بڑے پُر زور الفاظ میں کہا کہ آپ ضرور چلیں۔ وہاں فلاں بزرگ کا مزار بھی ہے وہاں سے بھی ہو آئیے گا۔ انکی خاطر سے ہی سہی۔“ آپ نے فرمایا اچھا۔ عنقریب ہی چلیں گے۔ چنانچہ وہ ایک دفعہ گھوڑیاں وغیرہ لے کر بھی آپ کے انتظام میں سٹیشن پر آئے لیکن ہر بار تا کام لوٹے۔ اب کے ملک صاحب شرف تپو شریف آئے تو انہوں نے آپ سے بہت شکوہ کیا کہ بڑا انتظار کیا ہے لیکن آپ نے ہمیں محروم ہی رکھا۔“ آپ نے فرمایا ”اچھا بھئی اب انشاء اللہ کسی دن ضرور آؤں گا۔“

چنانچہ ملک صاحب جب واپس میاں چنوں اپنی زمین پر پہنچے تو انہوں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ”کوئی کہہ رہا ہے حضرت صاحب قبلہ شرف تپو شریف سے ان کے ہاں آرہے ہیں۔ وہ ایک بیل گاڑی اور گھوڑیاں لے کر بہت سے



آدمیوں کے ساتھ اسٹیشن پر پہنچے۔ گاڑی آئی اور آپ گاڑی سے اترے۔ وہ آپ کو گھوڑی پہ بٹھا کر اپنے ہاں لے آئے۔ آپ کے لیے خورد و نوش کا انتظام کیا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد آپ نے فرمایا۔ ”وہ مزار کہاں ہے جو کہ تم بتاتے تھے وہاں چلیں۔“ چنانچہ سب لوگوں کے ہمراہ آپ وہاں پہنچے اور مزار پر فاتحہ خوانی کے بعد کچھ دیر تشریف فرما ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا ”کیوں ملک صاحب اب تو میں آپ کی خواہش کے مطابق آ گیا ہوں نا۔ اب تو خوش ہو۔“ اور آپ نے پوچھا۔

”گاڑی کس وقت جاتی ہے۔ اس گاڑی پر دس چلا جاؤں گا،“ چنانچہ انہوں نے گاڑی کا وقت بتا دیا۔ وقت پر سب لوگ آپ کو اسٹیشن تک گاڑی پر سوار کرنے کے ساتھ آئے گاڑی آئی اور آپ سوار ہو کر واپس چل دیے۔ اتنا دیکھا تھا کہ ملک صاحب کی آنکھ کھل گئی اور صبح ہونے پر بہت سے آدمیوں نے ملک صاحب کے رات کے واقعات بیان کیے جیسے کہ ملک صاحب نے رات کو خواب میں دیکھے تھے کوئی آدمی کہتا تھا کہ مجھ سے آپ نے یہ بات کی اور کوئی کہتا تھا کہ یہ بات کی۔ ہر ایک کی بات ملک صاحب کے خواب سے ملتی تھی۔

کچھ دنوں بعد ملک صاحب رقبہ شریف آئے اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ ”اب تو راضی ہونا۔ میں نے تو آپ کے کہنے کے مطابق اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے، والد صاحب قبلہ پر ایک رات نیند کا غلبہ ہوا کہ وہ نماز تہجد کے لیے بر وقت نہ اٹھ سکے۔ انہیں ایسا معلوم ہوا کہ کوئی آدمی انہیں جگا رہا ہے۔ وہ جاگے لیکن پھر چار پائی پر لیٹ گئے اور سو گئے۔ دوبارہ پھر کسی نے جگا دیا۔ وہ پھر جاگے لیکن اس دن نیند کا عجبوت ایسا سوار تھا کہ باوجود اس بات کے اٹھانے والے نے اچھی طرح جھجھکا بھی لیکن وہ پھر دراز ہو کر سو گئے۔ تیسری بار پھر جگانے والا

آگیا۔ اب انہوں نے والد صاحب کو گردن سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اور فرمایا۔
 ”اب بھی جاگو گے یا پھر سو رہو گے۔“ والد صاحب نے آنکھیں کھولیں تو وہ
 حضرت صاحب قبلہ تھے۔ وہ گہرا کراٹھے اور کپڑے پہننے لگے۔ پھر دیکھا تو وہاں
 کوئی بھی نہیں تھا۔

والد صاحب قبلہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بیوہ عورت حضرت صاحب قبلہ
 شرفیوی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کے پاس آئی اور عرض کی ”اُس کے خاندان نے
 اپنے پیچھے کافی جائیداد چھوڑی ہے اس کے عزیز رشتہ دار زمین ہتھیانے کے
 لیے اسے بہت تنگ کرتے ہیں بلکہ جیلے بہانوں سے زمین اس کے نام منتقل نہیں
 ہونے دیتے۔“ وہ کہنے لگی ”ایک بیوہ عورت ہوں۔ رشتہ دار میری پیش نہیں جانے
 دیتے۔ آپ حضرت صاحب قبلہ سے عرض کریں کہ وہ میرے لیے دُعا فرماویں۔“
 والدہ صاحبہ نے سرکارِ میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دُعا کے لیے کہا۔ آپ نے
 فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے۔ حق حقدار کو ملے گا۔ اس بیوہ کو کہیں عدالت
 میں دعویٰ دائر کر دے۔“ مذکورہ عورت کہنے لگی حضور! دعویٰ دائر کیا تھا لیکن
 ان لوگوں نے مل ملا کر دعویٰ خارج کر دیا ہے۔“ آپ نے فرمایا۔ اعلیٰ عدالت
 میں اپیل کر دو۔ چنانچہ اس عورت نے عدالت میں اپیل کر دی۔

کچھ عرصہ بعد وہ عورت پھر شرفیوی شریف آپ کے گھر آئی اور ماں جی سے عرض کی
 ”فلاں تاریخ میرے کیس کے فیصلہ کی تاریخ ہے۔ حضرت میاں صاحب قبلہ سے فرماویں
 میرے لیے دُعا کریں اور مجھے تعویز لکھ کر دیں۔“ ماں جی نے حضرت صاحب قبلہ سے
 دعا اور تعویز کے لیے کہا۔ ”آپ نے فرمایا ”اماں جی! دعا کریں گے اللہ کریم مہربانی
 فرمادیں گے اور رہی تعویز کی بات تو میں نے کبھی پہلے تعویز لکھے ہیں جو اب اسے
 لکھ دوں۔“ آپ کی والدہ صاحبہ جو اس بیوہ کی داستانِ غم سن کر بڑی متاثر ہوئی

تھیں نے زور دے کر کہا۔ ”بیٹا! تعویذ دینے سے اگر اس کی تسلی ہو جائے تو کیا ہرج ہے اور پھر میں جو تمہیں کہہ رہی ہوں۔“ آپ والدہ صاحبہ کا حکم ٹال نہ سکے اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر لپیٹ دیا اور فرمایا۔ ”اس عورت سے کہیں۔ فیصلہ کے دن جو آدمی اس کے ہمراہ عدالت میں جائے وہ اپنی چادر کے پلوں میں باندھ لے لیکن اسے دیکھنا نہیں۔“

مقررہ تاریخ پر وہ عورت اپنے بھائی کے ہمراہ عدالت میں پہنچی تو جج نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا ”دیکھ عورت! ہم نے زمین تمہارے نام منتقل کر دی۔“ فیصلہ سن کر وہ خوشی خوشی واپس لوٹے تو راستہ میں اس کے بھائی نے کہا ”کام تو ہمارا ہماری خواہش کے مطابق ہو گیا ہے۔ اب میاں صاحب نے جو تعویذ لکھا ہے وہ دیکھنا چاہیے۔“ میاں صاحب نے تعویذ دیکھنے سے خاص طور پر منع کیا تھا اس لیے اسے مت دیکھو“ عورت فوراً بول اٹھی۔ لیکن اس کا بھائی تعویذ کھول کر دیکھنے پر بضد تھا اس نے کہا ”فیصلہ تو ہو ہی چکا ہے میں ضرور دیکھوں گا۔“ چنانچہ اپنی بہن کے بار بار منع کرنے کے باوجود اس نے مذکورہ تعویذ کھول کر پڑھا تو اس کاغذ پر لکھا تھا۔ ”دیکھ عورت! ہم نے زمین تمہارے نام منتقل کر دی۔“ سبحان اللہ! تعویذ کیا تھا آپ نے تو فیصلہ ہی تحریر فرما دیا تھا اور وہی الفاظ جج نے فیصلہ کے وقت دہرائے۔ دیکھ عورت! ہم نے زمین تمہارے نام منتقل کر دی۔



آئینِ جواں مرداں، حق گوئی و بیباکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں سو باہی

(اقبالؔ)

۱: حضرت مولانا محمد بخش مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق یہ شعر
حضرت علامہ اقبالؔ نے حضرت مہیا صاحبہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہے کہا تھا۔



تبلیغِ مسک

اولیائے کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین دُنیا میں چشمہ ہدایت بن کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سندرُشد و ہدایت پر سرفراز فرماتا ہے۔ پیڑھے دلوں کی اصلاح کے لیے مولا کریم انہیں روحانی قوتیں عطا فرماتے ہیں تو بعض حضرات باطنی طاقت سے بعض پند و نصائح اور تلقین و ارشاد سے اور بعض فعل و عمل سے دین حق کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ اولیائے کابلیں کی اس پاکیزہ و نورانی جماعت کا مقصد حیاتِ اصل میں صرف اور صرف یہی ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے گمراہ لوگ سیدھے راستے پر آجائیں اور ان کے دل جانبِ الی اللہ متوجہ ہوں۔ ان کا مرنا۔ ان کا جنبا ^{بصننا} خا ^{لوجہ اللہ} ہونا۔ سبکی انکی سرشت ہو اور ایمان ان کے مکمل۔ پراگندہ خیالی، وساوس اور شہوات سے پاک ہو کر ایمان و ایقان کی دولت بے بہا کا حصول انہیں حضرات کے ذریعے سے ہے۔ غرضیکہ ہی نفوسِ قدسیہ کی پاک جماعت نیکی کی طرف بلانے والی اور برائیوں سے روکنے والی ہے اور یہی پاک باطن اولیائے کرام کا گروہ ہی ہے جو اپنے قول و فعل سے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے پیغامِ حیاتِ آفریں کی تبلیغ کر کے گنہگارِ ان اُمّت کے لیے رحمت کا سبب بنتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت سرکارِ میانصاحب شرفِ قورسی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ والا صفات کی تمام تر زندگی اصلاحِ احوال و تبلیغِ دین اور اجبائے سنت کے مشن کو پورا کرتے

میں ہی گزری اور ایک زمانہ جانتا ہے کہ آپ کو مالکِ ذوالجلال نے جس مسندِ رشو
ہدایت پر متمکن فرمایا تھا آپ نے کس طرح کماحقہ، اسے سرانجام دیا۔ آپ نے نہ صرف
ظاہری اخلاق اور بطنی قوتِ روحانیہ سے لوگوں کے دل مسخر کیے بلکہ اپنی گفتار
اور مواظبتِ حسنہ سے بھی دینِ متین اور اپنے مسلک کی تبلیغ کی۔

حضرت صاحبِ بلہ رحمۃ اللہ علیہ کو آجکل کے بعض مولویوں اور واعظوں کی
طرح جزوی مسائل پر جھگڑا اور تلعبین و تکفیر نہیں کرتے تھے لیکن اپنے مسلک، عقیدہ
اور حق و صلقت پر بطنی بات بیان کرنے میں کبھی بھی تکلیف نہیں برتا کرتے تھے۔ ادھر
آپ اصلاحِ احوال اور اصلاحِ عقائد کے متعلق زبان سے ارشاد فرماتے تھے۔
تو ادھر اپنی بطنی طاقت سے بھی خیالات میں تغیر پیدا کر دیتے تھے۔

آپ پکے حنفی المذہب تھے اور امام ابوحنیفہ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متقلد تھے
آپ اپنے سب دوستوں اور ملنے والوں کو حنفی مذہب کی تلقین کرتے تھے
جس کا مذہب (مسک) آئمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے باہر ہوتا اسے لاءِ
حق پر خیال نہ کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم چار اعظموں کے درمیان ہیں
ہمارے رسول۔ رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہمارے فاروق، فاروقِ اعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ، ہمارے امام، امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ہمارے غوث، غوثِ اعظم
رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپ احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کے لیے ہر ایک ملنے والے پر زور دیتے اور
نماز و روزہ کی تلقین فرماتے۔ اچیلے سنت آپ کا سب سے بڑا مشن تھا۔ سنت
کی تھوڑی سی خلاف ورزی بھی آپ کی طبیعت پر گراں گزرتی۔ اگر کوئی ایسا
آدمی آپ کے پاس آتا جس کا کوئی فعل بھی شرعِ محمدی کے خلاف ہوتا تو آپ
اسے سرزنش فرماتے۔



آپ فرمایا کرتے تھے کہ انسان اپنے گمراہ شریعت کی بارگاہ لے اور ہمیں درود پاک اور اسم ذات لے کر بیٹھ جائے تو ان سے بڑھ کر اور کون سے وظائف ہو سکتے ہیں۔ آپ انگریزی وضع قطع اور یورپین فیشن کے بڑے مخالف تھے اور انگریزی بود و باش اور طور طریقوں کو بہت بڑا سمجھتے۔ جس کسی کو بھی ایسی صورت میں دیکھتے بہت ناراض ہوتے

جرطوال صاحبزادے

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف کے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا۔ ”چلو ذرا جرطوال صاحبزادگان سے ملاقات کر آئیں۔“ جوڑے صاحبزادے خواجہ امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ وہ لٹری میں بعض اچھے عہدوں پر فائز تھے۔ مزار خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ذرا پرے عیدگاہ کے نزدیک ہی کچی حویلیاں تھیں ان میں رہائش رکھتے تھے۔ آپ جب ہاں پہنچے تو وہ دونوں جرطوال بھائی اپنی انگریزی وضع قطع اور لباس میں، حقہ سامنے رکھے صوفوں پر براجمان تھے حضرت صاحب قبلہ ان کے قدموں میں ہی نیچے زمین پر بیٹھ گئے۔ آپ کی یوں اچانک آمد اور زمین پر آٹھنے سے وہ بڑے گھبرائے۔ انکو سوجھ بوجھ ہی نہ رہی کہ کیا کرنا ہے یا کیا کہنا ہے۔ انہوں نے جلدی سے حقہ اٹھوا کر وہاں سے دوڑھٹوایا اور نوکروں کو چائے لانے کا اشارہ کیا۔

میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب کچھ دیکھا اور جوش سے فرمایا۔ ”میں یہ ہونٹ جلاتے والی چائے پینے نہیں آیا۔ مجھے تو وہ چائے چاہیے جو دل جلا کر رکھ دے۔“ ان پر رقت طاری ہو گئی۔ اور آپ اٹھ کر وہاں سے چلے آئے۔ گذشتہ صفحات میں بھی کئی ایک ایسے واقعات قارئین کی نظروں سے گزر چکے ہیں۔ جن سے یہ بات ظاہر ہے کہ لوگوں کے انگریزی طرز لباس اور سنت

کے ترک پر نہ صرف آپ ناخوش ہوتے بلکہ آپ نے کئی ایک کو تھپڑ رسید کیے۔ یہ
 اُمور حضرت صاحب قبلہ کے اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کا ثبوت ہیں۔

حق گوئی

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بازار میں سے گزر رہے تھے اور ایک
 دکاندار ترازو ہاتھ میں لیے سودا تول رہا تھا آپ نے دیکھا کہ وہ کم تول رہا ہے آپ نے مسکرا
 کر پنجابی زبان میں فرمایا ” جیوندیاں داہر کوئی ہندالے موئے دا کوئی نہیں ہندا“
 رتولتے وقت اگر ترازو کا ایک طرف پلڑا زیادہ جھکا کر تولیں یعنی ذرہ زیادہ تولیں تو اسے
 پنجابی زبان میں جیوندیاں تولنا کہتے ہیں اور کم تولیں تو مویا ہوا یعنی مرا ہوا تولنا کہتے ہیں (آپ نے
 ایک ہی فقرے میں سب کچھ سمجھا دیا۔ ایک تو یہ کہ وزن اچھی طرح کرنے سے گاہک زیادہ
 آتے ہیں دوسرے یہ کہ جن کے لیے کم تول تول کر دولت اکٹھی کی جا رہی ہے وہ زندگی میں
 ہی بھانتے ہیں بعد از مرگ کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے تول میں سودا صحیح دینا
 چاہیئے۔ دکاندار کے دل پر یہ بات اثر کر گئی اور اس نے آئندہ تول میں کسی کو نسیبیت
 کا موقع نہ دیا۔

ایک شخص کا مقدمہ کسی عدالت میں پیش تھا۔ اُن دنوں بیان ہونے سے
 پیشتر عدالت مدعی اور مدعا علیہ سے پوچھتی تھی کہ وہ شریعت کو مانتا ہے یا رواج
 کو۔ مذکورہ شخص سے بھی پوچھا گیا تو اس نے کہا میں رواج کو مانتا ہوں۔
 حضرت میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فیصلہ سن کر بڑا رنج ہوا۔ جب وہ آدمی
 آپ کو ملنے شرفیو شریف آیا تو آپ نے فرمایا۔
 ”بے ایمان تو تم اسی وقت ہو گئے تھے جب تم نے شریعت کی بجائے رواج
 کو ماننے کا اقرار کیا تھا۔ اب تم مسلمان نہیں رہے۔“



وہ آدمی بڑا پشیمان ہوا اور توبہ کر کے مسلمان ہوا۔ نیز اس نے عدالت میں جا کر دوبارہ بیان دیا کہ وہ اپنا فیصلہ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق کروانا چاہتا ہے رواجِ زمانہ کے مطابق نہیں۔ اس کی پشیمانی اور توبہ استغفار سے اللہ تعالیٰ نے اس پر فضل کیا اور مقدمے کا فیصلہ اس کے حق میں ہو گیا۔

حضرت صاحبِ بلہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے آج تک یہی ہونا چلا آرہا ہے کہ بڑی مسجد حضرت میا نصاحبؒ والی میں نمازِ باجماعت کے وقت مسنون طریقہ پر رکھی ہوئی داڑھی والے حضرات پیشِ امام کے پیچھے داہنے ہاتھ اور داڑھی صاف کیے ہوئے یا داڑھی کترانے والے بائیں ہاتھ کھڑے ہوتے ہیں اس کے خلاف جو بھی عمل کرتا ہے اس کو روک دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک ذیلدار صاحب گلے میں سپرل ڈالے ہوئے حضرت صاحبِ بلہ کو ملنے آئے۔ جب وہ مذکورہ مسجد میں نمازِ باجماعت کے وقت داہنے ہاتھ کھڑے ہونے لگے تو انہیں روک دیا گیا اور بائیں طرف کھڑا ہونے کو کہا گیا۔ ذیلدار صاحب کھڑے تو بائیں طرف ہو گئے۔ لیکن انہوں نے اس بات پر بہت بُرا منایا اور کہنے والے کو سخت سُست کہا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضور میا نصاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے پاس آئے اور مٹھی اور کمر بٹنے نا صحانہ اور ٹیٹھے انداز میں فرمایا ”کیوں صاحب! آپ بتا سکتے ہیں کہ داڑھی کیوں منڈوائی جاتی ہے۔“ پھر خود ہی جواب دیا۔ ”اسی لیے تاکہ آدمی کم عمر اور چھوٹا نظر آئے۔ میرے بھائی! چھوٹا بننے کا ارمان ہو تو پھر کھڑا بھی چھوٹوں میں ہونا چاہیے اور چھوٹوں کا مقام بائیں طرف ہے یا پیچھے۔ یہاں تو شریعتِ مطہرہ اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے والے ہی کو بڑا مقام حاصل ہے آپ کو رنج نہیں کرنا چاہیے۔“

إِنْ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ



اصلاح عفتِ شانہ

ایک دفعہ میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ چند آدمی جو کہ غالباً پٹھان تھے آئے۔ اور آپ سے ہی پوچھنے لگے کہ ہم نے میاں صاحب سے ملنا ہے۔ حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا۔ "اسے مل کے کیا کہتا ہے"۔ انہوں نے کہا "کہ ان سے چند ایک مسئلے پوچھنا ہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "وہ کوئی مولوی تو نہیں ہے مسئلے تو مولویوں سے پوچھے جاتے ہیں۔ ویسے وہ مسئلے کیا ہیں؟" پٹھان کہنے لگے۔

"ان سے پوچھنا ہے کیا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حاضر مناظر ہیں؟"

آپ فرمانے لگے "دیکھو! میں جس طرح اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں اس سے کہیں بہتر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں دیکھ رہے ہیں" اور دوسری کون سی بات ہے انہوں نے کہا "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟" آپ نے جوش سے فرمایا۔ "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ"۔ تو میں خود پڑھا کرتا ہوں"۔ یہ سنا تھا کہ وہ پٹھان سب کے سب اونچی آواز میں پڑھنے لگے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ! الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ! یہ پڑھتے پڑھتے ہی وہ بیہوش ہو گئے۔ لوگ جب انہیں ہوش میں لانے لگے تو اپنے منع فرماتے ہوئے کہا۔ "یہ خود بخود ہی ہوش میں آجائیں گے۔ انہیں ایسے ہی رہنے دو۔" تھوڑی دیر کے بعد وہ ہوش میں آگئے اور ان کے قلوب شہادت اور شکوک کے غبار سے صاف ہو چکے تھے۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک دن ایک ہائی آیا اور اس نے عرض کی "میں نے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔" آپ نے اسے بھی یہی فرمایا۔ "مسئلے تو



کسی مولوی سے پوچھے جاتے ہیں۔ خیر تباد وہ مسئلہ کیا ہے۔ اُس نے کہا ”یا شیخ
 سید عبدقتاد جیلانی شیباءِ اللہ پڑھنا جائز ہے یا ناجائز۔“ آپ نے ارشاد فرمایا۔
 یا شیخ عبدقتاد درتو میں خود پڑھا کرتا ہوں۔“

آپ کا اتنا فرمانا تھا کہ اس وہابی کو وجد ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ قریباً دو گھنٹے
 بعد جب اسے ہوش آیا تو وہ روتا تھا اور بے اختیار یا شیخ سید عبدقتاد جیلانی شیباءِ اللہ پڑھتا
 تھا جب لوگوں نے اس سے پوچھا تو وہ کہتے لگا۔ ”جب میان صاحب قبلہ نے یا شیخ سید
 عبدقتاد جیلانی شیباءِ اللہ کہا تو مجھے وجد ہوا اور بے ہوشی طاری ہو گئی تو سرکارِ غوث
 پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے اور میں نے عرض کی ”سرکار! آپ کو یاد کیا
 جاوے تو آپ تشریف لاتے ہیں؟ تو حضور نے فرمایا ”کیوں نہیں! جو مجھے خلوص
 محبت سے پُکارے تو میں آجاتا ہوں۔“ اس واقعہ کے بعد اس وہابی نے وہابیت سے
 توبہ کر لی۔

ایک شخص عبد الرحیم نامی فرقہ، بلکہ سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے عقائد دست نہیں تھے
 وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ”میں نے دانت میں درد ہے۔ ڈاکٹر
 محمد یوسف آپ کے عقیدہ مندوں میں سے ہے۔ اس کے نام رقعہ لکھ دیجئے۔“ آپ نے
 فرمایا۔ ”میرے پیچھے سے ہو کر سامنے آؤ۔“ وہ جب پیچھے سے ہو کر سامنے آیا تو آپ نے
 پوچھا ”کہاں ہے درد؟“ اس نے کہا اس دانت میں۔ آپ نے کہا اس دانت پر
 انگلی رکھو۔“ اس نے دانت پر انگلی رکھی تو آپ نے یا شیخ سید عبدقتاد جیلانی پڑھ
 کر پھونک ماری تو درد جاتا رہا۔ اس دن کے بعد سے اس نے عقائدِ فاسد سے توبہ کر لی۔

۱۰ : میان صاحب فرمایا کرتے تھے کہ گیارہویں شریف کا دن خالی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اگر آدمی بہت غریب
 ہو اور اس کے دن تنگی سے گزرتے ہوں تو وہ ایسا کرے کہ دسویں کے دن جبات گیارہویں ہو
 نام کو اپنے کھانے کے دو حصے کر دیا کرے ایک حصہ پر غوث پاک کو ایصال کرنے کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھے اور
 پھر اپنا حصہ اور ایصالِ ثواب والا حصہ ملا کر بے شک خود ہی کھالے۔

پچھلے صفحات پر متعدد بار لکھا جا چکا ہے کہ سرکار شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ اکثر مکان شریف جایا کرتے تھے۔ راستہ میں امرتسر شہر آتا تھا۔ وہاں ایک ضعیفہ رہا کرتی تھی جو کہ قطب الاقطاب خواجه امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھی آپ کبھی کبھی اسے ملنے جایا کرتے تھے۔ اس کا ایک لڑکا تھا (جلال دین) مانی نے اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی ”سرکار! میرا یہ خوبصورت بچہ رنگساز ہے مگر اس کا کردار اچھا نہیں ہے نافرمان ہے سو عافریائے اللہ تعالیٰ اسے نیک ہدایت دے اور سیدھے راستہ پر چلائے۔“

بزرگوں کی توجہات کا حصول اللہ کریم کے فضل اور مہربانی سے ہی ہوا کرتا ہے مولائے عزوجل نے کریم کیا۔ حضرت صاحب کی نظر نے اس کی طبیعت بدل دی اور اس کی اصلاح ہو گئی وہ نہایت نیک اور پارسا ہو گیا۔ اس ضعیفہ کے انتقال کے بعد حضرت شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی بھی امرتسر جاتے جلال دین کے ہاں قیام فرماتے تھے۔

ایک دفعہ آپ مکان شریف جاتے ہوئے امرتسر آتے اور جلال دین کے ہاں تشریف لے گئے۔ جب آپ اس کے مکان پر پہنچے اور کمرہ میں داخل ہونے لگے تو آپ نے دیکھا کہ ایک ہٹکاٹا موٹا سا پہلوان دروازے پر ہاتھ رکھے کھڑا ہے۔ آپ نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ ”واوا بی بنیں واوا بی“ (یعنی اچھا بیچ بننا) آپ کا فریاد تھا کہ وہ دھڑام سے کمرہ کے اندر آ پڑا اور اسے دھج ہو گیا۔ راقم الحروف کے والد صاحب اور مستری کرم دین مرحوم جو کہ آپ کے ہمراہ تھے نے جلال دین سے پوچھا۔ ”یہ پہلوان کون ہے۔“ جلال دین نے کہا۔ ”یہ نوجوان وہابی ہے اور وہ بھی کٹر اور پکا۔“ جب پہلوان صاحب کو ہوش آیا تو دل ہر قسم کی آلائش سے پاک ہو چکا تھا۔ اس کے غیر عقیدے صحیح عقیدوں میں بدل چکے تھے۔ وہ حضرت صاحب قبلہ سے بیعت ہو گیا اور راجد

میں بہتر عہد ہو جانے کے بعد اس نے اپنی زندگی صوم و صلوات کی پابندی میں گزاری۔

علم اور عمل

ہمارے ضلع شیخوپورہ میں منٹھی وار برٹن کے متصل ایک چھوٹی سی سٹی ہے جسے علی پور "یا" میاں غلام علی کا کھوہ" کہتے ہیں۔ وہاں حضرت صاحب قبلہ کے ایک عقیدتمند حافظ امیر علی حرم رہتے تھے ان کا ایک بھائی دیوبند میں زیر تعلیم تھا۔ حافظ صاحب اکثر آپ کے دیوبند کے مدرسہ کی تعریف کیا کرتے۔ بار بار باتیں سننے سے آپ نے چند ایک عقیدتمندوں سے کہا "جاؤ تو سہی اور دیکھو تو دیوبند کیسا ہے۔ سو حسب الارشاد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ، سید نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حافظ امیر علی اور حکیم محمد سحاق مزنگوی کی معیت میں دیوبند کے لیے تیار ہوئے آپ نے فرمایا۔ "پہلے سرہند شریف جانا اور حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے استانہ پر حاضری دینا۔ اس کے بعد مبیطا پیراں" جانا۔ وہاں منشی محمد علی صاحب کی قدمبوسی کرنا۔

یقیناً اصحاب حضرت صلح قبلہ کے حکم کے مطابق پہلے سرہند شریف پہنچے اور سرکار مجدد کی حاضری کے بعد ان مذکورہ بزرگوں کے پاس گئے۔ وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں۔ یہ تینوں ان کے مکان پر پہنچے۔ دروازہ کے باہر ایک مست بیٹھا ہوا تھا۔ اندر اطلاع کرنے پر ان بزرگوں نے انہیں اندر بلا لیا اور فرمایا کہ تم شرقیہ شریف سے آئے ہو اور پھر یکے بعد دیگرے سفر کے سارے حالات بیان کر دیے اور فرمانے لگے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ باہر ایک مست بیٹھا ہوا ہے اسکو یہاں بیٹھے ہوئے بارہ برس ہو گئے ہیں یہ مجھے کہتا ہے کہ میں اس کے محکمہ میں چلا جاؤں۔ لیکن بتاؤ! میں سول کا محکمہ چھوڑ کر پولیس کے محکمہ میں کیسے چلا جاؤں؟ ان بزرگوں کی ملاقات کے بعد یہ تینوں دیوبند روانہ ہو گئے۔

یہ سہ رکنی وفد دیوبند پہنچ کر مدرسہ گیا اور مدرسہ کی تمام عمارت کا گھوم پھر کر معائنہ کیا۔ لڑکے پڑھائی میں مشغول تھے۔ وہاں کسی نے ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ گھوم پھر کر یہ تینوں انور شاہ صاحب کے پاس پہنچے۔ وہ اس وقت سبق پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے ان سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟۔ انہوں نے جواب دیا۔

”شرقیہ شریف سے۔“ یہ سن کر انور شاہ صاحب نے کہا: ”ہاں میں نے سنا ہے وہاں ایک بزرگ میاں صاحب ہیں۔“

اس کے بعد نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بمع اپنے دونوں ہمراہیوں کے کوئی قابل ذکر چیز دیکھے بغیر ماسوا درس و تدریس کے غیر مطمئن سے واپس شرقیہ شریف چلے آئے اور تمام حالات حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پیش کر دیے۔

حالات سن کر سرکار میاں صاحب شرقیہ شریفی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔

”انور شاہ صاحب کو تو ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ ان کی پیدائش کشمیر کی ہے جو کہ اہل عرفان بزرگوں کا مرکز ہے۔“

۷: حضرت میاں صاحب شرقیہ شریفی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ بریلی شریف بھی گئے تھے۔

بابا شیخ محمد عاشق مونگمر حوم نہ صرف متقی، پرہیزگار اور نہایت پارسا انسان تھے بلکہ حضرت میاں میسر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو مرشد و خواجہ امیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی بیعت ہونے کے علاوہ وہ صاحب مجاز بھی تھے۔ خواجہ صاحب رکھنے والے شریف والے حضرت صاحب نے انہیں تلقین و ارشاد کی اجازت دی تھی کہ وہ کسی پر اپنے فرمایا۔ ”عاشقا! میں بریلی شریف گیا تھا جب میں وہاں پہنچا تو مولانا احمد رضا خاں صاحب درس دے رہے تھے۔ یار! جب میں نے بیٹھ کر ان کا درس سنا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب جو بھی حدیث شریف بیان کرتے ہیں۔ وہ براہ راست حضور نبی کریم سے پوچھ کر بیان کرتے ہیں۔ جب یہ واقعہ بیان ہوا تھا تو حاجی فضل الہی بھی پائل موجود تھے۔“



اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد انور شاہ صاحب جب لاہور آئے تو شریف پور شریف بھی حاضر ہوئے شاہ صاحب جب حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر پہنچے تو آپ بیٹھک میں تشریف نہ رکھتے تھے۔ شاہ صاحب کو وہاں بٹھا دیا گیا۔ تھوڑے سے لمحوں کے بعد سرکار بھی تشریف لے آئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے دروازہ میں ذہل ہوتے ہی فرمایا ”اغاہ آج تو میرے بھی چند ایک مسائل حل ہو جائیں گے کیوں کہ دیوبند کے بڑے مولوی صاحب جو آگئے ہیں۔“

آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا۔ ”مولانا صاحب! یہ تو فرمائیے کہ حدیث شریف پہلے ہے یا قرآن شریف۔“ لیکن مولوی صاحب خاموش بیٹھے رہے۔ آپ نے دوبارہ پھر ارشاد فرمایا۔ ”مولوی صاحب! آپنا بتائیں گے تو کون بتائے گا۔ بتائیے تاکہ قرآن شریف پہلے ہے یا حدیث شریف پہلے۔“ شاہ صاحب پھر بھی خاموش رہے اور ان پر رقت طاری ہو گئی۔ آپ نے تیسری بار پھر وہی الفاظ دہرائے۔ جب پھر بھی مولوی صاحب خاموش رہے اور انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو آپ نے خود ارشاد فرمایا۔

”ہم تو خدا کو نہیں جانتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لب مبارک ہلے تو پتہ چلا کہ خدا ایک ہے اور یہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ہم تو خدا کی اس عبادت کرتے ہیں کہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے۔“

انور شاہ صاحب جتنا وقت حضرت صاحب کی بیٹھک میں رہے خاموش بیٹھے رہے اور روتے رہے کچھ دیر کے بعد آپ سے رخصت کی اجازت لے کر واپس چلے گئے۔ ان دنوں اہل علم اور اہل نسبت حضرات میں اس بات کی خاصی شہرت ہوئی۔ واپسی پر جب انور شاہ صاحب لاہور پہنچے تو ان کے بعض احباب نے پوچھا کہ شرفیور شریف کیسے گئے تھے؟ تو شاہ صاحب خاموش رہے۔ لیکن دیوبند پہنچنے پر حیدرآباد کے باسیوں نے بھی یہی پوچھا کہ شرفیور شریف گئے تھے وہاں

کیا دیکھا ہے؟“ تو انور شاہ صاحب رو جیے اور کہا ” علم ادھر دیکھا ہے اور اس کا عمل وہاں دیکھا ہے۔“

اشاعت کتب

ہر ایسے کام میں جس سے دینِ حقا کو تقویت پہنچ سکتی تھی آپ نے ہر موقع پر ہر ممکن سعی فرمائی۔ تبلیغ دین میں جو کچھ اشاعت کتب کی ضرورت ہے وہ کسی انسان سے بھی مخفی نہیں چہ جائیکہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی دُور بین نگاہوں سے یہ امر پوشیدہ رہتا۔ آپ نے دینیات اور تصوف کی بعض نادر و نایاب کتابیں اور دیگر کئی ایک مفید کتب کثیر رقم صرف کر کے نہایت اہتمام سے چھپوایں اور اپنے پاس آنے جانے والوں میں مفت تقسیم کیں۔

۱۔ ”مرآة المحققین مع ترجمہ“۔ یہ کتاب قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کی تصنیف کردہ ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں ایک میں حاجی شاہ حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھوسے والی سرکار کے حالاتِ زندگی درج ہیں اور دوسرے میں سلوک و تصوف اور اشغالِ نقشبندیہ کے بارہ میں حضرت خواجہ کے خیالاتِ زریں رقم ہیں۔

۲۔ ”حکایات الصالحین ترجمہ مجلس المحسنین“۔ یہ بھی ایک ضخیم کتاب ہے جسے مولوی غلام رسول صاحب مدرس سے ترجمہ کروا کر آپ نے طبع فرمایا اور تقسیم کیا۔

۳۔ ”ذخیرة الملوک ترجمہ منہاج الملوک“۔ فارسی زبان کی یہ کتاب فتوۃ السائین زبدة العارفین حضرت امیر کبیر علی ہانی قدس سرہ العزیز کی تصنیف ہے آپ نے اس کا بھی اردو زبان میں ترجمہ کروا کر شائع فرمایا۔ مولوی غلام رسول جو اس کتاب کے مترجم ہیں نے اس کے شروع میں دو نظیوں تحریر کی ہیں جن کے ہر شعر کا پہلا حرف

یا جاوے تو سرکارِ شریقی پوری کا نام نامی بنتا ہے آپ چونکہ اپنے نام کی اشاعت پسند نہیں کرتے تھے اس لیے مولانا مذکور نے اپنی شاعرانہ فنکاری سے کام لے کر آپ کا اسم گرامی اشعار کے پردے میں سمو دیا۔

۴: ”چشمہ فیض“ آپ کے پیرو مرشد خواجہ امیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پنجابی زبان میں ایک چھوٹی سی تصنیف ہے۔ اس میں بابا جی نے نہایت سادہ اور عام فہم زبان میں ہدایت و حکمت کے موٹی بھیرے ہیں آپ نے اسے بھی چھپوا کر تقسیم کیا۔ مذکورہ بالا کتب کے علاوہ بہت سی فقہ، حدیث، تفسیر، سیرت اور وظائف و اوراد کی کتابیں بازار سے خرید کر منگلا شیان حق میں وقتاً فوقتاً تقسیم کیں۔

عربی، فارسی اور اردو زبان میں ہزاروں کتب آپ کے کتب خانہ میں موجود تھیں۔ ہندستان بھر میں شاید ہی کوئی ایسی مشہور کتاب تفسیر قرآن اور سیرت پاک کے متعلق اردو زبان میں ہو جو آپ کے کتب خانہ میں موجود نہ ہو۔ آپ کے کتب خانہ میں تصوف و سلوک اور فقہ و مسائل کے متعلق کافی ذخیرہ تھا۔ آپ کو ان کتب سے خاص شغف رہا ہے آپ تعلیم یافتہ احباب کو مطالعہ کے لیے اپنے پاس سے کتابیں بھی دیتے اور روزمرہ کی زندگی میں مطالعہ کی طرف توجہ کی ہدایت فرماتے۔

تعمیر مساجد

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ

اسلام کے سب سے بڑے تبلیغی مراکز مسجدیں ہی تو ہیں کہ جہاں سے اسلام کی نور بھری روشن مشعل سے ہدایت کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر نکلیں اور اطرافِ عالم میں پھیل کر نورِ اسلام سے گھر گھر اُجالا کرتی چلی گئیں۔

مسجد نہ صرف ایک عبادت خانہ ہے بلکہ دینِ مستین کی اصل اور مستقل بنیادیں یہیں اُستوار ہوتی ہیں۔ قوانینِ شرعیہ اور احکامِ ربانی کا اعلان مسجد و منبر سے ہی عموماً

جاری ہوتے تو قرآنی تعلیم اور اسلامی درس و تدریس کا سلسلہ اور مخزنِ اول ہی مسجد ہے
مختصر یہ کہ اسلامی تبلیغی سرگرمیاں مسجدوں کے تعلق کے بغیر نہ صرف نامکمل ہوتی ہیں بلکہ بے
روح اور پھیک کی بھی۔

حضرت میاں صاحب شہر قیومی قدس سرہ العزیز نے اپنی زندگی میں کئی مسجدیں
تعمیر کروائیں۔ شہر قیوم شریف کے محلہ نبی پورہ میں کوئی مسجد نہیں تھی۔ صرف سڑک کے
کنارہ پر ایک پانی مسجد کے کچھ نشانات تھے۔ آپ نے انہی نشانات پر اپنی گورنمنٹ
مسجد تعمیر کی اور اس کے ملحق ہی خادم مسجد کے لیے ایک مکان بنوایا۔

محلہ ڈھڈل پورہ شہر قیوم شریف کے باشندے مسجد نہ ہونے کے سبب
بڑی تکلیف میں تھے وہاں بھی آپ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔

قبرستان ڈوسراں والا جہاں اس وقت حضرت قبلہ کا مدفن پاک مرجعِ خلافت
ہے میں ایک مسجد بنوائی۔ پل نالہ ڈیک کے پاس آپ کا کنواں تھا وہاں ایک مسجد
کی تعمیر کی۔ ملکاتہ دروازہ سے باہر سڑک پر چلے چلیں تو مسجد سائیں شہاب الدین آتی ہے
وہ بھی آپ نے تعمیر کروائی۔ ان کے علاوہ اپنے پیرو مشد بابا امیر الدین صاحب کے
آستانہ پر کوٹلہ شریف میں بھی ایک بہت بڑی مسجد بنوائی۔

اس کی تعمیر کا واقع یوں ہے کہ وہاں کوٹلہ شریف میں نماز کے لیے ایک تھڑا سا بنا ہوا
تھا اور اس کے ساتھ ایک کنواں بھی۔ ایک دفعہ قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ
صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف سے تشریف لائے تو آپ نے اس تھڑے پر نماز
ادا کی۔ حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں پر ہی مذکورہ مسجد بنوائی جو علاقہ
بھریں بڑی مسجد ہے۔

۵۔ زمین اور کنواں نالہ ڈیک میں آجانے کی وجہ سے اس وقت یہ مسجد شہید ہو چکی ہے۔



مسجد میانصاحب کی تعمیر

شرقیہ شریف میں مسجد میانصاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پہلے "توت مالی مسجد" کے نام سے مشہور تھی۔ آپ کے جد امجد بابا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جبکہ وہ یہاں تشریف لائے تھے اسکو تعمیر کیا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ کا جب عروج ہوا تو سرشارانِ پیمانہ وحدت کا اثر دام ہوتا جو کسب فیض کے لیے یہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اس کہا گہمی اور جم غفیر کو دیکھ کر اکثر لوگ آپ کی خدمت میں عرض کرتے کہ مسجد بڑی ہو جانی چاہیے۔ لیکن آپ عموماً خاموش رہتے۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے آپ نے مسجد کے کچھ ملحقہ مکانات خریدنے کا ارادہ فرمایا اور پھر مکانات خرید لیے۔ یہ مکانات خرید چکنے کے بعد کافی عرصہ تک یونہی پڑے رہے۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ جب تک ایک ملحقہ مکان ملکیتی حاجی نور دین ریوڑی جو کہ ان دنوں شاہدہ تحصیل ہیڈ کوارٹر میں عرائض نویس تھے کی کچھ جگہ شامل نہ ہو تو مسجد سیدھی اور تکمیل کو نہیں پہنچتی تھی۔ مستری کرم دین صاحب ددیگر کئی احباب نے انہیں جگہ دینے کے لیے کہا لیکن بات طے نہ ہو سکی اور معاملہ حوں کا ٹول رہا۔

ایک جمعہ کے دن علی الصبح ہی آپ نے مستری کرم دین صاحب سے فرمایا۔ "شاہدہ جاؤ اور حاجی نور دین صاحب سے کہو کہ جتنی جگہ مسجد کے لیے درکار ہے وہیں دے دیں۔" مستری صاحب نے جواباً عرض کی "حضور! کئی بار کوشش کی ہے لیکن بات نہیں بنی۔" آپ نے زور سے فرمایا "تم جاؤ تو سہی۔ کام انشاء اللہ ہو جائے گا۔"

چنانچہ مستری صاحب ان کے پاس گئے اور بات کی۔ تو نہ صرف انہوں نے فوراً ہی بغیر کسی لیت و لعل کے زمین دینے پر آمادگی ظاہر کی بلکہ اپنے لڑکوں کو کہلا

بھیجا کہ جتنی زمین مسجد کے لیے میانصاحب کو درکار ہے فوراً دے دی جائے۔ مستری حسب
یہ فیصلہ کر کے واپس آئے تو جمعہ کی نماز کے بعد ہی پُرانی اور چھوٹی مسجد کو شہید کرنے کا
کام شروع کر دیا گیا۔

نئی مسجد کی تعمیر کا پروگرام مرتب ہونے لگا تو بہت سے نو سا یا اثرا اور بڑے بڑے
آدمیوں نے ایک عالی شان عمارت کے متعلق سامان لوہا، سیمینٹ وغیرہ لانے کا
مشورہ دیا لیکن آپ نے فرمایا ”بھئی! ہم تو سادہ سا کام کریں گے۔ بھٹہ اینٹ لوہے
اور سیمینٹ وغیرہ سے حتی الامکان اجتناب کریں گے۔ کیونکہ جب سے لوہے کی
مشینیں اور چکیاں وغیرہ چلنے لگی ہیں لوگوں کے دل بھی لوہا اور پتھر ہو گئے ہیں۔ کیسی
برکت ہوتی تھی جبکہ عورتیں اور بڑی بوڑھیاں ہاتھ سے چکی پسیا کرتی تھیں۔“

چنانچہ آپ نے موضع مولن وال سے ”ٹوڑا“ کٹھے کروائے اور انہیں وہاں ہی
جلاوایا اور شہر قپور شریف لا کر چکنیوں سے پسوا کر چونا بنوایا۔ پھر آدے والوں سے
پختہ اینٹ کی بات کی اور اس سامان سے نئی مسجد کی بنیادیں بھر کر کام شروع کر دیا گیا
جب بنیادیں بھر کر کچھ اونچی ہو گئیں تو پُرانی مسجد کے کمروں کو تہ خانہ کی شکل دے دی گئی
اور بانی صحن وغیرہ کو بھرتی سے بھرنا کر اونچا کر دیا گیا۔ شہر کے معززین بزرگ، ضعیف
اور نیک آدمی اپنے سروں پر ٹوکری اٹھا کر وہاں بھرتی بھرنے میں بڑی مسرت محسوس
کرتے تھے۔

مسجد کی تعمیر شروع ہو گئی۔ بابا مستری کرم دین مرحوم کو نگران مقرر کر دیا گیا
وہ خوب دلجمعی اور انہماک سے کام میں مشغول ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے
مسجد کی تعمیر کے لیے روپوں کی پیش کش کی لیکن ہر ایک کو آپ نے جواب دیا

اے پُرانی مسجد کا تہ خانہ اب بھی جوں کا توں موجود ہے اور لوگ وہاں عبادت کرتے ہیں



اور کسی ایک سے بھی کوڑی تک نہ لی۔ دو راج سلطان محمد اور اس کا اُستاد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ آپ سے بیعت نھے اور بہت نیک ہونے کے ساتھ اچھے کاریگر بھی تھے۔ آپ راج، مزدوروں کا بڑا خیال رکھتے۔ اجرت کے علاوہ اپنے ہاں ہی سے کھانا، ناشتہ اور دوسری اشیاء مہیا کرتے۔ مزدوروں سے بعض جو کہ آپ سے بیعت تھے۔ مزدوری لینے سے انکار کر دیتے تو آپ مستری کرم دین صاحب کو فرماتے کہ ”انہیں اجرت ضرور دینا بلکہ یہ اپنے ”بیلی“ ہیں اور نہایت خلوص، شوق دیانت اور محنت سے کام کرتے ہیں اور انہیں مزدوری دوسروں سے زیادہ دینا چاہئے۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر سات دن کے بعد مستری صاحب کو رقم دینے کے بعد فرماتے کہ ہفتے بھر کا سب حساب ادا کر دیا جائے۔“ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق مستری صاحب ہفتہ کی اجرت سب کو ادا کر دیتے۔ ایسا ہی تیزا دان لوگوں سے بھی تھا جن سے کہ دوسرا سامان آتا تھا۔ ایک دن رات کے وقت قریباً ۱۲ بجے رکن دین آوے والے نے جہاں سے کہ اینٹیں آتی تھیں مستری صاحب کو کہا کہ ”مجھے ایک ہزار روپیہ اکٹھا پیشگی دیا جائے وہ بھی ابھی۔“

مستری صاحب نے آپ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ جس طرح پیشتر ازیں ادائیگیاں ہو رہی ہیں ویسے ہی ایشاء اللہ اب بھی ہوں گی۔ مستری صاحب نے جو کچھ حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا تھا۔ رکن دین آوے والے کو جا کر کہہ دیا۔ لیکن وہ نہ مانا۔ مستری صاحب نے آپ کی خدمت میں پھر عرض کی۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری بار رکن دین نے ذرا سختی سے کہا کہ اگر اسی وقت ہزار روپیہ نہ دیا گیا تو صبح اینٹیں نہیں آویں گی۔ مستری صاحب بڑے پریشان ہوئے اور آپ کی خدمت میں تمام ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا ”اس وقت تنگ ہی کر لگیا۔“

یہ کہہ کر آپ نے قدمے اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے اندر



کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سو روپیہ کا نوٹ نکالا اور اسی طرح آپ لسم اللہ شریف پڑھتے گئے اور سو سو کے نوٹ نکالتے گئے سختی کہ دس نوٹ یعنی ایک ہزار نکال کر اپنے مستری صاحب کو کہا کہ جاؤ رکن دین کو دے آؤ۔ چنانچہ ہزار روپیہ کی ادائیگی کے بعد اینٹوں کی آمد شروع ہو گئی۔

اکثر رات کے وقت آپ مسجد میں تشریف لا کر عمارت کو ایک نظر دیکھا کرتے تھے اور بیٹھے بیٹھے ہی ہدایات فرمایا کرتے۔ ایک رات آپ نے مستری صاحب کو فرمایا ”سُلطان محمد راج اور اس کے استاد کا حساب بیاک کر کے صُبح انہیں کام سے فارغ کر دیا جائے اور ان کی جگہ نئے مہار لگا دیے جائیں۔ سب حیران تھے کہ الہی کیا ماجرا ہے کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوتی۔ وہ دونوں متشرع اور نیک بھی ہیں۔ سُلطان محمد آپ سے بیعت بھی ہے اور پھر راج اور کاریگروں کی قلت بھی معلوم نہیں کون سی ایسی بات ہو گئی ہے کہ بیکم انہیں رخصت کا حکم مل گیا ہے“ مستری کرم دین نے ہلکے سے الفاظ میں عرض کی ”حضو! مہاروں کی دستیابی میں خاصی دقت ہے“ لیکن آپ خاموش رہے اور انہیں رخصت کر دیا گیا۔

چند دن بعد معلوم ہوا کہ ایک دن سُلطان محمد اور اس کے اُستاد میں عمارت کی بناؤ اور راج گری کے متعلق کچھ اختلاف ہو گیا تھا اور وہ بازار میں کھڑے ہو کر آپس میں کچھ تڑش رُو ہوئے تھے۔ آپ کی غیرت نے اتنا بھی گوارا نہیں کیا کہ وہ بازار میں کھڑے ہو کر آپس میں کچھ نازیبا سی گفتگو کریں۔ لہذا بہت کوششوں کے باوجود بھی انہیں کام پر نہ لکایا گیا۔ بلکہ آپ نے ان سے پھر کبھی بھی کوئی کام نہیں کروایا۔

ان کے چلے جانے کے بعد لاہور سے محمد حسین، فیروز دین وغیرہ معمار لائے گئے پہلے تو وہ ماحول سے گھبرائے کیونکہ وہ غیر متشرع اور کچھ آزاد سے تھے۔ چونکہ مسجد کی تعمیر میں جتنے مزدور وغیرہ بھی تھے سب کے سب متشرع اور پابندِ صوم و صلوات تھے بلکہ اکثر



تجد گزار تھے۔ ایسے ماحول سے آزاد قسم کے آدمیوں کا گھبرا جانا قدرتی بات تھی
ایک دن انہیں بھی حضرت صاحب قبلہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

”بھئی! تم بھی کچھ تھوڑی سی نماز کی طرف رغبت کرو۔“ لہذا وہ بھی کچھ دنوں
کے بعد نماز پڑھنے لگے۔ یہ آپ کا تصرف ہی تو تھا کہ یہاں سے حیب وہ قانع ہوئے
تو لوگوں نے دیکھا وہ منتشر ہو گئے تھے۔ ان کے چہروں پر سنت نبوی (داڑھی)
عجب بہار دکھا رہی تھی۔ یہاں ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ آپ کی عادت
تھی کہ غریب اور کمزور آدمیوں کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے اور انہیں اجرت دوسروں
جلتی پوری ہی دیتے۔

تعمیر کے شروع ہی میں یہ تجویز تھی کہ مسجد کا ایک بلند منار بنایا جائے گا اسی وجہ سے
مجوزہ جگہ پر حیب بنیادیں کھودی گئیں تو وہ بہت گہری تھیں۔ کئی ہزار اینٹیں بنیادوں
میں ہی خرچ کر دی گئیں۔ اتنی محنت کے بعد جب منار کی بنیادیں زمین سے باہر
آگئیں تو ایک رات منار کی تعمیر روک دی گئی۔ سب حیران تھے کہ یک لخت یہ کیا ہوا
ہو گیا ہے۔ لیکن منار کی تجویز ہمیشہ کے لیے ختم کر دی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ پس پردہ کوئی
اور ذات تھی کہ جس کے حکم پر کام ہو رہا تھا کوئی غائبانہ طاقت تھی کہ ہدایات دے رہی تھی
آخر کار شہر کی سب سے بڑی مسجد نہایت سادہ انداز میں بن کر تیار ہوئی۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنے پیرو مرشد کے استانہ کو طلعہ شریف
کی مسجد کے نمونہ پر تیار کروایا۔ اس پر قریباً پچیس تیس ہزار روپیہ کے لگ بھگ خرچ
ہوا جو کہ آپ نے صرف اپنی ہی گزہ سے ادا کیا۔ اپنے آباؤ اجداد کے مبارک ہاتھوں
سے بنی ہوئی پرانی چیزیں آپ نے ویسے ہی رہتے دیں۔ پرانی مسجد تہ خانہ کی صورت کھول
ویسے کا ویسا ہی ہے آج بھی اس کے آثار موجود ہیں ایک پرانی مسجد کا درمیانی دروازہ
وہ بھی ابھی تک بڑی مسجد کے درمیان میں موجود ہے۔





خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے

میں اُس کا بند بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا!

کلام حضرت علامہ اقبالؒ



فیضِ عام

سُلطانِ اعرابین حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ اولیائے کرام کے متعلق فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ، و تعالیٰ جن کو دوست رکھتا ہے۔ انہیں تین خصلتیں عطا فرماتا ہے سخاوت دریا کی مانند، شفقت آفتاب کی طرح اور تواضع زمین کی مانند۔ بندہ جب سلوک کی منازل طے کر کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچتا ہے تو اس کی نگاہِ فیض بارہر طرف اٹھتی ہے۔ وہ ہر چیز سے پیار کرتا ہے۔ اسے ہر ذی رُوح سے محبت ہوتی ہے۔ الخلق عیال اللہ۔ خلقت اللہ کا کنبہ ہے کے مصداق انسان ہو کہ حیوان، بڑا ہو کہ بھلا۔ اپنا ہو کہ پرلایا۔ غرضیکہ کسی ایک جاندار کی تکلیف اسے اپنے میں محسوس ہوتی ہے ہر ایک کے دکھ کی کسک وہ اپنے میں پا کر تڑپ اٹھتا ہے ان کی بہر بانی آفتاب کی طرح ہر ذی رُوح کے لیے ہوتی ہیں اور ان کے چشمہ فیض سے دریا کی مانند ہر کوئی فیض یاب ہوتا ہے۔

سرکارِ میان صاحب شہرِ قیوڑی رحمۃ اللہ علیہ لفضلِ تعالیٰ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عرفانِ الہی اور درودِ دل سے کما حقہ، بہرہ دیتے تھے۔ سخاوت میں آپ حاتم زمانہ تھے۔ ہمدردی اور بھلائی کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کسی کی تکلیف دیکھ کر آپ تڑپ اٹھتے اور حبت مکہ سے کل ازالہ نہ ہو جاتا آپ چوچین آتا۔ دکھی انسانیت بلکہ ہر جاندار اور ہر ذی رُوح کی انداد کے لیے آپ ہر وقت کمر بستہ رہتے اکثر بیواؤں لا وارثوں اور

اپا بھول کو آپکے ہاں سے امداد ملتی۔ بہت سے اندھے اور مساکین آپ کے ہاں پلتے۔ کتوں اور جانوروں تک کے لیے آپ کا در، در فیض بار تھا۔ کسی نے کیسی تپتے کی بات کہی ہے۔

درد سے ہو جو بخیر آدمی، آدمی نہیں
دل میں اگر تڑپ ہو، بندگی بندگی نہیں

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ڈوہراں والے قبرستان شریف لیجارت تھے کہ اپنے راستہ میں ایک لُجنا (لولا) بیٹھا دیکھا۔ آپ نے پوچھا کہ کہاں جانا ہے؟ اُس نے عرض کی ”سکھانوالی جانا ہے۔“ آپ نے اسے اپنے کانڈھوں پر بٹھالیا اور سکھانوالی لے چلے۔ راستہ میں کئی ایک آدمیوں نے عرض کی ”سرکار! ہم اٹھا لیتے ہیں۔“ لیکن آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔ ”میرا بھی دل ہے۔ مجھ پر بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ وہ بھی کوئی انسان ہے جو دوسرے کے کام نہ آتے۔ یہ میرا کام ہے لہذا اسے میں ہی انجام دوں گا۔“ چنانچہ آپ نے اسے موضع سکھانوالی پہنچا دیا اور کچھ رقم سے اسکی مدد بھی کر دی۔

احساسِ درد

ایک آدمی آپکے پاس آیا اور بعد علیک سبیک چپ کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر بغیر کوئی بات کیے واپس لوٹنے لگا تو آپ نے پوچھا ”کیا بات تھی کیسے آئے تھے اور جا بھی ہے؟“ کہنے لگا۔ ”درد ہو رہا تھا اور اسی لیے حاضر خدمت ہوا تھا۔“ آپ نے فرمایا۔ ”پھر؟“ کہنے لگا۔ ”عرض کیے بغیر ہی درد جاتا رہا ہے اور واپس جا رہا ہوں۔“ آپ فرمانے لگے ”تمہارا درد تو ختم ہو گیا ہے اور تمہاری بجائے مجھے جو ہونے لگا ہے۔“ سبحان اللہ! کمال انسانیت اور کمال جذبہ احساسِ درد۔ یہ تھی کسی کا دکھ بانٹ لینے کی

عملی تفسیر!

ایک دن حضرت صاحبِ بلہ رحمۃ اللہ علیہ شریکو شریف کی ملحقہ بستی بنی پورہ والی مسجد میں تشریف لے گئے ہوئے تھے اور راقم کے والد صاحب بھی ہمراہ تھے۔ واپسی پر آپ نے دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکا مسجد کے پاس ہی سوکھے ہوئے مشہو "نالہ" سے ایک بڈنام سے نوجوان کے ہمراہ تماش کھیلنے کے بعد واپس آ رہا تھا۔ آپ نے والد صاحب کو فرمایا۔

”عمر دین حکیم کے لڑکے کو اس جوان کے ساتھ دیکھ کر میری کمر دوسری ہو گئی ہے“ یعنی آپ بڑے متفکر ہوئے اور آپ کو بڑا رنج ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد شریکو شریف میں طاعون کا حملہ ہوا اور مذکورہ نوجوان لڑکا دین محمد بھی اس لپیٹ میں آ گیا۔ حضرت صاحب قبلہ نے والد صاحب کو کہا کہ ”تم ان کے گھر جا کر اس کے پاس کچھ دیر بیٹھا کرو اور چپکے سے سات دفعہ سورۃ فاتحہ (الحمد تشریف) بسم اللہ شریف کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہوئے چھونک مار آیا کرو“ چنانچہ والد صاحب ایسا ہی کرتے رہے۔ کچھ دنوں بعد اسے مکمل صحت ہو گئی اور جس بات کا آپ کو قلق تھا وہ بُری عادتیں بھی اس سے چھوٹ گئیں بعد میں وہ ہی نوجوان حکیم دین محمد صاحب کے نام سے مشہو ہوا۔

جانوروں پر شفقت

جاڑے کا موسم تھا۔ سردی زوروں پر تھی۔ حضرت میاں صاحب شریکو شریفی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اکثر اشاروں کنایوں سے باتیں کیا کرتے تھے اپنی والدہ ماجدہ سے پوچھا۔ اماں جی! کچھ ہے؟ انہوں نے فرمایا ”ہاں بیٹیا! ہے“ یہ سن کر آپ نے کہا۔ ”تو پھر کچھ کر دیجئے نا۔“ یہ کہتے ہوئے آپ نے ایک چار پائی بچپائی اور اس پر ایک لحاف آدھا نیچے اور آدھا اوپر بچھایا۔ پھر آپ باہر تشریف لے گئے اور ایک خیف



لاغر کتیا کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر اس چار پائی پر بچھے ہوئے بستر میں لٹا دیا۔ اس کے بعد آپ باہر سے اس کے پتے بھی اٹھا لائے اور انہیں بستر میں کتیا کے ساتھ لٹا کر سبک لحاف سے ڈھانپ دیا۔ اتنے میں اماں جی نے حلوہ تیار کر لیا تھا آپ نے اسے ٹھنڈا کیا اور کتیا کے منہ میں نولے دینے شروع کر دیے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ حلوہ کھلا بھی رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ فرمایا بھی رہے تھے۔

”تو نے رات کو بچے جنے ہیں۔ بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔ تو میری ہمسائی ہے میری خبر گیری میرا فرض ہے۔ مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی کہ تیرا پتہ نہ کیا۔ مجھے معاف کر دو“ حضرت صاحب بلہ بار بار اس بات کا تکرار کرتے گئے اور آدھا حلوہ کھلا دیا۔ لحاف کی گرمی اور حلوہ کی وجہ سے اس کے کمزور جسم میں طاقت عود کر آئی اور وہ اپنے بچوں کو ساتھ لے کر کوچہ میں چلی گئی۔

ایک دفعہ حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ گھر سے تشریف لائے تھے کہ گلی میں ایک کتیا آپ کے پاس سے گزری۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ ”ارمی! تو نے بچے جنے ہیں مجھے دکھائے ہی نہیں۔“ یہ کہنا تھا کہ وہ بھاگ کر اپنے بچے کو منہ میں دبائے اٹھالائی اور اسے حضرت صاحب قبلہ کے آگے رکھ دیا۔ وہ پھر واپس چلی گئی اور دوسرا اٹھالائی۔ اسی طرح اُس نے سات بچے لاکر حضور کے آگے رکھ دیے اور اپنے ہنسنے لگا کر فرمایا۔ ”اچھا اب واپس لے جاؤ، دیکھ لے ہیں۔“

والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک ہلکا کتا آتا دکھائی دیا۔ لوگ اس کے پیچھے دیوانہ سے دیوانہ سے کہتے لاطھیاں اٹھائے شور مچاتے بھاگے آ رہے تھے۔ وہ کتا جب آپ کے پاس سے گزرنے لگا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ”جو لوگ تمہیں کھلایا کرتے ہیں انکو تو نہیں کاٹنا چاہیے۔“



وہ کتا آپ کے سامنے کھڑا ہو کر دم ہلانے لگا۔ اس کی دیوانگی دور ہوئی اور وہ اچھا بھلا ہو گیا۔ اس کے بعد جب کبھی وہ کتا آپ کے پاس گزرتا تو آپ فرماتے: ”کتے سمجھ جاتے ہیں اور روٹی ڈالنے والے کو نہیں کھٹتے۔ لیکن زمانہ ایسا آ گیا ہے کہ بھائی بھائی کو کاٹنے دوڑتا ہے۔“

مہمان اور اس کا گھوڑا۔

سخت سردی کے دن تھے آپ گھر میں رضائی اورٹھے پڑے تھے۔ آپ نے والدہ صاحبہ کو آواز دی۔ ”اماں جان! سردی سخت محسوس ہو رہی ہے۔“ آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ پر ایک اور لحاف ڈال دیا۔ آپ نے دوبارہ پھر فرمایا۔ ”ابھی سردی اور لگ رہی ہے۔“ اماں صاحبہ نے کونوں کی انگیٹھی چلا کر آپ کی چار پائی کے نیچے رکھ دی۔ آپ نے تیسری دفعہ پھر فرمایا۔ ”مجھے ابھی سردی لگ رہی ہے۔“

والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ پھر میں کیا کروں تو جان اور تیسری سردی۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ ”باہر مہمان خانے سے پتا کیا جاوے کہ کوئی مہمان تو نہیں آیا؟“

باہر سے پتا منگوایا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک مہمان آیا ہوا ہے۔ آپ نے پوچھا اسکو کھانا کھلا کر اندر سلا دیا گیا ہے۔“ جواب ملا کہ کھانا کھلا کر اندر لستہ دے دیا گیا ہے۔“

آپ نے ارشاد فرمایا۔ ”وہ مہمان گھوٹے پر آیا ہے اس کا گھوڑا باہر سردی میں کھڑا ہے اور اسے سردی لگ رہی ہے۔ اس کے گھوٹے کو جب تک اندر گرم جگہ پر نہ باندھا جائے گا میری سردی نہیں اترے گی۔“ سو ایسے ہی ہوا جب گھوٹے کو اندر باندھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ ”میرے لحاف اُتار دو آپ میری سردی اُتر گئی ہے۔“

سبحان اللہ کیسی وسیع نظر بن گئیں آپ کی اور کیا مکمل تھا آپ کا جذبہ احساس۔ ہر ذی نوح اور ہر جاندار کے لیے کتنا درد رکھتے تھے آپ۔ آپ کی ذات گرامی کو اللہ

تبارک و تعالیٰ نے کمال مہربانی اور اپنے فضل و کرم سے خلق اللہ کے لیے احسان و درود کا دافر جذبہ عطا کیا تھا۔

ایک شبلی

ایک دفعہ حضرت صاحب بلہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے حلقہ مریدین میں بیٹھے ہوئے توجہ فرماتے تھے کہ ایک تلی آگئی وہ آپ کے جسم سے ٹکراتی ہوئی کبھی ادھر سے ادھر جاتی اور کبھی ادھر سے ادھر آتی۔ ایسا کرتے کرتے وہ حلقہ میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آ بیٹھی۔ اس کا سامنے آ کر بیٹھنا ہی تھا کہ اس پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ تڑپنے لگی اور ذکر جاری ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی انسان ذکر کر رہا ہے کوئی ایک گھنٹہ تڑپنے کے بعد وہ بلی جان بحق ہو گئی۔

آپ نے تبسم فرمایا اور کہا بازائے کپڑا لاکر اسے کفن دے دو اور باہر قبرستان میں اسے دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق اسے کفن دے کر دفن کر دیا گیا۔

حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ کے چچا میاں حمید الدین صاحب مرحوم کے پاس مسجد میں طلباء کی خاصی تعداد تھی جو قرآن پاک کی تعلیم کے حصول میں منہمک رہتی۔ ان طلباء میں کچھ ایسے طالب علم بھی تھے جو مضافات سے آ کر یہیں مسجد میں حصول تعلیم کے لیے مقیم ہو گئے تھے۔

ایک دن ایک لڑکا جو ان مقیم طلبہ میں سے تھا، کسی گھر سے روٹیاں لیے آ رہا تھا کہ راستہ میں سرکار میان صاحب رحمۃ اللہ سے ملاقات ہوئی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور دلی جذبات و احساسات کا رنگ رونے اور پر نمایاں ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ ”یجا ہی اچھا ہوتا تم کہیں شہر میں اجرت پر کچھ

کام بھی کرتے اور تعلیم بھی حاصل کرتے۔ آپ کے پُرورد الفاظ تیر بن کر اس کے دل میں پیوست ہو گئے۔ اس وقت تو وہ خاموش رہا لیکن مسجد میں روٹیاں پہنچانے کے بعد شہر قبور شریف سے رخصت ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں سنہری مسجد کے پاس سے گزر رہے تھے کہ وہی لڑکا ملا۔ آپ نے بتسم فرمایا اور کہا ”کیوں بھئی! یہ بات (کسب معاش کے ساتھ حصول تعلیم) ٹھیک ہے یا وہ بات (یعنی روٹیاں مانگ کر لانا اور تعلیم حاصل کرنا) ٹھیک تھی۔ کہنے لگا ”حضور! یہ بات درست اور افضل ہے۔ آپ نے مجھے پتیلوں سے اٹھا کر بندیلوں سے ہمکنار کر دیا ہے۔ ایسا خود دار ذریعہ تعلیم رُوح کی بالیدگی کا باعث ہوتا ہے“

اس نے اپنے تہ بند کی گرہ کھول کر ایک روپیہ آپ کی نذر کیا۔ آپ نے فرمایا! ”میں اس کا مستحق نہیں ہوں۔ تمہارے کسی کام آجائے گا۔“ لیکن اس نے بڑی منت سماجت سے آپ کو روپیہ لینے پر مجبور کر دیا۔ بعد میں آپ نے فرمایا ”یہ ایک روپیہ اسکی خالص حلال کی کمائی میں سے تھا۔“



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ

السَّائِحُونَ الرَّاکِعُونَ السَّاجِدُونَ

الْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ

وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

(التغابہ : ۱۱۲)

توبہ کرنے والے - عبادت کرنے والے - حمد کرنے والے
جہاد کیلئے سفر کرنے والے - رکوع کرنے والے - سجدہ کرنے والے
نیکی کا امر کرنے والے - بڑی باتوں سے منع کرنے والے - اللہ کی حدود کی حفاظت
کرنے والے - (یہی مومن لوگ ہیں اور اے پیغمبر!) مومنوں کو بہشت کی
خوش خبری سنا دیجئے!

معمولات

دین اسلام میں ایمان کے بعد عبادت کو ایک بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے قرآن حکیم میں فرمایا گیا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ہم نے جن اور انسان اسی لیے بنائے ہیں کہ ہماری عبادت کریں اور اس کے بعد ارشاد ہوا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ذُكِّرُوا لِلَّهِ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا اے ایمان والو اللہ کو بہت یاد کیا کرو اور صبح شام اس کی پاکی بیان کرو جو بیانِ حق، عرفانِ الہی کے حصول کی لگن میں فرض عبادت کے ساتھ سنت نبوی کی پیروی میں ارشاداتِ مصطفوی کو مشعلِ راہ بنائے ہوئے نقلی عبادت اور اوراد و اذکار میں منہمک اور مشغول رہتے ہیں انہی نفوسِ قدسیہ کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ یہی وہ اہلِ دانش ہیں جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کھڑے اور بیٹھے۔

یہی وہ عارفانِ حق اور مردانِ خدا ہیں جنہوں نے عبادت گزارمی اور پرہیزگاری کو اپنا شعار بنا کر مخلوقِ خدا کو شریعتِ روحانیت اور حق و صداقت کے جادہ مستقیم پر گامزن ہونے میں راہنمائی کی۔

عبادات اوراد

حضرت صاحبِ قبلہ کی زندگی مختلف ادوار میں مختلف کیفیات اور حالات کی حامل تھی ابتدائی زمانہ میں آپ جنگلوں دریاؤں اور قبرستانوں میں ہا کرتے تھے۔ اس کے بعد تھوڑا عرصہ آپ نے مسجد شریف میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع رکھا بعد ازاں جب آپ کے چچا حافظ حمید الدین صاحب پٹوار سے طیار ہوئے تو آپ نے مسجد کا یہ تمام سلسلہ انکے سپرد کر دیا۔ چنانچہ حافظ حمید الدین صاحب کا انتقال ہو گیا تو حضرت صاحبِ قبلہ نے مسجد کا کام پھر سنبھال لیا اور امامت کے فرائض سرانجام دینے لگے

راقم الحروف کے والد صاحب نے بھی انہی دنوں حضور کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور آپ سے ابتدائی اسباق پڑھے۔

قاری محمد ابراہیم صاحب مرحوم کو جب حضور میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فیضانِ نظر سے نوازا اور قاری صاحب کا دل نورِ معرفت سے متور ہو گیا تو آپ نے انہیں مسجدیں لاکر بٹھا دیا اور مسجد کی امامت و دیگر فرائض ان کے سپرد کر دیے تمام امور مع امامت قاری ابراہیم صاحب انجام دیتے تھے اور جمعہ مبارک حضرت صاحب قبلہ پڑھاتے تھے۔ آپ کمالِ عجز و انکسار اور کسرتی سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس قابل نہیں تھا۔ لیکن بڑوں کے صلّت فرمانیکے بعد مجھے یہ بوجھ اٹھانا پڑا۔ اگر کوئی علم دین یا مولانا آجاتے تو آپ انہیں جمعہ پڑھوانے کے لیے کہتے۔

قاری محمد ابراہیم صاحب کو مسجد کا انتظام و انصرام سپرد کرنے کے بعد آپ اپنے گھر نزدیک مختلف نمازیں مختلف مساجد میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ ان مساجد میں بھی آپ کم رونق والی مساجد کو ترجیح دیا کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ محلہ اور گھر کے نزدیک کی مساجد کے بہت سے حقوق ہیں۔ فجر کی نماز آپ اول وقت پڑھا کرتے اور عموماً مکاں والی مسجد میں آپ سے پہلے بہت کم رونق ہوتی تھی میں پڑھا کرتے۔ فجر کے فرضوں کی دعا کے بعد آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور ہدیہ درود و سلام پیش کیا کرتے تھے یعنی الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ پڑھا کرتے۔ اس کے بعد چہار کرسی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آہستگی سے پڑھا کرتے۔ وہ یہ ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے بعد آپ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ حَسِبْتُمْ أَنَّ إِلَهَ الْإِلَهِ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ۔ السلام علیکم یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے یہ اور ادا آپ

بہت آہستہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھاری آپ کے منہ سے سنتے جاتے۔ اس کے بعد چاند بچھا کر اس پر شامے ڈالے جاتے اور دیگر سمرایوں کے ساتھ بیٹھ کر درود شریف خضریٰ صلوات اللہ علی جمیعہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ وسلم پڑھا کرتے۔ درود شریف شروع کرنے سے پہلے تقدیر کا کہہ کر..... العرش العظیم تک تین بار پڑھنے کے ساتھ سورت حشر کی آخری آیات پڑھتے۔ کبھی کبھار مذکورہ آیات کے ساتھ تھا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى النَّبِيِّ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا بھی ملا دیا کرتے۔ نیز ہر روز درود شریف شروع کرنے سے پہلے یہ شعر ضرور پڑھا کرتے۔

کعبہ دل قبلہ جاں یا رسول اللہ توئی

سجدہ مسکین حسن ہر لحظہ بادہ سوتے تو

نماز عشق ہر دم می گزارم۔ بہ پیش قبلہ روئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

اشراق کے آٹھ نفل آپ اپنے محلہ کے سامنے مسجد لوہاراں والی میں ادا فرماتے نفلوں کی ادائیگی کے بعد آپ ایک ہزار دفعہ سورۃ اخلاص پڑھا کرتے اور اس کے بعد کچھ دیر خفی طریق سے نفی اثبات کرتے۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے کسی بار دیکھا کہ مسجد کے محراب میں بیٹھ کر آپ نفی اثبات میں مشغول ہوتے۔ اس وقت اس مسجد میں بالکل علیحدگی ہو کر تھی۔ بعد ازاں آپ اپنی بیٹھک میں تشریف لے جاتے اور اپنے ہاں آئے ہوئے مہانوں کو رخصت کی اجازت مرحمت فرماتے رخصت کے وقت بعض مہانوں کو کچھ کھلا دیتے اور بعض کو چلتے وقت کچھ بات دے دیتے اور فرماتے کہ راستے میں کچھ "کر لینا یعنی کھا لینا۔ آپ کے ہاں کسی ایسے مہانوں کا درود بھی ہوتا تھا جو رات کو بعد نماز عشاء آتے اور رات بھر فیض پانے کے بعد سحری کے وقت فجر کی اذان سے پیشتر ہی یہاں سے واپس ہو جاتے تھے اکثر دیکھا گیا کہ ان میں سے کسی ایک سرزمین شرف پور پر ننگے پاؤں ہوتے اور اس بستی کے قریب جواریں

جو تاہیں پہنتے تھے اور آپ کی بیٹھک میں داخلہ سے پیشتر چوکھٹ کو چوما کرتے۔ چاشت کی نماز عموماً آپ ٹاہلی والی مسجد میں ادا کرتے نماز چاشت کی بھی اٹھ رکعتیں ہی پڑھا کرتے تھے۔ ان نوافل سے فراغت کے بعد آپ اکہتر دفعہ تسبیح کلمہ اور کچھ دیر استغفر اللہ رجب من کل ذنب و اتوب علیہ کا ورد کرتے اور اس کے بعد آپ اصلاحی کاموں میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کے پاس اکثر لوگ برادری یا آپس کے معاملات لے کر آتے۔ آپ ان کی آپس میں صلح صفائی کر دیتے یا از روئے شریعت جو مناسب ہوتا فیصلہ کر دیتے۔ بڑی عمر کی لڑکیوں یا عترت باکی بچوں کے نکاح کروانے میں کوشش کرنا، بھائیوں بھائیوں کے جھگڑا میں صلح کروانا اور تیاہنی و مساکین و بیوگان کی خیر گیری کرنا آپ کا شعار تھا۔

اس کے بعد آپ مہانوں کو کھانا کھلانے کی طرف متوجہ ہوتے۔ آپ کے ہاں مہانوں کی بھرمار ہوا کرتی تھی۔ سو سو مہان بھی آپ کے دسترخوان پر اکثر دیکھے گئے ہیں۔ سب سے پہلے تمام مہانوں کے ہاتھ دھلائے جاتے اور پھر سب کے سب دسترخوان پر مل بیٹھتے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی بیٹھک کے درپچہ میں سے خود کھانا پکڑواتے اور آکر سب کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ جاتے۔

تمام کھانے والوں کے داہنے زانو اٹھے ہوتے۔ آپ بسم اللہ شریف پڑھ کر داہنے ہاتھ سے کھانا شروع کرتے اور سب حاضرین کو داہنے ہاتھ سے کھانا شروع کرنے کی ہدایت فرماتے۔ کھانا کھا چکے بعد آپ سب کے ساتھ مل کر دعا فرماتے اور سب مہان پانی سے ہاتھ صاف کرتے۔ کھانا عموماً سادہ ہوا کرتا تھا اور سب کے لیے ایک جیسا ہوا کرتا تھا لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی آدمی دل میں خواہش لے کر آتا کہ آج حضرت صاحب قبلہ فلاں چیز کھلائیں تو اس کے سامنے وہی چیز موجود ہوتی جیسا کہ ایک دفعہ ایک آدمی آیا جس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا تھا کہ آج اگر

میان صاحب ہرنیوں کے دودھ کی کھیر کھلائیں۔ تب مانوں چنانچہ جب ان کے سامنے کھانا آیا تو اسی شخص کے سامنے ایک پلیٹ میں ہرنیوں کے دودھ کی کھیر موجود تھی۔ وہ یہ دیکھ کر بڑا متعجب ہوا۔ آپ کراہے تھے اور فرمایا: "کسی کی نیت کی چیز اللہ تعالیٰ نے کہیں سے بھیج ہی دی ہے۔"

ہمانوں کو کھانا کھلا کر آپ آرام کرنے کو کہتے اور خود کتوں کو روٹی کے ٹکڑے ڈالتے۔ اس کے بعد کچھ دیر قیلولہ بھی فرماتے تھے۔ قیلولہ سے فراغت کے بعد آپ ظہر کی نماز لوہاراں والی مسجد میں ادا کرتے اور پھر واپس بٹھک پر آکر باہر سے آئے ہوئے متوسلین کو تلفین فرمایا۔ پھر سب کو بڑی مسجد میں صاحب والی مسجد میں چلنے کا حکم ہوتا اور کچھ وقفہ کے بعد خود بھی وہاں تشریف لے آتے۔

نماز عصر بڑی مسجد میں ادا ہوتی اور نماز کے بعد آپ عموماً اپنی ہمیشہ صاحبہ کے ہاں تشریف لے جاتے۔ وہاں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد یا تو آپ قبرستان چلے جاتے یا مسجد میں ہی واپس تشریف لے آتے۔

مغرب کے وقت اذان ہونے پر آپ بڑی مسجد میں ہی نماز باجماعت ادا فرمانے کے بعد مسجد کی چھت پر چلے جاتے۔ گرمی کے موسم میں کھلی چھت پر اور سردی کے ایام میں چھت پر ہی ایک حجرہ میں ۱۰ رکعت نفل ادا بین ادا کرتے اور نوافل کی ادائیگی کے فوراً بعد کچھ دیر کے لیے سر نیاز سجدہ میں جھکاتے اس کے بعد آپ وظائف میں مشغول ہو جاتے اور متوسلین جن میں خاص تعداد ان احباب کی ہوتی جو باہر سے آئے ہوئے ہوتے تھے۔ آپ کے سامنے حلقہ کی صورت میں سر جھکا کر دوزانو بیٹھ جاتے وظائف میں آپ اے مرتبہ سورۃ فاتحہ بسم اللہ تشریف کو اکھڑ سے ملا کر پڑھتے۔ اس کے بعد سورۃ والضحیٰ ۷ بار سورۃ حشر کا آخری حصہ ۷ بار۔ الم نشرح ۱۱ بار اور الودعہ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم و بحمدہ استغفر اللہ لا حول ولا

قُوَّةَ آيَةِ اللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ۝ پڑھتے اور پھر یا اللہ یا رحمن یا رحیم یا حی یا قیوم
یا ودود یا کریم یا لطیف یا حبیب کا ارادہ و دفعہ ورد کرتے۔ اس کے بعد سرکارِ میا صاحب
شرقیوی یہ پڑھتے۔

هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي تَرْجُو شَفَاعَتَهُ

لِكُلِّ هَوْلٍ مِمَّنْ اِلَّا هُوَ الْمُقْتَبِحُ

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِي مَنْ اَلُوذِيهِ

سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمْرِ

اِنَّ اَنْتَ ذَنْبًا قَمَاعًا عَهْدِي بِمُنْتَقِضِ مِنَ النَّبِيِّ وَالْحَبِيبِ بِمَنْصَرِمٍ ^{یعنی} (قصیدہ)

يَا رَسُولَ اللَّهِ اَنْظُرْ حَالَنَا

يَا حَبِيبَ اللَّهِ اِسْمِعْ قَالَنَا

اِنِّي فِي بَجْرِ غَمٍّ مُنْفَرِقٍ

خُذِي يَدِي سَهْلًا لَنَا اِنْ قَالَنَا

كُلُّ وَلِيٍّ لَهَا قَدَمٌ وَرَائِي عَلَيَّ قَدَمٌ مِثْلِي بِدْرِ الْكَمَالِ

شیاءِ اللہ یا حضرت سلطان شیخ سید عید القادر جیلانی صاحب المدد

شیاءِ اللہ چو گدائے مستمند المدد یا شاہ نقشبند

شیاءِ اللہ یا خواجہ اجمیری

اس کے بعد بارگاہِ ایزدی میں نہایت عجز و انکساری و نیاز سے دعا کے لیے ہاتھ

اٹھاتے اور عرض کرتے۔ یا ارحم الراحمین۔ یا ارحم الراحمین

یا ارحم الراحمین۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَابِقِ نُورُهُ وَ

اٰخِرِ ظُهُوْرُهُ وَ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَ جُودُهُ وَ اٰلِهِ وَ اَصْحَابِهِ وَ بَارِكْ

وَ سَلِّمْ۔



دُعا کے آخر میں یہ پڑھتے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ
وَرَسُولِكَ وَنَبِيِّكَ وَحَبِيبِكَ وَصَلِّ عَلَى جَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
اللَّهُمَّ أَصْلِحْ - اللَّهُمَّ انصُرْ اللَّهُمَّ احْفَظْ أُمَّةَ سَيِّدِنَا وَحَبِيبِنَا
مُحَمَّدٍ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَفْوِضْ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ
كَبِيرٌ بِالْعِبَادِ - فَإِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَحْسَنُ الرَّحِيمِينَ هـ

دُعا سے فراغت کے بعد آپ مسجد میں ہی مہانوں کو کھانا کھلاتے۔ آپ اپنے
دست مبارک سے خود ہی بسم اللہ شریف پڑھتے ہوئے مٹی کے پیالوں میں سالن
وغیرہ ڈال کر دیتے۔ مہمان خواہ کتنے ہی آجائیں کھانا ختم ہوتے کبھی بھی نہیں دیکھا
گیا۔ جب دسترخواں بڑھا دیا جاتا تو عشا کی اذان ہوتی۔ احباب حواج ضروریہ
کے لیے باہر کھیتوں کو جاتے اور بعد فراغت وضو کر کے سنت ادا کرتے ہوئے
درود شریف کی چادر پر بیٹھ جاتے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی سنتیں ادا
فرما کر اوپر سے نیچے اترتے اور احباب کے ساتھ چادر پر درود شریف پڑھنے میں مشغول
ہو جاتے۔ شماروں کے ختم ہونے پر آپ دعا فرماتے۔ عربی دُعا کے علاوہ آپ اکثر
یہ اشعار بھی پڑھتے۔

خدا یا بدہ شوقِ ذاتِ رسول	بدرِ محمد مرا کن متبول
شب و روز در عشقِ احمد بدار	ہمہ عمر در وصلِ احمد گزار
چو بیل بر آں گلِ فدائے کرم	چوں پروانہ جلوہ نمِ کرم
جیاتی ممانی ہمہ وقتِ ما	عطا کن وصالِ مرا مصطفیٰ
کہ مایا بہ نختائے بر حالِ ما	کہ مستقم اسیر مکتد ہوا
نداریم غیر از تو فریادِ رس	توئی عاصیال را خطا بخش بس

نہجدار مارا زہ راہِ خطا خطا در گزار و صوامیم نما
 جب تک جسمانی طاقت نے ساتھ دیا عشا کی نماز میں آپ خود ہی امامت
 فرماتے رہے۔ نماز عشا میں سورتِ والضحیٰ آپ کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ آپ
 تین رکعت وتر ادا کرنے کے بعد نوافل سے پیشتر سجدہ کرتے جس میں پانچ بار
 مُسَبِّحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ پڑھتے۔ سجدہ سے سر
 اٹھانے کے بعد آیت الکرسی پڑھتے اور پھر سجدہ کرتے جس میں پھر سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ
 رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ کا ورد کرتے اور سجدہ سے سر اٹھا کر تین بار سبحان
 الملك القدوس پڑھتے۔

نماز سے فراغت کے بعد آپ اوپر مسجد کی چھت پر چلے جاتے جہاں آپ ہر
 روز سورہ ملک پڑھ کر فاتحہ خوانی کرتے ختم پڑھنے کے بعد آپ ہاتھ اٹھا کر یوں
 گویا ہوتے۔

اد پر روح رسول کے پھر مرسل نبی تمام	رَبِّا بھجج ثواب توں ایس کلام طعام
بعد ازواج اولاد اونہاں کے کل صحاب	بعد انہاں سے یار جو خاص نبی دے چار
ابو حنیفہ، شافعی، مالک، احمد نام	بعد اونہاں سے تابعین کل امام ہمام
علم ناضل، فاطمہ قاری ہر سرائی مال	کل غوثاں قطبا بھجج توں ہر سلی او تاو ابدال
ہر غنی، فقیر، غریب تیماں مکے کل درویشاں	بھججیں مائی باپ تاواں ہر قبیلے خورشیاں
آدم تھیں لکیر اسدم تا میں جو کوئی روح تمام	کل مومن مرداں عورتاں جو کوئی اہل اسلام

۱۔ ایک دفعہ آپ نے احباب سے فرمایا ”کیوں بھئی! سات عشا کی نماز میں کچھ محسوس
 ہوا تھا؟“ احباب نے تو کچھ جواب نہ دیا آپ نے خود ہی فرمایا ”سات پہلی رکعت میں سورہ
 والضحیٰ پڑھی تھی۔ اگر کوئی ”ایسا“ آدمی ہوتا تو وہ چھ ماہ ہوش میں نہ آسکتا۔“



ثواب جو میوں حاصل ہو یا سبناں نسل پنچاں
 طفیل محمد پاک نبی کریم قبول دُعائیں
 آپ فرماتے تھے ”جب ختم پڑھتا ہوں تو بہت سی روئیں میرے سامنے اکھڑتی
 ہوتی ہیں۔“

ختم کے اختتام پر سرکار اکثر احباب کو رخصت کر دیتے اور خاص خاص آدمیوں
 کے ساتھ کچھ دیر مراقبہ فرماتے۔ اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جاتے۔
 مسجد سے روانگی پر راستہ میں بہت سے کتے جو شاید آپ کے ہی انتظار
 میں ہوتے تھے آپ کے ارد گرد اکٹھے ہو کر دم ہلانے لگتے آپ انکو روٹی کے ٹکڑے
 جو آپ مسجد سے ہی اپنے ساتھ لائے ہوتے ان کے آگے ڈال دیتے۔ اکثر
 یوں ہوتا کہ کئی ایک کتے اپنے اگلے پاؤں اٹھا کر آپ پر رکھ دیتے۔ آپ کرا
 مسکرا کر بڑے پیار بھرے لہجے میں فرماتے ”بھئی! آرام سے کھاؤ تم میں سے ہر ایک
 کو اپنا اپنا حصہ مل جائے گا۔“ اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جا کر استراحت
 فرماتے۔

پچھلی رات اٹھ کر آپ ۱۲ رکعت نماز تہجد ادا کرتے اور تین ہزار بار
 دُرد شریف حضرت کاورد فرماتے۔ تہجد کی نماز آپ بڑی مسجد میں ہی تشریف لاکر
 پڑھا کرتے تھے۔

جمعہ شریف آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ جمعہ کی تیاری جمعرات کو
 شروع کرنی چاہیے۔ آپ خود بھی اسی بات کے مطابق عمل کرتے تھے۔ کپڑے
 دھلانا، حجامت بنوانا یا ایسے ہی دوسرے لوازمات جمعرات کو شروع کر دیتے
 جمعہ کے دن دوپہر کے وقت مہانوں سے جلدی ہی فارغ ہو جاتے اور کپڑے پہن
 کر مسجد تشریف لے آتے۔ اگر کوئی عالم یا مولانا صاحب آئے ہوتے تو آپ
 انہیں جمعہ کے خطبہ کے لیے کہتے ورنہ خود ہی خطبہ کے لیے کھڑے ہو جاتے۔



وَعظ يا خطبة منبر پر بیٹھ کر دینے کی بجائے منبر کے پاس ہی کھڑے ہو کر فرمایا کرتے۔
 وعظ اور خطبہ کے لیے جب کھڑے ہوتے تو آپ کا چہرہ انور زرد ہو جاتا۔
 جب آپ خطبہ دیتے وقت یہ کہتے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ لَمْ يُزَلْ وَلَا يَزَالُ
 حَيُّ قَيُّومٌ، عَالِمٌ قَدِيرٌ، مُدَبِّرٌ سَمِيعٌ لَبِيبٌ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ فَلهُ الْحَمْدُ وَكِبْرُهُ كَبِيرٌ
 وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَحَبِيبَنَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ
 الَّذِي أُرْسِلَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَاعْتَابَهُ
 وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا -

تو آپ کا چہرہ بتدریج سُرخ ہونا شروع ہو جاتا۔ آپ کے مُنہ سے یہ الفاظ
 بڑے پُر جلال لہجے میں نکلتے۔ تمام سامعین پر ہیبت و جلال کی کیفیت طاری ہوتی
 آپ خطبہ کے بعد قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرماتے اور وعظ شروع کر دیتے
 آپ کا انداز بیان اور طریقِ واعظ عجیب طرز کا ہوتا لوگ دُور دُور سے آتے تھے
 آپ آئیو لے اجاب کی دلی کیفیات اور حالات بیان کرتے جانتے اور جس قسم
 کی اصلاح کی ضرورت ہوتی اس کی بھی نثر اندہی فرما دیتے۔ اکثر لوگوں کے مسائل
 اور سوالات جو انہوں نے پوچھنا ہوتے آپ وعظ جمعہ میں ہی حل کر دیتے۔
 سب لوگ اپنی اپنی جگہ سمجھ لیتے کہ حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے
 سوالوں کا جواب دے دیا ہے۔

نیز ان کا حال اور کیفیت بھی بیان کر دی ہے۔ عجیب رقت کا عالم ہوتا
 کوئی رورہ ہے تو کسی پر وجد طاری ہے کسی کی آنکھیں نم آلود ہوتیں تو کوئی
 سکتے کے عالم میں ہوتا۔ ماحول مختلف کیفیتوں کا حامل ہوتا۔



حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ خطبہ اور وعظ میں فارسی اور اردو کے
چیدہ چیدہ اشعار اور پنجابی کی نظموں بڑے پُر اثر انداز ہیں پڑھا کرتے۔ آپ کو
پنجابی کی یہ نظم اکثر پڑھتے سنا گیا۔

دنیا کھیتی آحس سیتی خود حضرت فرماوے
جیہا اس وچہ نیجے کوئی یہا ہی پھل پاوے
اس کھیتی جیہی نہ کوئی کھیتی جیتوں بیج سواریں
سونارو پا پیدا ہووے خوشیاں کر کے بھاویں

جے تول اسنوں محنت کر کے بیجیں آج دیہاڑے
بھلکے ہوسن تیرے اوتھے بول اُتے کھلواڑے

جے بیجیں ویلے کچھ نہ بیجیں موسم پیا گواویں
اگے فصل جو پکے دیکھیں رورو پچھوتاویں

جو کچھ بیجیں سو کچھ جیتیں جنہاں واہ کمانی
توں کیوں اپنی کھیتی اندر کا ہی دب جانی

کدھرے جھونا کئی دستے کتے کما د کیا ہاں
تیری کھیتی وچہ نہ دستے بوٹا موٹھاں ماہاں

تیتھیں اگے چنگے بھائی ہل واہ گئے اگیرے
شوق عشق دی ہل پنجالی توں بھی گھن سویرے

دست دیاں سیاں لائیں کھیت ایمان سواریں
کفر شرک تے بوٹے سجھے چن چن کے ماریں

بی صدق دا بہتا پائیں چنگی کریں بیانی
جو کچھ بیجیں چنگا بیجیں بُرا نہ بیجیں بھائی



امراہی دی حدوں ذرا باہر نہ ہوویں
 چلیں حکم شریعت اُتے محکم ہو کھلوویں
 ربامیری مارو کیتی پچی اوڑک ناہاں
 ہن ایہہ سجھاسکن لگی کسنوں حال سناواں

رحمت ڈاک بدل بھیجیں بینہ فضل داپائیں
 موتی ہوئی نولں دوجی واری تولں ہن فیروز پائیں

فضلا نذا جو ساون آوے کا تک کرم دی آئی
 اکو ملہ رحمت والا بدی نہ چھڑے کا نی

رحمت رب دی اتے تکیہ حافظ بخور دارا
 برکت کلمہ پاک نبی دی ہو جاسی چھٹکارا



خدا کس کو کہتے تھے کیا جانتے تھے
 تیرے منہ سے ذکرِ خدا ہے محمد! (صلی علیہ وسلم)
 جسے کہتے ہیں سب کلام الہی
 وہ تیری زباں سے سنا ہے محمد! (صلی علیہ وسلم)
 ترا وصل جنت، ترا ہیجر دوزخ
 تیری دید۔ دیدِ خدا ہے محمد! (صلی علیہ وسلم)
 گاہے آپ کی زبان مبارک پر یوں ہوتا۔

دل و جانم فدایت یا محمد (صلی علیہ وسلم)
 ہر من خاک پائیت یا محمد (صلی علیہ وسلم)



مگر نہ بوجے ذات پاکت را وجود
کن نہ گفتے خالق ارض و سما

بندہ از بندگی فدا گردد و مگر نہ ناتوانند مصطفیٰ گردد

ہر ذکر بجز ذکر خدا و سوسہ البیت
شرم خدا بدار کہ اس و سوسہ رُباست
نیویں مسجد پُرانی مسجد کے برآمدے کی ڈاٹ میں بھی آپ نے یہ شعر لکھے تھے
پاٹا موٹا پہن بھرا و احمد الہی کہیے !
رکھا سُکھا جو رب دیوے کھا کے شاکر رہیے
فاقر فقیر نبی دی حالت بھانے تابع داراں

لذت ، راحت زینت دنیا حصد لے اشراراں
لے مولا کریم اس عاجز کی ایک عادت بھی درست کرے تو کیا تیری رحمت
سے بید ہے۔
کبھی کبھی اللہ تبارک تعالیٰ کی شان میں پنجابی کے یہ شعر آپ بڑے سوز اور
پُر درد لہجے میں پڑھتے۔

توں پاک منزہ پاک منزہ ہر عیبوں نقصانوں
میں حمد شکر تعریف تری نت آکھاں دلوز بانوں
با جھ ترے معبود نہ کوئی تو ہی اک خدایا اللہ اکبر شان ترا ہر شے تھیں اعلیٰ پایا
با جھ ترے توفیق نہ قوت کراں جو ترک بائی با جھ ترے توفیق نہ طاقت کراں جو جی کانی
وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

منم خاکِ سرِ کوئے محمدؐ
 نمازِ عشقِ ہر دم میگزارد
 اسیرِ حلقہٴ مومنے محمدؐ
 سجودِ عشقِ بازان است ہر دم
 بہ پیشِ قبلہٴ روئے محمدؐ
 اگر چشمِ ہر روئے است مائل
 بحرابِ دو ابروئے محمدؐ
 جہانے در خیالِ سبیلۃ القدر
 بود روئے دلم سوئے محمدؐ
 حسن در بندگی سوئے محمدؐ



دستگیری کیجیو میرے خدا
 دمبدم ہوتا رہوں تجھ پر خدا
 ناکوئی دم ہوں نہ میں تجھ سے خدا
 آرزو تجھ سے ہی ہے اے خدا
 ہوزباں پر ذکرِ دل میں ہوا حضورؐ
 ماسوا تیرے یہ دل ہو سیکو
 جبکہ لوں میں ہوں حضورِ دل نام
 ہر گھڑی ہر لحظہ ہو تیرا حضورؐ
 بے جہت بے کیف مجھ کوکے غفورؐ

یہ دُعا عاجز کی ہے کیجیو قبول

از پرانے آل و اصحابِ رسول

وقتِ معینہ پر آپ جمعہ کی امامت فرماتے اور بعدہ نمازِ ظہر لوپری کی پوری

ادا فرماتے۔



۱ نمازِ جمعہ کے متعلق آپ فرماتے کہ اتنے مسائل میں پڑنے کی ضرورت نہیں جمعہ کو جمعہ کر کے پڑھو اور
 ظہر کو ظہر سمجھو۔



اولیاءِ کاملین مرحمتہ اللہ علیہم اجمعین کی
 نرندگیاب ہمارے لیے مشعلِ راہ اور مینارِ نود
 کی حیثیت رکھتی ہیں ان نفوسِ قدسیہ کی
 "سربست" اول تا آخر مخلوقِ خدا کیلئے شرفِ چشمہ
 ہدایت ہوتی ہے!



آخری ایام

زہد و ریاضت اور مجاہدہ و نفس کشی کرتی والی، سستیوں کے اجسام اور طبیعتوں پر ضعف و نفاہت کے اثرات جلد ہی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحت اوائل عمر کی ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے شروع سے ہی کمزور ہو چکی تھی۔ آخری عمر میں آپ خاصے کمزور و نحیف ہو گئے تھے۔

تجیرِ معدہ کی شکایت آپ کو پہلے سے تھی۔ کئی دفعہ ایسے ہوا کہ آپ کو جمعہ کی نماز پڑھانے کے بعد تجیرِ معدہ کا دورہ ہوا اور آپ دو دو دن تک بیہوش پڑے رہے۔ بڑے بڑے حکماء سے آپ کا علاج کروایا گیا لیکن آپ کو افاتہ نہ ہوا۔ آپ کے ایک بڑے عقیدتمند مولوی فضل حق صاحب تحصیلدار تھے۔ انہوں نے بہت دفعہ عرض کیا کہ حضور! ایک مرتبہ ہمارے ساتھ میوہ ہسپتال چلیں۔ چنانچہ آپ ان کے ساتھ میوہ ہسپتال تشریف لے گئے۔ وہاں ایک بڑا قابل ڈاکٹر تحصیلدار صاحب مذکور کا دوست تھا۔ اس نے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا اچھی طرح معائنہ کیا لیکن اسکی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ڈاکٹر مذکور نے مولوی فضل حق صاحب سے کہا کہ چند دن تک ولایت سے ایک انگریز ڈاکٹر آ رہے ہیں بڑا قابل اور سمجھدار ہے۔ حضرت صاحب قبلہ کو اسے ضرور دکھانا چاہیے۔ چنانچہ انگریز ڈاکٹر کی آمد پر مولوی فضل حق دوبارہ حضرت صاحب قبلہ کو ہسپتال لے گئے

انگریز ڈاکٹر بڑی دیر تک آپ کا معاینہ کرتا رہا۔ آخر حیران ہو کر کہنے لگا۔
 ”ان بزرگوں کو کوئی بیماری لاحق نہیں ان کے تو بال بال سے اللہ اللہ
 کی آواز آرہی ہے“ سبحان اللہ!

وصال سے کچھ عرصہ پیشتر نقاہت و کمزوری اس حد تک بڑھ گئی کہ
 پانچوں نمازیں جو آپ مسجد میں باجماعت ادا فرماتے تھے۔ گھر پر پڑھنے لگے۔ حتیٰ کہ
 جمعہ کی نماز بھی گھر پر ادا ہونے لگی۔ آپ رنجیدہ ہو کر فرماتے۔

”مجھے کیا ہو گیا ہے کہ دُور دُور سے اجاب جمعہ پڑھنے مسجد میں آتے ہوئے
 ہیں اور میں یہاں پڑا ہوں۔“

مُشتاقانِ دید جو جمعہ کے روز آپ کی زیارت سے مشرف ہو جاتے تھے
 آپ کو منبر پر موجود نہ پا کر اپنا صبر و قرار کھو بیٹھتے اور زار و قطار رونے لگتے۔
 ان پر آپ کی غیر حاضری بہت شاق گزرتی۔

سفر کشمیر

آپ کی صحت دن بدن گر رہی تھی اور آپ نجف و کمزور ہو رہے تھے۔
 اطباء اور معالجین کے مشورہ پر آپ نے فرمایا ”چند دن کیلئے کشمیر ہو آئیں“ آپ کی
 کمزوری اور علالت کے پیش نظر بعض دوستوں نے سفر کرنے کی مخالفت کی
 لیکن آپ نے ارشاد فرمایا۔

”بھئی! کشمیر میں امیر کبیرؒ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے اور مدت سے
 وہاں جانے کی خواہش ہے لہذا وہاں چلنا ہے“

۱۰ : قبل حضرت میا صاحب قوری رحمۃ اللہ علیہ کو قدوة السالکین حجة الکاملین حضرت امیر کبیر ہمدانی
 (بقیہ اگلے صفحہ پر)



پنابچہ بابا مستری کرم دین سید نور الحسن شاہ صاحب و دیگر چند ایک احباب
کی معیت میں آپ کشتیر روانہ ہو گئے۔

سرینگر پہنچ کر آپ نے ایک ہوسٹل میں کسی اپنے ملنے والے کے ہاں قیام فرمایا
اصحاب ہاں رہنے سے گریزاں تھے دیگر باتوں کے علاوہ مچھروں نے بھی بہت تنگ
کر دیا تھا۔ دوستوں کا خیال تھا کہ کسی اور جگہ منتقل ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت صاحب
قبلہ احباب کے عندیہ کو تار گئے اور فرمایا ”اچھا! یہاں اقامت کا خیال نہیں تو خدا بخش
ڈرائیور اپنے نام سے گلرگ ہری صاحب کو اطلاع کر دے“

اجازت ملنے ہی خدا بخش ڈرائیور جو ڈرائیوری چھوڑ کر مزنگ لاہور میں
دودھ دہی کی دوکان کرتا تھا اور لاہور سے آپ کے ہمراہ آیا تھا نے ہری صاحب کو
گلرگ تار دے دیا۔ ہری صاحب جس کا اسلامی نام شیخ محمد حسین تھا۔ نیڈو ہوسٹل کے
مالک کا بیٹا تھا اور چند سال پیشتر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے دست
حق پرست پر بیعت ہوا تھا۔ گلرگ جب ہری صاحب کو ٹیلیگرام پہنچا تو وہ سبقتاً

(بقیہ جاشیہ پچھلے صفحہ کا) رحمۃ اللہ علیہ سے خاص نسبت تھی۔ امیر کبیر مہدانی رحمۃ اللہ علیہ کا تصنیف کردہ
”اورادِ فیتیہ“ نہ صرف خود ذوق و شوق سے پڑھا کرتے بلکہ اور لوگوں کو بھی پڑھنے کے لیے فرمایا کرتے۔
امیر کبیر مہدانی رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر تصنیفات مثلاً ذخیرۃ الملوک وغیرہ کا ترجمہ اپنا نام لکھوائے
بغیر چھپوا کر عوام الناس کے استفادہ کے لیے شائع کر دیا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ
امیر کبیر مہدانی رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی کے متعلق اکثر تعریفی کلمات ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ آپ کو ان
مزار پر جانے کا اس قدر اشتیاق تھا کہ ایک موقع پر راقم الحروف کے والد صاحب اور حضرت
نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں آپ نے فرمایا ”یار! امیر کبیر مہدانی رحمۃ اللہ علیہ
کے مزار پر کسی دن چلنا ہے“



ہو کر سرینگر چل پڑا۔ سرینگر پہنچ کر دریافت کیا کہ خدائیش ساکن مرنگ لاہو کون ہے اور کہاں مقیم ہے لیکن کوئی پتہ نہ چل سکا۔ آخر اس نے ریاست کی سرحدی چوکی جہاں ریاست میں داخلہ کے وقت پورا نام اور مکمل پتہ تحریر کیا جاتا ہے سے رابطہ پیدا کیا اور وہاں سے معلوم کر کے خدائیش کی تلاش میں ہوسٹل آ پہنچا۔

جس وقت ہری صاحب ہوسٹل پہنچا اس وقت حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ گراؤنڈ میں چادر تانے استراحت فرما رہے تھے۔ ہری صاحب نے وہاں بیٹھے ہوئے احباب سے پوچھا ”تم میں خدائیش کون ہے اور مجھے کیوں بلا یا ہے“

مستری کرم دین مرحوم نے اٹھ کر اسے بتایا کہ خدائیش باہر گیا ہوا ہے شرفیور شریف سے میان صاحب قبلہ تشریف لائے ہیں۔ ہری صاحب حیران و ششدر رہ گیا اور پوچھنے لگا ”کہاں ہیں آپ“؟

مستری کرم دین نے اشارہ سے بتایا کہ وہ چادر تانے لیٹے ہیں۔ ان کے ماہین مندرجہ بالا گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت صاحب قبلہ نے چہرے سے چادر ہٹاتے ہوئے مسکرا کر دیکھا۔

ہری صاحب کی چیخ نکل گئی۔ اس نے روتے ہوئے کہا ”اس سے بہتر ہے کہ میں مرجاؤں کسمپرسی میری موجودگی میں آپ ایک ہوسٹل میں ٹھہریں۔ یہ میری بدبختی نہیں تو اور کیا ہے“؟

اس کے بعد ہری صاحب تھوڑی دیر کی اجازت لے کر اپنی کوٹھی پہنچا اور کوٹھی کو صاف کروا کر واپس آیا اور کار میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں لے گیا ہری صاحب کہنے لگا کہ اس طرح مزہ نہیں آئے گا۔ میرے اہل و عیال گلہ رنگ میں ہیں انکو بھی یہاں لے آتا ہوں۔ چنانچہ وہ بچوں کو لینے گلہ چلا گیا۔

مستری کرم دین صاحب کا کہنا ہے کہ احباب جب بازار میں سودہ وغیرہ

لینے جاتے تو کوئی دکاندار پیسے نہیں لیتا تھا اور سودا دے دیتا تھا۔ بہت تکرار کی جاتی لیکن وہ نہیں لیتے تھے۔ ایک دکاندار کی زبانی معلوم ہوا کہ ہری صاحب نے سب کو کہہ دیا ہوا تھا کہ ان آدمیوں میں کوئی بھی سودا لینے آئے تو اس کی قیمت اس کے کھاتے میں لکھی جائے اور ان سے کوئی قیمت وصول نہ کی جائے۔ ہری صاحب چونکہ ذی اثر اور مقتدر آدمی تھا اس لیے کوئی دکاندار باوجود کافی تقاضے کے اس کی کہی ہوئی بات کے خلاف نہ کرتا۔

ہری صاحب کے جانیکے بعد باوجود اپنی نقاہت اور کمزوری کے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امیر کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا مذکورہ مزار پر جانے کے لیے کشتی کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ جب کشتی پر سوار ہوتے اور کشتی چلتی تو آپ کو ”تے“ شروع ہو جاتی اور اس شدت کا دورہ پڑتا کہ سولے واپس لوٹنے کے کوئی چارہ نظر نہ آتا۔ آپ دو تین دفعہ وہاں جانے کے ارادہ سے کشتی پر سوار ہوتے لیکن ہر دفعہ ہی شدت کی ”تے“ آتی اور اس ”تے“ نے آپ کے اس ارادہ کو تکمیل نہ ہونے دی اور آپ حضرت امیر کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر نہ پہنچ سکے۔

آپ کو پہلے ہی بخیر معذہ کی بیماری لاحق تھی اس پر شدت سے ”اُلیٹیاں“ آئیں۔ لہذا نقاہت اور کمزوری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ رات کو احباب میں کافی گھبراہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔ تمام دوست سوچ میں پڑ گئے کہ گھر سے اتنی دُور اور آپ کی یہ حالت کیا ہو گا اور کیا بنے گا۔ ؟

پچھلی رات سحری کے وقت آپ نے احباب کو فرمایا ”گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یقین جانو! میں یہاں نہیں مروں گا۔“

لیکن ساتھیوں کی بے چین طبیعتیں سکون سے یکسر خالی تھیں۔ ان کی گھبراہٹ



میں کوئی کمی نہ ہوئی علی الصبح حالات دیکھتے ہوئے حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا۔

”اگر تمہاری طبیعتیں سکون نہیں پکڑتیں تو ہری صاحب کو تارے دو کہ ہم جا رہے ہیں۔“ چنانچہ اسے تارے دیا گیا۔ تار ملتے ہی وہ روتا ہوا آ پہنچا۔ ہری صاحب نے بہت کہا کہ میں راجہ کا حکیم بلاتا ہوں یا لاہور سے کوئی قابل ڈاکٹر لاکر آپ کا علاج کرواتا ہوں۔۔۔ لیکن آپ نے فرمایا!

”دوستوں کی طبیعت گھبرا گئی ہے ہمیں جانا ہی چاہیے۔“ ہری صاحب نے بہت کوشش

کی لیکن آپ نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا چنانچہ ہری صاحب اپنی کار پر حضرت صاحب قبلہ اور آپ کے ساتھیوں کو لا ہوئے آیا۔ آپ اپنے خالہ زاد بھائی سر محمد شفیع کی کوٹھی واقع مزنگ میں چند روز کے لیے فروکش ہوئے اور وہاں سے آپ کو نثر فقیر شریف لایا گیا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی چار پائی جب آپ کے محلہ میں پہنچی تو آپ نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔ ”میں کہاں ہوں؟“ جواب دیا گیا کہ آپ نثر فقیر شریف میں ہیں لیکن آپ نے فرمایا ”میں تو مکان شریف میں ہوں۔“

آپ کو جب بیٹھک میں پہنچا گیا اس وقت آپ پر بے ہوشی طاری تھی بے ہوشی کی کیفیت اتنی شدید تھی کہ عوام انہاں نے سمجھا کہ آپ کا وصال قریب آ پہنچا ہے۔ آپ کے متوسلین اور متعلقین میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ لوگ زار و قطار رونے لگے۔ مریدین اور چاہنے والوں کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ تمام اجاب غم سے نڈھال ہوئے جا رہے تھے تھوڑا سا وقت گزرنے کے بعد سرکار مینا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا ”ہاں! میں خدا کے ہاں گیا تھا حکم ہوا ہے کہ ابھی دو چار کام باقی ہیں۔ انہیں پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔“

اس کے بعد آپ کی طبیعت قدرے سنھل گئی۔ ان دنوں آپ نے پنجابی زبان کی بجائے



اُردو میں گفتگو کرنا شروع کر دی تھی۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ کو کبھی اُردو بولتے نہیں دیکھا گیا تھا۔

ایک دن آپ نے فرمایا۔ ”کوئی آدمی جائے اور میاں نظام دین ریوڑی سے پانچ صد روپیہ لے آئے۔ جب وہاں سے روپیہ آگیا تو آپ نے حضرت صاحبزادہ محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیربل شریف والوں کو بلا کر دے دیا کہ اپنا قرض ادا کر دیں ایسے ہی ایک دو روز بعد مزید پانچ صد روپیہ منگوا کر میاں ابراہیم صاحب قصوری کو بلا کر دے دیا کہ وہ بھی اپنی قرض لی ہوئی رقم لوٹا کر سرخرو ہو جائیں۔“

نقاب پوش

ایک دن آپ کی زیارت کے لیے ایک ایسا آدمی آیا جس نے سر اور منہ چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ آپ کی بیٹھک میں آ کر بیٹھ گیا حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اوپر بیٹھک والے چوباسے میں صاحب فرمائش تھے۔ آپ نے فرمایا۔ ”جو اجنبی نیچے بیٹھا ہوا ہے اسے اوپر بھیج دیا جائے۔“

چنانچہ جب وہ اوپر پہنچا تو آپ نے پاس بیٹھے ہوئے سب احباب کو اٹھ جانے کو کہا اور خود چار پائی پر لڑیں اٹھ کر بیٹھ گئے جیسے بیمار ہوئے ہی نہیں۔ آپ بالکل سندر نظر آ رہے تھے۔ اندسے دروازہ بند کر کے دونوں صاحبان آگ منہ سامنے خاموش بیٹھ گئے۔

تقریباً نصف گھنٹہ گزرا ہو گا کہ دروازہ کھلا اور وہ نقاب پوش اجنبی باہر نکل کر اپنے راستے پر ہولیا اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ چار پائی پر پھر ملازم ہو گئے لوگوں نے دیکھا کہ وہ چادر جسے اس اجنبی نے اوڑھا ہوا تھا نم آلود تھی لوگ یہ خیال کرنے میں حتی بجانب تھے کہ مذکورہ شخص ضرور کوئی بزرگ ہستی ہے جسے حضرت صاحب قبلہ نے

تخلیہ میں یوں نوازا ہے اور وہ سرشار ہو کر جا رہا ہے۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے لیکن وہ سب سے گریزاں بغیر کچھ بتائے اپنی دھن میں مست جلدی جلدی قدم اٹھاتا شہر سے باہر نکل گیا۔ آپ کے متوسلین میں سے ایک شخص اس کے پیچھے دوڑنا چلا گیا اور بالآخر اس نے ”رجی والے کنویں“ کے نزدیک اس کا دامن پکڑ لیا اور پوچھا ”اے اجنبی! جب تک یہ نہ بتاؤ گے کہ تم کون ہو کبھی نہیں چھوڑوں گا“

مجبور ہو کر اجنبی نے جواب دیا ”کہ راہرو جادہ سلوک ہوں ایک کٹھن منزل آپڑی تنہی شکل کشتائی کے لیے سرکار مدینہ علیہ التمجید والثناء کے حضور مدینہ طیبہ حاضری دی تو وہاں سے حکم ملا کہ ”شرقیہ جاؤ“ مجھے شرقیہ کا پتا نہیں تھا۔ حیران و پریشان شش و پنج میں پڑ گیا دوسرے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر ارشاد فرمایا ”شرقیہ۔ اسٹیشن لاہور۔ ہندوستان“ چنانچہ میں لاہور آ گیا۔ لاہور سے آگے روانہ ہوا تو جب قدم شرقیہ شریف کے راستہ پر اٹھتے تھے تو اٹھتے چلے جاتے تھے لیکن اگر کسی دوسری طرف منہ ہو جاتا تھا تو قدم ہی نہیں اٹھتے تھے۔ اس طرح مجھے شرقیہ پہنچنے میں آسانی ہوئی یہاں حضرت میانصاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ کے حضور آ کر میری مشکل حل ہو گئی ہے۔

مذکورہ بالا باتیں وہ اجنبی کیے جا رہا تھا اور پوچھنے والا گوش بر آواز محویت میں کھویا ہوا تھا۔ ایسے میں چلتے ہوئے وہ اجنبی ذرا تیز قدموں سے چلا اور فضا میں اٹھنے لگا اور دیکھتے دیکھتے فضا میں چلنا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اوپر بیان کردہ واقعہ کے دوسرے دن آپ نے غلام محمد حجام کو بلا بھیجا اور فرمایا منڈی وار برٹن کے قریبی گاؤں ”کجری دے چک“ جاؤ اور مہربخش مونگہ گٹھ کو وہاں سے بلا لاؤ۔

حسب الارشاد غلام محمد حجام وہاں گئے اور بابا مہربخش کو ساتھ لے آئے۔ بابا مہربخش کو حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا در فضل الہی کا بازو تھام لو اور اسے ساتھ

لیجا کر اپنی پوتی کا نکاح بابا حاجی نوزدوں کے لڑکے حاجی محمد حسین سے کر دو۔“

بابا مہر بخش نے کہا میرے لڑکے موجود نہیں ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ ”کسی کی ضرورت نہیں۔ میں جو ہوں۔“

چنانچہ بابا مہر بخش گھر پہنچا اور سب عورتوں کو کہہ دیا کہ حضرت صاحب قبلہ نے

حکم دیا ہے لہذا یہ نکاح کیے رہا ہوں۔“ حضرت صاحب قبلہ کے عجم زاد میاں

غلام کبریا صاحب مرحوم و معذور نے خطبہ نکاح پڑھ کر ایجاب و قبول کروا دیا۔

یہ نکاح آپ کے لیے کیوں کروایا؟ تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ بچپن سے کیا

ہوا یہ رشتہ بعض خاندانی رنجشوں کی وجہ سے ٹوٹا ہوا تھا اور اس رشتہ کے قاطع

ہونے سے ایک باعزت گھرانے میں فتنہ و فساد اور شر پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔ جسے

آپ نے اپنی فرانت اور جرأت و اثر سے مٹا دیا۔

یہی وہ واقعات اور کام ہیں جن کے متعلق اسی باب میں تحریر کیا گیا ہے کہ

آپ نے فرمایا تھا ”ابھی دو چار کام پائے تکمیل تک پہنچانے باقی ہیں۔“



تو کو سمجھاتے غافلِ ختمِ مِ زندگی
چیزِ شامِ زندگی صُبحِ دوامِ زندگی



وصال

حضرت صاحب بلہ رحمۃ اللہ علیہ کی کمزوری اور نقاہت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ غشی کے دورے کثرت سے پڑنا شروع ہو گئے ڈاکٹر محمد یوسف۔ حکیم سید علی احمد نیر واسطی۔ حکیم سید ظفر یاحسین جیسے قابل ترین ڈاکٹر اور اطباء آپ کے معالج تھے۔ انہوں نے نہایت جانفشانی، محنت، خلوص اور محبت سے آپ کا علاج کیا۔ لیکن کوئی آفاقہ نہ ہوا۔ بیماری کی اس حالت میں بھی آپ نے اپنا مشن اور مقصد فراموش نہ کیا۔ فرضیہ تبلیغ برابر ادا کرتے رہے۔ طے والوں کو نماز اور درود شریف پڑھنے کی تاکید کرتے اور خود اس بیہوشی کے عالم میں بھی اشاروں سے نماز ادا کر لیتے تھوڑا سا آفاقہ ہو جاتا تو تلاوت قرآن پاک کرتے اور درود شریف کا ورد کرتے۔ اکثر اپنے عزیز برادر حضرت میاں غلام اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب کو پکارتے اور فرماتے ”غلام اللہ صاحب کہاں ہے بلاؤ اسے کہ میرے پاس بیٹھے“

انہیں دنوں حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے برادر خور و حضرت میاں غلام اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر سید نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ و بابا عبد اللہ فیروز پوری کے سامنے وصیت فرمائی ”کھیلنا نہیں ہمانوں کی خدمت کرنا۔ جمعہ کی نماز خود پڑھانا۔ باقی نمازیں اور مسجد کا اہتمام میاں محمد براہیم رحمۃ اللہ علیہ صاحب اور حاجی عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دینا۔ جمعہ کے علاوہ وقتاً فوقتاً مسجد میں جا کر اور بھی نمازیں پڑھانا اور حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عوام الناس

کی رشد و ہدایت کے لیے نصیحتیں وارشاد کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ وفات شریفہ سے کچھ دن پیشتر آپ زنا نجانے بھی گئے اور فرمایا ”اب میں ڈوہراں والے جانا چاہتا ہوں“

حادثہ

۳ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ۔ ۲۰ اگست ۱۹۲۸ء دو شنبہ کا دن شہرِ چور شریف کی تاریخ میں اداس ترین دن تھا۔ حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ پر بار بار غشی طاری ہو جاتی تھی۔ آپ کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ سرکار کے لبوں پر اس وقت بھی سورۃ اخلاص کا ورد تھا۔ آپ کو بچکیاں آنے لگیں اور سینہ میں گھڑ گھڑا ہٹ شروع ہو گئی۔ آخر رات کے تقریباً بارہ بجے جبکہ لگاتار شدت کی گرمی وحدت کے بعد بیٹھی بیٹھی ٹھنڈی ہوا چلنا شروع ہو گئی تھی۔ حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح اقدس نفسِ عنصری سے پرواز کر کے عالمِ قدس میں چاہنچی اور سپر ولایت کا یہ درخشندہ آفتاب ۶۵ برس اپنی ضیاء پاشیوں سے خلق اللہ کے تاریک دلوں کو منور فرمانے کے بعد روپوش ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت صاحبِ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر پاتے ہی متوسلین و مریدین میں کہرام مچ گیا۔ اس شمعِ ہدایت کے پروانے زار و قطار روہے تھے۔ آپ کی جدائی میں احباب کا بُرا حال تھا لوگ دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔

اے آپ کو اس حالت میں پا کر آپ کے شہداء ایوں کا بُرا حال تھا۔ عشاق تڑپ تڑپ کر بیکل ہوئے جا رہے تھے۔ خاص کر سید نور حسین شاہ صاحب کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ ان کو کیلیا نزلے بھیجا جاتا تھا لیکن وہ راستہ سے ہی واپس آ جاتے۔ حضرت صاحب قبلہ نے شاہ صاحب کو فرمایا ”کیلیا نزلے ضرور ہو آؤ واپسی پر لا ہو آ کر سن لو گے“



ایسا مردِ خدا جو تہیوں کا خبر گیر ہو۔ بیواؤں کا سہارا ہو، ضعیفوں اور ناتواؤں کا
 پُرساں حال ہو۔ شفقت و محبت فرما کر ٹوٹے دلوں کا جوڑ دینے والا ہو، مخلوقِ خدا کا نوس
 و عنخوار ہو، طریقت کا مہتاب ہو، حقیقت کا آفتاب ہو، چشمہ ہدایت ہو، عارف
 اکمل ہو، علم باعمل ہو، سب کی طرف بلانے والا اور بُرائی سے روکنے والا ہو، کا دنیا
 سے اُٹھ جانا نہ صرف اہالیانِ شرف و شریف کے لیے صدمہ جانکاہ تھا بلکہ تمام مسلمان
 برصغیر ایک چشمہ فیض سے محروم ہو گئے تھے۔

حضرت صاحبِ قبرِ رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کی خبر آنا فانا پھیل گئی۔ اطراف و اکناف
 سے لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ جنازہ میں شمولیت کے لیے آنا شروع ہو گئے تھے مسلمان
 تو درکنار ہندو، سکھ و دیگر غیر مسلم خاصی تعداد میں آپ کا آخری دیدار کرنے کے لیے جمع
 تھے۔ باوجود اس کے کہ ان دنوں آمدورفت کے ذرائع آج جیسے تیز رفتار اور ترقی
 یافتہ نہ تھے پھر بھی دور دراز سے لوگ، ہجوم در ہجوم آ رہے تھے۔ جدھر نگاہ اُٹھتی تھی خلقت
 ہی خلقت نظر آتی تھی۔

رات کے پچھلے پہر ہی حضرت صاحبِ قبرِ رحمۃ اللہ علیہ کی میت کو نہلا کر کھن
 پہنا دیا گیا تھا۔ بروز منگل آپ کا جنازہ مبارک اٹھایا گیا۔ چار پائی کے ساتھ لمبے لمبے ہنس
 باندھے گئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کنڈھانے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ اللہ اللہ
 عاشقِ رسول کا جنازہ کس شان سے رواں تھا۔ اڑھام اتنا تھا کہ کھوٹے سے کھوٹے پھلتا
 تھا۔ محلہ اور بازاروں میں تل دھرتے کو جبکہ نہ تھی۔ ہجوم کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ معلوم
 نہیں اتنی خلقت کہاں سے آگئی تھی جنازہ جدھر سے گزرتا تھا، لوگ دوڑ دوڑ کر لپکتے
 اور جو کنڈھانہ دے سکتے بانسوں کو ہی تیر کا ہاتھ لگاتے چلے جاتے۔ دکانوں کی چھتیں پھوٹتی
 اور پچول سے بھری ٹری تھیں جنازہ جدھر سے گزرتا سب لوگ ذکر کرتے اور درود شریف کا
 در د کرتے۔ جب جنازہ مکانات و دروازے سے باہر نکلا تو حکیم سید علی احمد تیر واسطی جو



جنازہ میں شمولیت کے لیے لاہور سے آئے ہوئے تھے بے پناہ ہجوم، اتنے بڑے
 جم غفیر، عقیدتمندوں کی والہانہ شفیقتگی و وارفتگی بجد ذوق و شوق اور جنازے کی
 شان و تمکنت دیکھ کر بڑے متاثر ہوئے ان پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ انہوں نے
 بے اختیار مندرجہ ذیل اشعار فی البدیہہ کہہ ڈالے۔

سوزِ دل

شان و شوکت سے یہ کس دو لہا کی آتی ہے برات
 تھر تھرتے ہیں فرشتے کانپتی ہے کائنات
 ہر زبردست اس کی سطوت کے مقابل زیر ہے
 یہ کوئی شاید محمدؐ کا بہادر شیر ہے
 آج اٹھی ہے یہ کس عاشق کی میت دھوم سے
 وصل ہے کس کا خدائے قادر و قیوم سے
 کس جنیدِ وقت کی میت چلی آتی ہے یہ
 قدسیوں کو عصمت و عفت میں شرماتی ہے یہ
 لوگ کہتے ہیں ہوا شیر محمدؐ کا وصال!
 اٹھ گئے گویا ایوڈرن ہو گئے رخصت بلاں
 اب نیکلیں پھر نہ دکھلائیگی و نسیا! دیکھ لو
 مصطفیٰ کے عاشقوں کی شکلِ زیبا دیکھ لو
 بلت مرحوم کے ماتم میں اب روئے گا کون!
 دامنوں سے داغہائے معصیت دھو بیگا کون



اے زمینِ شرقِ پور شیرِ الہی کی کچھار!

دفن ہوتا ہے تری مٹی میں شیرِ کردگار

ہے دُعا نیر کی بر سے تجھ پہ بدلی نور کی

ہو ہمیشہ تجھ پہ نورِ انشاں تجلی طو کی

بارش بر سے کئی ماہ ہو گئے تھے۔ گرمی اور تپش سے ہر ذی بوج تڑپ رہا تھا

ہر طرف دھول اڑ رہی تھی۔ جنازہ جب قبرستان کے قریب پہنچا تو رحمتِ خدا

جوش میں آگئی۔ گھٹائیں جھوم کواٹھیں۔ بادل گھر گھر آئے اور وہ مینہ برساکہ حل

تھل ہو گیا۔ موسلا دار بارش اور موسمِ خوشگوار یومِ وصال پر نزولِ رحمت کا مظہر تھے

سہ پہر ۴ بجے کے قریب حضرت میر منظر قیوم صاحب سجادہ نشین مکان شریف

نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور ہزاروں لوگ نماز میں شریک ہوئے۔ بعد نمازِ جنازہ عوام کو

حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آخری زیارت سے مشرف ہونے کا موقع دیا گیا۔

بجوم در، بجوم لوگوں نے اشکبار آنکھوں سے سرکار کا آخری دیدار کیا۔ شام کے قریب

ڈوہراں والا قبرستان میں حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت کے مطابق آپ کی

بتائی ہوئی جگہ پر آپ کو لکڑی کے صندوق میں داخل کر کے قبر شریف میں اتار دیا گیا۔



۷۔ وصال شریف کے بعد حضرت صاحب قبلہ پر جو جائے نماز پڑی تھی وہ مع پھولوں کے جو عقیدت مندوں

نے پھاڑ رکھے تھے۔ میر منظر قیوم صاحب اپنے ساتھ مکان شریف لے گئے۔ منظر قیوم صاحب

فرمایا کرتے تھے: جب بھی ہمیں کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے ہم وہ جائے نماز مع سسکھے ہوئے

پھول سامنے رکھ کر ربِّ ذوالجلال کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پیش آنہ مشکل حل فرمادیتے ہیں۔



هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد عشق
ثبت است بر عریده علم دوام ما

(حافظ شیرازی)



نامش از خورشید ممتا بنده تر
خاک قبرش از من و تو زنده تر

(اقبال)



قبر جنہاں دی جیوتے ہو

دلا جئے دریں عالم کہ اسرار فنا بینی
مزار کشتگانِ عشقِ رواں مدعا بینی
اگر خواہی معینِ منظر ذاتِ خدا بینی
بیا بہ تربتِ عاشق گزر کن تا صفا بینی

إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَإَلْحَقَ
الْحَيَوَانَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (القلات)

یہ دنیا کی زندگی، کھیل کود کی زندگی ہے اور آخرت کی زندگی دراصل وہی زندگی ہے۔ کاش لوگ اس حقیقت کو جان لیتے۔

اولیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور انکے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اپنی قبور میں ہوتے ہوئے بھی امورِ عالم میں تصرف فرماتے ہیں۔

تفسیر نبوی صفحہ ۹۳۲ جلد ۱۰ اور تفسیر مظہری جامع الفوائد صفحہ ۲۸۰ جلد ۱۳ میں درج ہے

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُعْطِي لِرَبِّهِمْ قُوَّةَ الْأَجْسَادِ فَيَذُفُّهُمْ
مِنَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَالْجَنَّةِ حَيْثُ يَشَاءُ وَنَاصِرُونَ أَوْلِيَاءُ
هُمُ وَيَذُفُّونَ أَعْدَاءَهُمْ أَلَمْ يَشَاءِ اللَّهُ تَعَالَى وَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ
الْحَيَاتِ لَا تَأْكُلُ الْأَرْضُ أَجْسَادَهُمْ وَلَا أَكْفَانَهُمْ

اللہ تعالیٰ اولیاء کی روحوں کو جسمانی طاقت عطا فرمادیتا ہے تو وہ زمین و آسمان اور

جنت میں جہاں چاہیں جاتی ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں اسی حیات کی وجہ سے زمین ان کے جسموں اور کفنوں کو نہیں کھاتی۔ نیز حجۃ الاسلام علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ نمبر ۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ہیں۔ کُلُّ مَرْتٍ يُسْتَمَدُّ فِي حَيَاتِهِ يُسْتَمَدُّ بَعْدَ وَقَايَتِهِ۔

جس سے اُس کی حیات میں مدد لی جاسکتی ہے اس کی وفات کے بعد بھی اس مدد لی جاسکتی ہے

جامع الفتاویٰ صفحہ ۲۸۰ جلد ۱۳ پر یہ ایک عارف باللہ کا قول نقل کیا گیا ہے۔

قَالَ أَحَدُ مَرْتِ الْمَشَائِخِ الْعِظَامِ رَأَيْتُ أَرْبَعَةً مَرْتِ الْمَشَائِخِ
يَتَصَرَّفُونَ فِي قُبُورِهِمْ مِنْهُ الْمَعْرُوفُ الْكَرْمِيُّ وَالشَّيْخُ الْعَبْدُ
الْقَادِرُ جِبِلَانِي وَذَكَرَ رَجُلَانِ غَيْرَهُمَا۔

مشائخ عظام میں سے ایک نے کہا کہ میں نے مشائخ میں سے چار ایسے مشائخ دیکھے ہیں جو اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں جن میں سے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور دو ان کے علاوہ ہیں۔

مندرجہ بالا حقائق کی تصدیق ایک حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوتی ہے جسے فتاویٰ عزیزی صفحہ ۲۵۲۔ زین الحکم شرح عین العلم صفحہ ۵۳ مرقات شرح مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۶ جلد ۴ اور جامع الفتاویٰ صفحہ ۲۸۰ جلد ۱۳ پر نقل کیا گیا ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَخَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُورِ
فَاَسْتَعِينُوا مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم اپنے امور میں حیران ہو جاؤ تو اہل قبور سے مدد مانگو۔

مقبولانِ بارگاہِ صمدیت کے مزاراتِ پاک منبعِ نبوضات اور مصدرِ برکات ہیں۔ یہ علم و عرفان کی ایسی روشن قندیلیں ہیں کہ جن سے ہر وقت الوار و تجلیات کی شعائیں



پھوٹ پھوٹ کر ہر سمت اندھیروں میں اُجالا کیے جا رہی ہیں تیشنگانِ بادۂ عرفان
 دلِ بیتاب اور روحِ مضطر کے لیے انہیں میکدوں سے سکون و طمانیت کی دولتِ بے بہا
 کے حصول کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ انوار و تجلیات کے یہ مراکز جہاں نہ صرف جو بیان
 حق مراقب ہو کر طریقت و حکمت اور روحانیت کے نایاب اور گرانمایہ موتی رولتے ہیں
 بلکہ دنیا کے ستم رسید اور غم زدہ عوام الناس بھی اہل اللہ کے بابرکت مزارات کو
 گوشہٴ عاقبت سمجھ کر حاضر ہوتے ہیں محبانِ اولیاء بزرگوں کے آستانوں پر عقیدت و
 ارادت کے پھول نچھاور کرتے ہیں اور ان بزرگوں کے وسیلہ سے ربِّ ذوالجلال اور
 خالق کائنات سے اپنے دکھوں اور غموں کا مداوا چاہتے ہیں۔

عارفانِ حق اولیاءِ عظام اور مردانِ خدا کے مزارات پر اکتسابِ فیض کے لیے اکثر عوفیاً
 نے چلہ کشی کی۔ حجۃ الکاظمین سند الموحدین حضرت علیؑ جویری داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ
 العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر ولی الہند خواجہ خواجگان حضرت معین الدین حسن
 سجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس دن قیام فرمایا اور مشہور زمانہ شعر ارشاد فرمایا:

گنج بخش فیضِ عالمِ منظرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیرِ کامل کا ملاں مار ہنا

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ و دیگر صوفیاء و اقیانار نے بھی مزارِ داتا پر
 نورِ عرفاں اور جلوہ لائے پہاں کو اپنے سینوں میں سمونے کے لیے دنوں اور مہینوں تک
 قیام فرمایا اور یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔

برگزیدہ ہستیوں اور اولیاءِ کاظمین جن کے مزارات مرجعِ خلافت ہیں کے پاک گروہ
 میں ہمارے اعلیٰ حضرت عاشقِ ربانی شیرِ یزدانی سرکار حضرت میاں شیر محمد صاحب
 شرفِ قبوری قدس سرہ العزیز کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے آپ کے مزارِ اقدس پر ہر
 وقت عقیدتمندوں کا ہجوم ہوتا ہے ذکر و فکر میں مراقبِ حضرات کی محویت ایک



ایک عجیب رُوح پر منظر پیش کرتی ہے۔ ان مقدس مقامات پر تلاوتِ قرآنِ پاک کی شیرینی و عاؤں میں خشوع و خضوع اور رقتِ قلبی۔ نیز ذکر و فکر میں یکسوئی اور جذب و جذب کی کیفیت اور عالموں، درویشوں، دین داروں نیچو کاروں اور ہر کم و مہمکہ غیر مذاہب والوں کا حصول فیض و برکت کے لیے حاضر ہونا صاحبِ مزار کی اُخروی و روحانی زندگی اور حیاتِ جاوید کا بین ثبوت ہیں۔

ملک حسن علی بی۔ اے علیگ شریقی پوری مرحوم نے اپنی کتاب ”ذکرِ محبوب“ میں جو اعلیٰ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے تھوڑے عرصے بعد مرتب کی گئی تھی۔ اہالیانِ شریقیوں شریف کو مخاطب کر کے لکھا ہے ”اے شریقیوں کے لوگو! ذرا گوش ہوش سے سنو۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ مر گئے ہیں وہ پہلے بھی زندہ تھے اب بھی زندہ ہیں بلکہ آپ کی موجودہ زندگی سابقہ زندگی سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے۔

ہرگز غیر دانکہ دلش زند شد عشق ثبت است بر جریدہ علم دوم ما
راقم الحروف کے والد حاجی فضل الہی مونس رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں :-
”پچھلاں والی گلی لاہور میں ایک ترکھان رہتا تھا اس کے لڑکے کوٹی۔ بی (دق) کا مرض) تھی بہت علاج کروائے اچھے اچھے قابل ڈاکٹروں اور سٹنڈ لائن اور تجربہ کار حکما سے مشورے کیے لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ مذکورہ ترکھان اکبر دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دیتا تھا ایک رات ترکھان کو ایک شاہ صاحب دکھائے گئے اور دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہوا کہ ان کے ”دم“ اور دعائے تمہارے لڑکے کو بیماری سے نجات ملے گی اور شاہ صاحب کو مذکورہ ترکھان دکھایا گیا۔ شاہ صاحب فتح پور سکری ہندوستان کی ایک مسجد دہتے تھے وہ لاہور چلے آئے اور دانا صاحب کی مسجد میں قیام فرمایا۔ یہیں ترکھان اور شاہ صاحب نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ شاہ صاحب



کی دعاؤں سے اس کے لڑکے کو صحت و تندرستی نصیب ہوئی۔ پھر شاہ صاحب مسجد وزیرخان
 چلے آئے اور فدوی کے والد صاحب قبلہ سے ملاقات ہوئی۔ شاہ صاحب کچھ دن محلہ
 خراسیاں میں لال محمد نقشبہ نوپس لاہور میونسپل کھٹی کے ہاں قیام پذیر رہے اور اس کے
 کچھ دن بعد شرقپور شریف آگئے اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف
 والی مسجد میں فرودکش ہو گئے۔ شاہ صاحب مزار شریف پر نہیں جاتے تھے بلکہ مسجد میں
 روضہ شریف کی طرف منہ کر کے مراقبہ میں بیٹھے رہتے۔ چالیس دن شاہ صاحب یہاں
 رہے اور فرمایا ”میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلند مقامات اور روحانیت کو سمجھنا
 بہت مشکل ہے“ نیز فرمایا ”حصول فیض کے لیے یہاں آیا تھا اور الحمد للہ کامیاب
 کامران ہوا ہوں۔“ آج تک یہ چشمہ فیض تشنگانِ بادہ شوق کے لیے رواں دواں
 ہے محروم و غم زدہ لوگ آتے ہیں اور اپنے دامنِ مراد میں گوہرِ مقصود بھر کر شاداں و
 دغاں لوستے ہیں۔

سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد از وصال سلیکڑوں و اوقات
 و کرامات میں سے چند ایک احاطہ تحریر میں لا رہا ہوں کہ یارانِ طریقت اور عقیدتمندوں
 کے روح و قلب کے لیے وجہ تسکین ہوں۔

لاہور سے قصور جائیں تو راستہ میں ایک قصبہ ”لبانی“ ہے اس کے نواحی
 گاؤں میں میاں چراغ دین سکونت رکھتے تھے جو اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب رحمۃ اللہ
 علیہ سے بیعت تھے حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد وہ شرقپور شریف
 آئے تو سیدھے حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر جاتے اور
 حاضری کے بعد واپس اپنے گاؤں چلے جاتے میاں چراغ دین حضور میاں صاحب
 رحمۃ اللہ علیہ کے برادرِ اصغر اور سجادہ نشین حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ صاحب
 رحمۃ اللہ علیہ سے نہ ملتے تھے۔



ایک رات میاں چراغ دین نے خواب میں اعلیٰ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں۔ ”چراغ دین تم شریقیور آتے ہو اور میرے بھائی میاں غلام اللہ صاحب سے نہیں ملتے۔ آج میرے بھائی لیبانی آئے ہوئے ہیں جاؤ ان کی خدمت میں حاضر ہو دو اور یہ لو دو روپے میری طرف سے انہیں دے دینا بلکہ اپنی طرف سے بھی کچھ نہیں نذر گزارنا۔“ چنانچہ میاں چراغ دین علی الصبح لیبانی پہنچے تو معلوم ہوا شریقیور شریف سے حضرت قبلہ ثانی صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں اور فلاں گھر مقیم ہیں۔

میاں چراغ دین نے وہاں جا کر آپ کے شرفِ ملاقات حاصل کیا اور اپنا خواب سنا کر حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق جناب ثانی صاحب قبلہ کی خدمت میں نذر گزاری اور اپنے سابقہ ردیہ پر معذرت کی۔ میاں چراغ دین جب تک زندہ رہے شریقیور شریف مزار اقدس پر چھری کے بعد قبلہ ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مل کر واپس آئے۔

اشاعتِ دین کے لیے مناسبتوں کی رہنمائی

جیسا کہ کتاب زیر نظر کے شروع میں تحریر ہو چکا ہوں کہ میرے والد قبلہ حاجی فضل اللہی مونگار رحمۃ اللہ علیہ اور محدث پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آپس میں گہرے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے۔ حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر اہم امور میں قبلہ والد صاحب سے مشورہ کرتے اور ان کی رائے کو صائب سمجھتے ہوئے بہت اہمیت دیتے تھے۔

قیامِ پاکستان سے بہت پہلے والد صاحب قبلہ اور مولانا صاحب

محترم میں اکثر ملاقات ہوا کرتی تھی۔ جب حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لائے تو آپ کے تاجر علمی اور اعلیٰ صلاحیتوں کے پیش نظر



اکثر مقتدر اور مشہور مشائخ کرام نے اپنے آستانوں سے منسلک علمی مراکز کے لیے اور ملک کے کئی ایک مسلمہ دینی مدارس کے منتظمین نے درس و تدریس کے لیے مولانا کی خدمات حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ شرفیو شریف میں جامع حضرت میا نصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بھی حضرت مولانا صاحب کے رجوع کیا گیا مختلف زیر غور تجاویز کے لیے مشاورت کے دوران حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر راقم الحروف کے والد حاجی فضل الہی صاحب سے فرمایا کہ وہ دربار حضرت میا نصاحب شرفیو رحمۃ اللہ علیہ پر اس بارے میں عرض کریں۔ چنانچہ والد صاحب تین دن یہی مدعا لے کر سرکار میا نصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دیتے رہے آخر وہاں سے اشارہ ہوا کہ اس وقت لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کی سرزمین بڑی پیاسی ہے اور وہاں مسلک اہل سنت کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لائل پور میں قیام کا فیصلہ فرما کر وہاں درس و تدریس کا کام شروع کر دیا اور وہیں سے ملک کے کونے کونے میں علم کی روشنی پھیلانی۔ زمانے بھر کے معلوم ہے کہ حضرت محدث پاکستان نے کس جاں سوزی و محنت شاقہ سے مسلک اہل سنت کے مطابق عقائد رکھنے والے عوام کی رہبری کے لیے اہل دانش و بنیش اور جدید علماء علوم و فنون سے مزین کر کے جماعت و جماعت کے طویل و عرض میں پھیلا دیے۔ یوں حضرت قبلہ میا نصاحب شرفیو رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی رہبری سے امت مسلمہ کو کتنے فیضان و برکات میسر آئے۔

محبت اہل مدینہ

قیام پاکستان کے تھوڑے عرصہ بعد مدینہ منورہ کی جانی پہچانی شخصیت محترم المقام جناب حبیب الحدیدی اپنے بھائی کی آنکھوں کے علاج کے لیے پاکستان تشریف لائے تو انہوں نے

ص ۱ اسی دوران مفتی اعظم ذیابستان عالیہ رضویہ بریلی تشریف نے بھی لائل پور میں قیام کا اشارہ فرما دیا۔



ہر جگہ پاکتانی مسلمانوں کو دیدہ و دل فرس راہ کیے اپنا منظر پایا۔ دیارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والوں کا استقبال دیدنی تھا۔

حضرت قبلہ ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر وہ شہرِ قبور شریف بھی تشریف لائے جناب حید الحیدی مزار شریف حضرت میا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بھی فاتحہ خوانی کے لیے گئے۔ جب فاتحہ خوانی کے بعد وہ اٹھنے لگے تو ابھی پورا اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ پھر نیچے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد دوبارہ اُٹھے اور پوری طرح سیدھا بھی نہ ہو پائے تھے کہ پھر بیٹھ گئے تیسری مرتبہ پھر ایسے ہی ہوا۔ حید الحیدی اُٹھ کر پھر بیٹھ گئے۔ لوگوں کا ہجوم تھا جو منظر حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ جب میں اوپر اُٹھنے کی کوشش کرتا تھا تو میرے گھٹنوں پر دو ہاتھ دباتے معلوم ہوتے کہ بیٹھ جاؤ پھر میں بیٹھ جاتا۔ تینوں دفعہ ایسے ہی ہوا۔ میں سمجھ گیا کہ حضرت میا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ عاشقِ رسول تھے مدینہ منورہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری نسبت کی وجہ سے دیر تک اپنے پاس بٹھانے کے خواہش مند ہیں۔ سبحان اللہ بعد وصال بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت اور وابستگی کی بے نظیر مثال!

تصرف در امور بعد از وصال

ستمبر ۱۹۴۵ء کو جب تمام بین الاقوامی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے رات کی اندھیروں میں بزدلوں کی طرح بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو پاکستانی قوم کی غیرت و حمیت جاگ اُٹھی اور ساری قوم سیسہ پلائی دیوار کی طرح دشمن کے مقابل ڈٹ گئی۔ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے مسلمان اسے حرم کا درجہ دیتے ہیں۔ جہاں مسلمان ناموسِ اسلام پر کٹ مرنے اور قربان ہو جانا سعادت اور شہادتِ عظمیٰ سمجھتے ہیں وہاں تائید ایزدی اور غیبی امداد پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ دورانِ جنگ ایسے ایسے غیر العقول واقعات ظہور پذیر ہوئے



کہ دوست دشمن انگشت بندوں رہ گئے۔

جیسا کہ اس باب کے شروع میں تحریر کیا ہے کہ حدیثِ مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہاءِ صلیا اُمت کے اقوال کے مطابق اولیاءِ کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور ان کی ارواح جہاں چاہیں جا کر اپنے دوستوں کی امداد اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران بھی ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں کہ اولیاءِ کبار نے مسلمانوں کی مدد کی۔ ایک ایسا واقعہ شرقِ قبور شریف میں بھی ہوا۔ وہ اس طرح کہ ملک حسن علی بی اے علیگ مصنف "حیاتِ جاوید" اور "ذکرِ محبوب" نے خود بیان کیا کہ ان کی والدہ جو بہت ضعیف تھیں۔ کافی عرصہ سے علیل تھیں۔ وہ دن رات اپنی والدہ کے پاس ہی رہتے ان کا کہنا ہے کہ وہ رات کو نیند کے غلبہ کی وجہ سے اونگھ رہے تھے کہ دیکھا جناب حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں اور آپ پوچھ رہے ہیں کہ حسن علی! تمہاری والدہ کی طبیعت اب کیسی ہے خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد آپ واپس جانے لگے تو (ملک حسن بتاتے ہیں) میں نے کہا۔ حضرت تھوڑی دیر تشریف رکھئے۔ آپ نے جواب دیا۔ "مجھے بہت جلدی ہے میں نے چونڈہ غلغلیا کوٹ پہنچا ہے جہاں پاکستان اور بھارت کے درمیان تاریخ کی بہت بڑی اور خوفناک ٹینکوں کی جنگ ہو رہی ہے (ملک صاحب کا کہنا ہے) میں نے عرض کی حضور! یہاں نزدیک لاہور کے ہاڈروا ہگہ پر بھی تو جنگ ہو رہی ہے۔ حضرت صاحبِ قبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "لاہور کے محاذ کو داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ خود کمان کر رہے ہیں اور میری ڈیوٹی چونڈہ میں لگی ہے۔"

سبحان اللہ! اتنی بڑی خوفناک جنگ کو "کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بہادر شیر، ہی کنٹرول کر نیکا اہل ہو سکتا ہے" یہ بات ملک حسن صاحب نے شرقِ قبور ٹاؤن کمیٹی کے دفتر میں بیٹھے ہوئے کونسلرز کے سامنے بیان کی۔ ان کو لسٹوں میں شرقِ قبور شریف کی مخلص ترین اور معزز شخصیت میاں محمد صدیق موزگہ مرحوم بھی شامل تھے۔ یہ واقعہ ہمارے علاقے میں بہت مشہور اور زبان زدِ عوام ہوا۔



استغفر الله الذي لا اله الا هو الحى القيوم واتوب اليه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شَبْرُ طَبِيبَةٍ

سیدنا روحی قذراہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا مخزن انوار سبحانی معدن
اسرار یزدانی اعلیٰ حضرت شیر ربانی حضرت میاں شمس محمد صاحب شرف پوری و حضرت
ثانی لاثانی میاں غلام اللہ صاحب قدس سرہ العزیز نور اللہ مرقدہ شرف پوری رحمۃ اللہ علیہ
ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز تمام تو گفتن کمال بے ادبی ست

بخش دے یارب تجھے اپنی سخن کا واسطہ

رحم فرما شافع روز جزا کا واسطہ

صدق دے یارب مجھے صدیق اکبر کے لیے

فقر دے سلمان محبوب پمپڑ کے لیے

حضرت قائم کا صدقہ میری بگڑی کو بنا

حضرت جعفر کا صدقہ دے مے دل کو ضیاء

رکھ مجھے باعافیت بہر جناب یا یزید

بوالحسن کا واسطہ دے مجھ کو نصرت کی توبہ

بوعلیؑ کا واسطہ کر کے مری مشکل کو حل

دے مجھے علم طریقت اور توفیق عمل

بہر یوسفؑ قیدِ غم سے دہریں آزاد کر

عبدالخالقؑ کے لیے عقیقہ میں مجھ کو شاد کر

حضرت عارفؑ کے صدقے میں مجھے عرفان دے

حضرت محمودؑ کا صدقہ مجھے ایمان دے

واسطہ خواجہ علیؑ کا فقرِ درویشانہ دے

واسطہ بابا سماسیؑ کا دل دیوانہ کر دے

اے خدا بہر جنابِ شیرِ حقِ مسیہؑ کمال

حرصِ دنیا کو مرے بتخانہٴ دل سے نکال

دے مجھے صبر و رضا صدقہ بہاؤ الدین کا

کہ مجھے صحت عطا صدقہ علاؤ الدینؑ کا

دے میرے دل کو سکوں یعقوب چرخئی کے طفیل

حضرت احرار کے صدقہ میں دھو دل کا میل

حضرت زاہدؑ کے صدقے میں مجھے زاہد بنا

حضرت درویشؑ کے صدقہ میں بے فقر و غم بنا

خواجہ امکنگیؑ کا صدقہ داغِ عصیاں کو مٹا

حضرت باقیؑ کا صدقہ دے بفار بعد از فنا

شیخ احمدؑ کے لیے غیروں کی منت سے بچا

صرف اپنا ہی مجھے محتاج رکھ لے کبریا



واسطہ عبد اللہ کا مالکِ ارض و سما

کر مجھے ایمان اور توحید کی دولت عطا

کھول دے دل کی کلی بہرِ سعیدِ نادر

تاکہ میرے گلشنِ امید میں آئے بہار

حضرتِ معصوم کا صدقہ دکھا کوئے رسول

بس رہی ہے جس میں اب تک بونے گیوئے رسول

اے خدا بہر جنابِ خواجہ حنفی پارسا

وقتِ آخرت کی تکلیف سے مجھ کو بچا

بخش دے شیخ محمد کے لیے میری خطا

واسطہ خواجہ زکی کا اپنی الفت کر عطا

واسطہ خواجہ زماں کا دے مجھے ذوقِ فنا

بہرا احمد قبر میں ہو نور احمد کی ضیاء

اے خدا بہر جنابِ خواجہ حاجی شاہ حسین

دے میرے بچپن دل کو دین اور دنیا میں چین

حشر میں جب ہوتے دربار میں میرا قیام

ہاتھ میں ہو میرے دامانِ نبی بہر امام

بہر حضرت میر صادق صاحبِ صدق و صفا

سرِ ضرور رکھ دو جہاں میں مجھ کو اے میر خدا

واسطہ باریب تجھے خواجہ امیر الدین کا

دے مجھے علم و جبار رزق و شفا صبر و غنا

واسطہ دیتا ہوں یاد میں تجھے اس نام کا
 جو ہمیشہ تیری محبوبی کے گن گاتا رہا
 عشق میں جس کے دل حسرت زدہ دیوانہ ہے
 شہرِ قیوہ اب جس کے باعث نور کا کاشانہ ہے
 اے خدا کیا نام پیارا ہے تیرے محبوب کا
 حضرت شیر محمد صاحب جو دوسرنا
 قطبِ دوراں شیخِ علم ہادی راہِ صفاء
 نائبِ شمسِ لضعیٰ بدالدجی صد اللعلاء
 اے خدا صدقہ حضرت میاں صاحب کے نام پاک
 حشر میں ہم عاصیوں کو نطل رحمت میں چھپا
 اے خدا ہر جناب حضرت ثانی لائانی قبلہ گاہ
 ہم سبہ کاروں کو اپنی رحمتوں میں دے پناہ
 ثانی اثین کے صدقے میں اے ربِّ جلیل
 اس جہاں کی زندگی ہوتا ہے سنتِ جلیل
 اے خدا صدقے میں ان ناموں کے دل کو شاد کر
 کفر کو برباد کر اسلام کو آباد کر



رُبَاعِي

بِرُوحِ مزارِ حضرتِ شيرِ ربّانيؑ

—————

حضرتِ شيرِ محمدؐ آفتابِ علم و دین

جلوۂ آئینہ النوارِ رب العالمین

معدنِ جود و سخا، چشمہٴ صدق و صفا

ناقصوں پر ہو کرم بہرِ محمدؐ مصطفیٰؐ





